N

A

P

Se

Date of Receipt 21-10-27

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کے لیے

مُرقعِ اَدب

یعنی

ہندوستان کے انشا پردازوں اور محققین اساتذہ سخن کے نہایت دلچسپ اور پُراز معلومات خطوط کا نایاب مجموعہ

جسکو

ملک کے مشہور سخنور جناب منشی صفدر علی صاحب صفدر مرزاپوری مصنف دورِ فلک، دیوان صفدر، و مولف بزم خیال وغیرہ نے بعد محنت و جانفشانی

سے

مرتب فرمایا

(باہتمام)

بابو کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ نولکشور پریس لکھنؤ مین چھپا

بار دوم · قیمت عہ · ۱۰۰۰ جلد



فہرست مضامین

تعارف

ناظرین سے اُن حضرات کا جنکے خطوط مرقع ادب میں درج ہیں

امیر مینائی - اُستاد عدیم النظیر مفتی امیر احمد صاحب امیر مینائی - زمانہ مشکل سے سو برس میں ایک ذی اقتدار پیدا کر سکتا ہے - مرحوم بھی انھیں ذی کمال افراد میں شمار کیے جا سکتے ہیں تین دیوانوں کے علاوہ "امیر اللغات" آپ کی قابل قدر یادگار ہے -

انجم - نواب بہادر حسین خان صاحب انجم نیشاپوری لکھنؤ کے مشاہیر شعرا میں ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں مرثیہ گوئی میں بھی شہرۂ آفاق ہیں شاعری میں حضرت امیر مرحوم سے تلمذ ہے اور مرثیہ گوئی میں جناب یونس مرحوم کے شاگرد رشید ہیں -

اکبر - لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی - آپ کا نام نامی ادبی دُنیا میں محتاج تعارف نہیں آپ نے اپنی سحر بیانی و جادو نگاری سے زمانہ کو تسخیر کر رکھا ہے - اس وقت زمانہ میں آپ کے نظم و نثر کا سکّہ چل رہا ہے -

احسان - محمد احسان علی خان صاحب احسان شاہجہان پوری مرحوم - شاعر کہنہ مشق پختہ کلام - ماہر فن - حضرت جلال مرحوم کے نہایت ممتاز اور قدیم شاگرد - صاحب دیوان بھی ہیں -

اخگر - نواب شمشیر بہادر صاحب اخگر ریاست اجیگڈھ آپ کا گہوارہ ناز ہے آپ کی مختلف رنگ کی دلفریب نظمیں ہندوستان کے ادبی رسالوں میں نہایت دلکش نظر آتی ہیں جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ماشاءاللہ آپ ہر رنگ میں قادر ہیں -

ارشد - منشی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی - نظم میں غالب کی ایسی فارسیت زیادہ ہے اور نثر بہت دلکش اور دل پسند ہوتی ہے - طبیعت میں زندہ دلی بذلہ سنجی اور نکتہ یابی

کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

اثر۔ مولوی صدیق احمد صاحب اثرؔ خلف الصدق حضرت جلیل القدر جلیلؔ مدظلہ۔ عربی فارسی کے منتہی اور نیک سیرت نظم سے طبیعت کو زیادہ لگاؤ نہیں۔ سیاسی نثر خوب لکھتے ہیں جو اکثر ملک کے باوقیع اخبارات کا زیور ہوتی ہے۔

آزاد۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزادؔ دہلوی۔ آپ کا نام ادبی دُنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ جس نے الہلال کی زیارت کی ہوگی وہ آپ کے زورِ قلم سے ناواقف نہ ہوگا۔

برہم۔ حکیم عبدالکریم صاحب برہمؔ فتحپوری حضرت امیرؔ مرحوم کے نامور شاگردوں میں ہیں کلام میں شوخی کے ساتھ نزاکت بھی ہے۔ نثر میں بھی یکتائے روزگار ہیں۔ اخبار مشرق گورکھپور سے آپ ہی کی اڈیٹری سے نکلتا ہے۔

جلیل۔ اُستاد بیمثیل حضرت جلیل القدر حافظ جلیل حسن صاحب جلیلؔ جانشین امیر مینائی رح اقلیم سخن کے آخری فرمانروا جس کی عینی شہادت آپ کا دلکش دیوان "تاج سخن" ہے۔ نثر بھی بہت دلپذیر و سادہ لکھتے ہیں۔

حالی۔ شمس العلما سید الطاف حسین مرحوم حالیؔ غالبؔ مرحوم کے قابلِ فخر یادگار رہے نیچرل شاعری آپ پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔ نثر میں بھی آپ یگانۂ روزگار رہے جس کی شاہد آپ کی تصانیف نظم و نثر ہیں۔

حضور۔ حضور احمد صاحب حضورؔ مرادآبادی۔ آپ کی دو ایک نیچرل نظمیں رسالہ نقاد میں میری نظر سے گزری ہیں۔ رساؔ مرحوم کے شاگرد اور اچھے کہنے والوں میں ہیں اس سے زیادہ میں واقف نہیں۔

حمید۔ منشی حمیدالدین صاحب حمیدؔ اعظم گڈھی۔ ایک ذہین و طباع شخص ہیں۔ ریاست بھوپال میں منصرم تھے وہیں مجھ سے راہ و رسم ہوئی۔ نظم سے لگاؤ ذرا کم ہے۔ نثر میں دو ایک فقرے نکال لیتے ہیں۔

سید حافظ حسین صاحب الہ آبادی۔ لسان العصر خان بہادر حضرت اکبرؔ کے برادر نسبتی ہیں۔ طبیعت میں شوخی۔ مزاج میں رنگینی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ میرے بے تکلف دوست ضلع ہمیرپور میں قانون گو ہیں۔

داغ۔ فصیح الملک داغؔ اُستاد یگانۂ روزگار جناب نواب مرزا خان صاحب مرحوم دہلوی جنکی

ذات تعریف کی اور نام تعارف کا محتاج نہیں۔ نظم کی طرح نثر میں بھی وہی شوخی وہی رنگینی وہی زبان کا مزہ پایا جاتا ہے۔

دلگیر۔ شاہ نظام الدین صاحب دلگیر۔ اکبرآبادی۔ آگرہ کے ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ علم ادب سے فطرتی مناسبت ہے۔ نظم سے بہتر نثر لکھتے ہیں۔ رسالہ "نقاد" کو آپ کی ایڈیٹری کا فخر حاصل ہے۔

ریاض۔ لسان الملک سید ریاض احمد صاحب ریاض حضرت امیر مینائی رح کے شاگرد رشید ہیں لیکن انداز بیان میں فصیح الملک داغ کے قدم بقدم ہیں اور شوخی و رنگینی میں اُن سے آگے بڑھے ہوئے ان کے پُرلطف اشعار گذری ہوئی کیفیت کا نمونہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں نثر میں بھی ایک خاص رعنائی ہوتی ہے۔

راقم۔ مرزا غالب مرحوم کے ہمشیرزادے اور صاحب دیوان و تصانیف ہیں۔ اُردو کے مستند ناظم ہیں گو نثر کے مرد میدان نہیں تاہم ان کے چند خط جو مرقع ادب کے لیے تبرکاً لگئے درج ہیں تاکہ نثر میں بھی کچھ یادگار رہے۔

رعد۔ مولوی محمد صدیق خان صاحب رعد جونپوری۔ شاعر گرم بیان حضرت جلیل مدظلہ کے خوش نصیب شاگرد ہیں اس وقت حیدرآباد دکن میں حضرت کی قدمبوسی کا فخر حاصل ہے۔

زاہد۔ مسٹر زاہد حسین نتینوی میرے خاص عنایت فرما ہیں۔ طبیعت نہایت معنی فہم پائی ہے نثر ایسی پیاری لکھتے ہیں کہ آنکھوں میں کھبی جاتی ہے۔ سلسلہ ملازمت دفتر نقشہ الہ آباد میں ہے۔

مسٹر سجاد حیدر۔ بی۔ اے۔ یلدرم۔ ہندوستان کے مشہور انشا پرداز ہیں آپ کی ادبی تبلیغ کا ہر رسالہ شاہد ہے نثر میں ایک خاص قسم کی رعنائی ہوتی ہے۔ ترکی و عربی و انگریزی علم ادب کے ماہر ہیں۔

سعید۔ مولوی محمد سعید صاحب سعید مچھلی شہری انسپکٹر پولیس ضلع مرادآباد۔ محکمہ پولیس میں اس دل و دماغ کے لوگ کم نظر آتے ہیں علم ادب سے آپ کو فطری مناسبت ہے اور یہ خاندانی اثر ہے آپ کے والد ماجد بھی ایک عالم باعمل تھے۔

منشی سلطان احمد صاحب۔ خان بہادر قاضی عزیزالدین احمد ڈپٹی کلکٹر کے عزیز۔ نثر میں ان کی جو خاص بات ہے وہ مشکل سے کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔ اس حصہ میں صرف ایک خط

درج کیا جاتا ہے جس کا ایک ایک فقرہ ناظرین کو تڑپائے گا۔

شوق قدوائی۔ سحرالبیان مولوی شیخ احمد علی صاحب شوق لکھنوی۔ آسمان کمال کے آفتاب۔ اُستاد زمانہ آپ کو جو قدرت نظم میں حاصل ہے وہی نثر میں بھی۔ کئی مثنویاں دلگداز لکھی ہیں جو نظم بےلاجواب جو نثر ہے بے مثال۔ اس وقت ریاست رام پور میں تالیف "امیر اللغات" کی اہم خدمت آپ کے سپرد ہے ایام شباب میں لکھنؤ سے ایک اخبار آزاد نکالا تھا جو آخر اودھ پنچ میں شامل ہو گیا۔

شہیر۔ مولوی سید محمد نوح صاحب شہیر تعلقہ دار و آنریری مجسٹریٹ مچھلی شہر ضلع جون پور۔ صاحب علم و فضل۔ ماہر فن۔ خوش گو۔ کلام ایسا بلند جہاں ہر فکر کی رسائی مشکل ہے حضرت منیر مرحوم کی زندہ یادگار نثر بھی عاشقانہ و شاعرانہ رنگ کی ہوتی ہے۔

شاد۔ خان بہادر میر علی محمد صاحب رئیس پٹنہ۔ اُردو۔ فارسی۔ عربی میں متعدد کتب کے مصنف و مولف ہیں۔ شاعری میں کوئی صنف ایسی نہیں جس میں کلام موجود نہ ہو۔ ہندوستان کے مشاہیر اعظم میں سے ہیں۔

شاد۔ ہز اکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد۔ پیشکار و مدارالمہام ریاست حیدرآباد دکن نظم و نثر دونوں میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ مختلف موضوع پر متعدد تصانیف آپ کے فکر عرش پیما کی تراشی ہوئی نظر سے گزریں۔ جن سے وسیع المعلومات اور بلند فکر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

شوکت۔ مجدد السنہ مشرقیہ سید احمد حسین صاحب (میرٹھی) ایک بلند پایہ عالم اور زبان اُردو کے زبردست مصنف و شاعر ہیں جن اصحاب نے شرح دیوان غالب۔ شرح مکاتب بیدل شرح قصائد خاقانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ آپ کے تبحر علمی اور زور طبع کا اندازہ کر سکتے ہیں عرصہ تک اخبار شحنۂ ہند اور رسالہ پروانہ آپ کے ادارت میں نکلتے رہے۔

شاکر۔ مسٹر پیارے لال صاحب میرٹھی اُردو کے مشہور انشا پرداز و ناظم ہیں متعدد اخبار و رسائل کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں مسیحی ہونے پر بھی نظم و نثر خوب لکھتے ہیں۔ آج کل معزز رسالہ "العصر" کے ایڈیٹر و پرپرائٹر ہیں۔

صبا۔ منشی محمد کریم الدین صاحب سب رجسٹرار برادر کوچک منشی محمد حکیم الدین صاحب مختار عدالت الہ آباد۔ فارسی اُردو میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے ہیں۔ اُردو سے اچھی فارسی لکھتے ہیں

شاعری کا بھی ذوق ہے۔

میر ضیاء دہلوی۔ فصیح الملک حضرت داغ مرحوم کے نامور شاگردوں میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ نظم و نثر دونوں خوب لکھتے ہیں۔ طبیعت شوخ۔ بچپن دل۔ نثر بھی عاشقانہ رنگ کی ہوتی ہے۔

طاہر۔ سید محمد طاہر علی صاحب طاہر فرخ آبادی بھی دنیائے شاعری میں ممتاز اور دور آخر کے مشہور رکن امیر و داغ کے معاصر۔ نثر اکثر مقفیٰ اور پرانے طرز کی ہے مگر نادر و نایاب ہونے کی وجہ سے چند خطوط لیے گئے۔ افسوس ہے کہ جس کے ہندوستان میں سیکڑوں شاگرد ہوں اب ایک مطبوعہ دیوان کے سوا اس کی کوئی یادگار نہیں۔

طالب۔ نواب سعید الدین احمد خان صاحب رئیس دہلی و تعلقہ جاگیر دار لوہارو شاگرد حضرت غالب مرحوم دہلی کے مشہور شاعر۔ نثر بہت کم لکھتے ہیں۔ دو خط مل گئے جو نمونہ نثر سمجھ کر لے لیے گئے۔

ظفر الملک۔ مولوی اسحاق علی صاحب علوی کاکوروی۔ لکھنؤ کے مشہور علمی رسالہ "الناظر" کے قابل ایڈیٹر انگریزی میں قابلیت نہایت اعلیٰ ہے۔ اردو نثر بہت جلد اور نہایت خوب لکھتے ہیں تصوف کے جانب میلان زیادہ ہے۔ متشرع اور فرشتہ صفت انسان ہیں اردو زبان کی خدمت میں اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ اخبار "مشیر بہار پٹنہ" کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔

عزیز۔ مولوی مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔ خوش بیان۔ پاکیزہ زبان۔ طبیعت معنی آفریں کلام میں وہ درد کہ سننے والے کا کلیجا نکل پڑے آپ کا ادبی اعجاز یہ ہے کہ اس سن میں لکھنؤ ایسے شہر میں باکمال سمجھے جاتے ہیں۔

مولانا عبد الرزاق صاحب کانپوری مؤلف البرامکہ و نظام الملک طوسی۔ فن تاریخ میں دوسرے علامہ شبلی نعمانی۔ طبیعت میں باوجود ثقاہت فطرتی شوخی ہے۔ نثر بہت پرزور لکھتے ہیں۔

عارف۔ نواب خاقان حسین خان صاحب عارف کانپوری۔ ان کی نسبت میں اس سے زیادہ واقف نہیں کہ صاحب دیوان اور خوش گو شاعر ہیں ملک میں اب آپ کی شہرت پرانی ہوگئی ہے۔ کانپور کے رئیس اور اساتذہ میں ہیں۔

قیصر۔ سید محمد یوسف صاحب قیصر ایک خوش فکر شاعر و انشا پرداز ہیں۔ خلیق و متواضع

بھی ہیں ریاست بھوپال میں ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ رسالہ "الحجاب" کے کسی زمانہ میں ایڈیٹر تھے۔

ماہر۔ مولوی میر مہدی حسین صاحب مرحوم لکھنؤ کے مشہور رئیس اور حضرت آسیر مرحوم کے شاگرد رشید صاحب دیوان تھے۔ زبان ان کی لکھنؤ میں بھی مستند مانی جاتی ہے مراثی بھی خوب خوب نظم کیے۔ نثر میں کچھ نہ لکھا۔ اتفاقاً ایک خط مل گیا۔ جو تبرکاً درج کیا گیا۔

مسٹر ایم۔ مہدی حسن۔ افادی۔ الاقتصادی۔ آپ کی جدت طرازی اور سحر آفرینی نے انشا پردازی میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ آپ کے دلفریب فقرے سخن سنجوں کو تڑپائے بغیر نہیں رہتے۔ اس وقت تحصیل سراتھو ضلع الہ آباد میں تحصیلدار ہیں لیکن افسوس ہے کہ باوجود قابلیت وسحر نگاری کوئی مستقل تصنیف اب تک نہیں۔

مہر۔ مولوی خورشید علی صاحب مہر دہلوی مجھے صرف ایک دفعہ جناب محوی کے ساتھ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ نظم و نثر عمدہ لکھتے ہیں۔ فارسی عربی قابلیت بہت اچھی ہے۔ آج کل اخبار "ہمدرد" کے سب اڈیٹر ہیں۔

مظہر۔ مولوی سید مظہر الحسن صاحب مظہر مرادآبادی۔ فارسی۔ عربی میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے ہیں ظرافت ورنگینی میں مظہر جانجانان سے کم نہیں۔ بھوپال میں خاموشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ شہرت و نمود سے کچھ مطلب نہیں۔

محوی۔ محب دلی۔ انیس صوری و معنوی مولوی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی صدیقی۔ آپ کی نظم و نثر بقول مولانا علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی اُردو رسالوں کا زیور ہیں۔ اس وقت آپ رسالہ "الناظر" کے سب اڈیٹر اور "گلدستہ لطیف" کے اڈیٹر ہیں۔ اس سے زیادہ انکی نسبت کچھ لکھنا دستی پر محمول ہوگا۔

محمد یعقوب۔ مولوی محمد یعقوب صاحب ایڈیٹر "مشورہ" آپ سے میں زیادہ واقف نہیں حضرت عزیز لکھنوی کے مجموعۂ خطوط میں آپ کے چند خط نظر سے گزرے اُس میں سے ایک ٹکڑا مجھے پسند آیا میں نے انتخاب کرلیا۔ طرز تحریر بہت پیارا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرے ہم خیال ہیں۔

نظم۔ مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی پروفیسر عربی نظامیہ کالج حیدرآباد دکن عالی خیال بلند پرواز۔ دقیقہ رس۔ نکتہ سنج۔ طبیعت معنی آفریں زبان مستند اس

بھی ہیں ریاست بھوپال میں ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ رسالہ "الحجاب" کے کسی زمانہ میں ایڈیٹر تھے۔

ماہر۔ مولوی میر مہدی حسین صاحب مرحوم لکھنؤ کے مشہور رئیس اور حضرت آسیر مرحوم کے شاگرد رشید صاحب دیوان تھے۔ زبان ان کی لکھنؤ میں بھی مستند مانی جاتی ہے مراثی بھی خوب خوب نظم کیے۔ نثر میں کچھ نہ لکھا۔ اتفاقاً ایک خط مل گیا۔ جو تبرکاً درج کیا گیا۔

مسٹر ایم۔ مہدی حسن۔ افادی۔ الاقتصادی۔ آپ کی جدت طرازی اور سحر آفرینی نے انشا پردازی میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ آپ کے دلفریب فقرے سخن سنجوں کو تڑپائے بغیر نہیں رہتے۔ اِس وقت تحصیل سراتھو ضلع الہ آباد میں تحصیلدار ہیں لیکن افسوس ہے کہ باوجود قابلیت و سحر نگاری کوئی مستقل تصنیف اب تک نہیں۔

مہر۔ مولوی خورشید علی صاحب مہر دہلوی مجھے صرف ایک دفعہ جناب محوی کے ساتھ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ نظم و نثر عمدہ لکھتے ہیں۔ فارسی عربی قابلیت بہت اچھی ہے۔ آج کل اخبار "ہمدرد" کے سب اڈیٹر ہیں۔

مظہر۔ مولوی سید مظہر الحسن صاحب مظہر مرادآبادی۔ فارسی۔ عربی میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے ہیں ظرافت و رنگینی میں مظہر جانجاناں سے کم نہیں۔ بھوپال میں خاموشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ شہرت و نمود سے کچھ مطلب نہیں۔

محوی۔ محب دلی۔ انیس صوری و معنوی مولوی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی صدیقی۔ آپ کی نظم و نثر بقول مولانا علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی اُردو رسالوں کا زیور ہیں۔ اِس وقت آپ رسالہ "الناظر" کے سب اڈیٹر اور "گلدستہ لطیف" کے اڈیٹر ہیں۔ اِس سے زیادہ انکی نسبت کچھ لکھنا دستی پر محمول ہوگا۔

محمد یعقوب۔ مولوی محمد یعقوب صاحب ایڈیٹر "مشورہ" آپ سے میں زیادہ واقف نہیں۔ حضرت عزیز لکھنوی کے مجموعہ خطوط میں آپ کے چند خط نظر سے گزرے اُس میں سے ایک ٹکڑا مجھے پسند آیا۔ میں نے انتخاب کرلیا۔ طرز تحریر بہت پیارا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرے ہم خیال ہیں۔

نظم۔ مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی پروفیسر عربی نظامیہ کالج حیدرآباد دکن عالی خیال۔ بلند پرواز۔ دقیقہ رس۔ نکتہ سنج۔ الطبیعت معنی آفرین۔ زبان مستند اس

وقت مقتنات زمانہ میں سے ہیں۔ حضرت شمر لکھنوی مہتمم دلگداز کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔

ناصر۔ناصر یگانہ۔ناصر زمانہ۔خان بہادر میر ناصر علی صاحب دہلوی ''تیرھویں صدی'' اور ''زمانہ'' میں آپ کی سخن گسترانہ شوخیاں قابل داد ہیں۔زبان اُردو سے آپ کو سچی محبت ہے اِس وقت بھی ''صلائے عام'' دہلی آپ ہی کے اہتمام سے شائع ہوتا ہے اور اپنی طرز کا لاجواب رسالہ اور نازک خیالیوں کا بہترین نمونہ ہے۔

نواب۔میر نواب علی صاحب نیتنوی۔ایم۔اے۔ایس۔سی۔پروفیسر بڑودہ کالج آپ کی تعریف وتعارف کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے نام نامی کے ساتھ ایم۔اے۔ کے شاندار حروف خود آپ کے علمی وقار کی شہادت کو کافی ہیں۔

وصل۔حکیم سید ولایت حسین صاحب نیتنوی۔آپ نظم ونثر دونوں اعلیٰ درجہ کی لکھتے ہیں میرے عنایت فرما ہیں۔



تمہید

بحمد اللہ کہ یہ کتاب آج تمام ہوگئی جس کے تالیف کی تمنا مدت سے میرے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی جس میں ملک کے قابل انشاپردازوں اور مشاہیر اہل قلم کے چیدہ چیدہ دلچسپ خطوط بڑی محنت سے تلاش کر کے جمع کیے گئے ہیں جن میں - سادگی - رنگینی - روزمرہ نفیس محاورے - شوخی - بے تکلف بول چال - تحقیق - تدقیق - ہر قسم کا عنصر لطیف آپ ملاحظہ فرمائیں گے -

میری اُمیدوں کی جولاں گاہ بہت وسیع تھی میں چاہتا تھا کہ اس مرقع انشاپردازی میں جن واجب التعظیم بزرگوں یا احباب کے خطوط ہیں اُن کے مختصر حالات بھی لکھ کے کچھ اور دلچسپی کے سامان بڑھاؤں مگر بعض حضرات کی سرد مہریوں نے مجھے اس ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا لہٰذا اب میں بہ حیثیت موجودہ اس انشائے لطیف کو ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں خدا کرے مقبول ہو اور میری محنت ٹھکانے لگے انسان ایک کام کو مفید سمجھ کر اپنے امکان بھر محنت کرتا ہی - مگر ع

قبول خاطر لطف سخن خداداد است

تصنیف و تالیف کا خیال میرے دائرہ قابلیت سے کوسوں دور ہے - مگر اپنی زبان کا دلدادہ ہوں مجھے زبان اُردو سے ویسی ہی محبت ہے جیسی مجنوں کو لیلیٰ یا فرہاد کو شیریں کے ساتھ تھی اس مجموعہ کی تالیف سے میرا مقصود صرف زبان اُردو کی ایک ادبی خدمت ہے -

اُردو معلّےٰ میں مرزا نوشہ غالب کے خطوط اور مکتوبات امیر مینائی رحمۃ حضرت امیر مرحوم کے خطوط اس وقت ملک میں شائع ہو چکے ہیں مگر اس سے تشنہ کامان ادب کی پیاس نہیں بجھتی - اس کی ضرورت ہے کہ مختلف انشاپردازوں کے مختلف رنگ پبلک میں پیش کیے جائیں دیکھئے اس گئی گزری حالت پر بھی ہندوستان میں کیسے کیسے لکھنے والے موجود ہیں جن کا ایک ایک فقرہ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو سلک جواہر کہا جا سکتا ہے اس کے علاوہ طرز تحریر سب کا جُدا جُدا - ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

باہم احباب اور اُستاد شاگردوں میں جو خطوط لکھے جاتے ہیں اُن میں اکثر باتیں مفید عام اور دلچسپ ہوتی ہیں جو تلف ہو جانے کی صورت میں ضائع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا میں نے ان جواہر پاروں کی بربادی گوارا نہ کی۔ خدا کرے اور حضرات بھی میری تقلید کریں اور پرائیوٹ تحریروں میں جو ایسی لاجواب ہوں اُن کو تلف ہونے سے بچائیں۔

اِس سے کسی نادان ہی کو انکار ہوگا کہ زبان اُردو نے اپنا مذاق بدل کے ایسا پیارا رنگ اختیار کیا ہے کہ آنکھوں میں کھپتا جاتا ہے۔ اِس کا شباب جوش پر آرہا ہے۔ اس کا رنگ روز بروز نکھرتا چلا جاتا ہے خدا نظر بد سے بچائے اب اس کے باب میں مجھے ایک حرف بھی لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقدمہ میں محب ولی انیس صوری ومعنوی حضرت محویؔ نے اس امر کو نہایت وضاحت و دلائل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ اب اُردو کی ترقی کو کوئی قوت دُنیا کی نہیں روک سکتی وہ برابر اپنے مدارج ترقی کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ طے کر رہی ہے۔ اس سے زیادہ میرا قلم جولانیاں نہیں دکھا سکتا۔ ہاں اگر ملک نے میری اس ناچیز تالیف کی قدر کی تو حوصلہ افزائی ہوگی۔ شاید میں کچھ اور خدمت اپنی زبان کی کرسکوں گا اور اس کا دوسرا حصہ بھی پیش کرنے کی جرأت مجھے ہو جائے گی۔

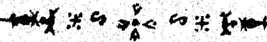
کوئی سنے یا نہ سنے مگر میں تو نہایت ادب کے ساتھ یہی عرض کیے جاؤں گا کہ اپنی زبان اپنی ہی ہے۔ بغیر اِس کے کہ آپ اپنی رسیلی۔ نوکیلی زبان کو محبت بھری نگاہوں سے نہ دیکھیں انشا پردازی کا جمال قائم نہیں رہ سکتا۔ باوجود اِس بے توجہی کے اس کی شاندار ترقی ہمارے نزدیک تو اعجاز سے کم نہیں۔ اِس نا طورہ زہرہ جمال کے شیدائی اِس لیلیٰ وش شیریں کے فدائی تو لسان العصر حضرت آیاصؔ کے ہم زبان ہو کر سچے دل سے اس کے لیے یوں دست بدعا ہیں ؎

تری آن بان ترقی کرے قیامت کی
ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

جناب انجمؔ جناب بشیرؔ ملیح آبادی جناب عزیزؔ لکھنوی جناب مولوی محمد سعید صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس مراد آباد اور نیز اُن تمام احباب کرام کا نہایت درجہ کا میں شکر گزار ہوں جنھوں نے

میری ناچیز استدعا پر خاص توجہ فرما کر اپنے احباب اور بزرگوں کے دلچسپ خطوط مجھے مرحمت فرمائیے جو "مرقع ادب" کی زیب و زینت میں صرف کیے گئے۔ بالخصوص برادرم مجوی کا جن کی ذات سے اُمید کے موافق بے حد اعانت ملی بلکہ یوں سمجھیے کہ "مُرقع ادب" کا بیشتر حصّہ اونھیں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

صفدر۔ مرزا پوری۔





مقدمہ

مُلک کے بعض ارباب قلم اور اہل الرائے اس نقطۂ خیال پر جمے ہوئے ہیں کہ ہماری عالمگیر اُردو زبان جو شیرینی اور جامعیت کا مادہ رکھتی ہے اور جس کو قدرت کی طرف سے وسیع ہونے کا موقع دیا گیا تھا اب رو بہ تنزل یا بالفاظ دیگر معکوس ترقی کر رہی ہے۔ مجھے اس رائے پر نکتہ چینی اور تنقید کا کوئی حق حاصل نہیں۔ مگر میں بہت غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اُردو کی ترقی کو کوئی قوت دُنیا کی نہیں روک سکتی۔ وہ برابر اپنے مدارج ترقی کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے کر رہی ہے جس قدر جلد اُس نے ملک میں اپنا سکہ رائج کیا ہے اتنی جلدی کوئی بادشاہ بھی اپنا اقتدار ایک ایسے ملک میں نہیں جما سکتا جہاں اس کے خلاف سازش کرنے والی کوئی بڑی جماعت اور مستحکم و باثر قوت موجود ہو۔ اُردو کی راہ میں بہت سی دشواریاں حائل ہوئیں۔ تاہم وہ ترقی کرتی رہی۔ کیا دشواریاں تھیں؟ یوں سمجھئے کہ اول تو برادران وطن کا اُردو سے اختلاف اور ہندی کو رائج الوقت بنانے کی کوشش۔ دوسرے گورنمنٹ کا انگریزی زبان کو مُلک کی اُردو زبان پر ترجیح دے کر عدالتی اور سرکاری زبان قرار دینا۔ تیسرے اُن لوگوں کی بے سر و سامانی جو دل سے اُردو کی ترقی کے خواہاں اور کوشاں تھے یا ہیں نیز اس کو صرف شعر و شاعری تک محدود رکھنا۔ یہ سب واقعات ہیں جن میں مجال شک اور گنجائش کلام نہیں۔

یہ میری ذاتی رائے ہے مجھے اصرار نہیں کہ تمام اہل الرائے اور ارباب فہم اسے یقین کا درجہ دیں اور ہاں میں ہاں ملائیں ممکن ہے کہ بعض حضرات اس سے اتفاق نہ کریں اور یہ کہکر چپ ہو رہیں کہ۔ این خیال است و محال است و جنوں۔ مگر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا اور کانوں سے سن رہا ہوں کہ نامور اہل قلم اور مشاہیر انشا پرداز برابر تصنیفات اور تالیفات کے

دائرہ کو وسعت دے رہے ہیں اور جولان گاہ علم و ادب میں اپنے شبدیز قلم کو سرپٹ دوڑانے کی لگاتار کوشش کر رہے ہیں اور کوشش کے ساتھ کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔

ایک صدی پیشتر کے حالات تاریخی دیکھ جائیے۔ ملک میں نہ یہ اُردو تھی اور نہ یہ کتابیں۔ جو آج ہم کو میسر آ رہی ہیں۔ تاریخ جغرافیہ۔ ریاضی حساب۔ ہیئت۔ فلسفہ۔ مذہبی۔ غرض تمام عقلی و نقلی علوم کی کتب جس قدر آج اُردو میں اُس زمانہ میں نہ تھیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہ شعراء نے دیوان چھپوائے۔ مولوی صاحبان نے تو دو چار روزہ نماز کے بیان میں رسالے لکھ ڈالے اور منشی صاحبان نے قصہ عورت ڈلہ۔ قصہ سیاہی زاد و لطائف بیربل۔ اعجاز سلیمانی پر اپنی ہمہ دانی کا خاتمہ کر دیا۔

کیا اُس وقت عربی اور فارسی کے فاضل ہندوستان میں موجود نہ تھے یا عربی میں وہ ذخیرہ علوم و فنون نہ تھا۔ جواب ہے یا وہ کتابیں نہ تھیں جن کا ترجمہ اب ہو رہا ہے تھیں اور ضرور تھیں۔ مگر بات صرف یہ ہے کہ وہ اُردو کا بالکل ابتدائی دور تھا وہ زمانہ اس زبان کے لئے شیر خواری کا زمانہ تھا۔ ہم سب کچھ کر سکتے تھے مگر کرنے کا سلیقہ اور خیال پیدا نہ ہوا تھا۔ اور خیال ہوتا تو کیونکر؟ ترقی کا ایک معیار ہے یہ کس طرح ممکن تھا کہ جو کام آج ہو رہے ہیں ایک صدی پیشتر ہو جاتے۔ کوئی متنفس زینے پھاند کر کوٹھے پر نہیں پہونچ سکتا۔ یہ ایک اصولی بات ہے۔

ملک میں اب نامور اور کثیر الاشاعت اخبارات بھی تفریح دماغی کے لیے بکثرت نظر آتے ہیں اور علم و فن کی کثیر التعداد کتابیں بھی روزانہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ حکومت برطانیہ نے سلیقہ تہذیب اور شائستگی کو عروج دیا۔ تہذیب شائستگی نے ہم کو اپنے علم ادب کی ترقی کا احساس دلایا۔ ہم کو سمجھایا کہ اپنی زبان میں دوسری زبانوں کے علوم اور فنون منتقل کرنا امر لابدی اور ہمارا فرض اولیں ہونا چاہیئے۔ ہم بھی بتایا کہ صرف وضع۔ لباس اور فیشن بدلنے سے کوئی شخص ترقی و تہذیب یافتہ انسان نہیں ہو سکتا بلکہ علوم اور فنون کی قابلیت اور جامعیت پیدا کرنے پر انسانیت یا تہذیب کا دار و مدار ہے غرض ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر علم و فن کی صدہا کتابیں اب ملک میں اُردو کی اس قدر موجود ہو گئی ہیں کہ دوسری زبانوں کے آگے خفت و ملامت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہو سکتی ہے تو پہلے سے بہت کم۔

رہا یہ اعتراض کہ مفید اور بکار آمد تصنیفات اور تالیفات کے مقابلہ میں ناول اور ڈرامے

یا اس قسم کی اور بے ضرورت و فضول کتابیں زیادہ نظر آتی ہیں سب بے جا ہے۔ یہ الزام صرف اُردو داں پبلک ہی پر عائد نہیں ہو سکتا۔ ترکی۔ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ فرنچ۔ اٹالین جرمنی۔ غرض دُنیا کی تمام ترقی یافتہ اور شائستہ زبانوں کی یہی کیفیت ہے مولانا شبلی نے اپنے سفرنامہ میں اسی بات پر اظہار افسوس کیا ہے۔ مگر یہ افسوس رفتار عالم کے لحاظ سے بیجا ہے۔

یہ زمانہ اُردو کی ترقی کا کہا جا سکتا ہے تاہم ابھی اُسے اور بہت سی منزلیں طے کرنا ہیں اور اپنے قابل مصنفیں۔ مولفیں سے ابھی بہت کچھ کام لینا ہے۔ ہماری اُمیدوں کی جولان گاہ بہت وسیع ہے۔ اور انشاء اللہ وہ بھی ہوگا جس کی تمنا دل کو گدگدا رہی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ بہ نسبت زمانہ سابق ہمارا ادب بہت کچھ ترقی کے مدارج طے کر چکا ہے اور کر رہا ہے اور سیکڑوں قابل قدر کتابیں مختلف علوم و فنون کی وجود میں آنے لگی ہیں پھر بھی اس کی ترقی کو معکوس بتانا یا روبہ تنزل کہنا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس اصول پر مبنی ہے۔ جی جل جاتا ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ اُردو کی ترقی تنزل کے ساتھ تعبیر کی جاتی ہے اور اس کے مصنفین و مولفین کی جن کے احسانات سے ہم سبکدوش نہیں ہو سکتے اور جن کی شکر گزاری ہمارا فرض ہونا چاہیئے حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ ان کے قابل تشکر و امتنان کاموں پر ناشکری کے ساتھ حرف رکھا جاتا ہے اور تعصب سے اُن کا ہونا نہ ہونے کے برابر سمجھا جاتا ہے یہ دراصل اُردو زبان کے لیے فال بد اور بُرا شگون ہے۔ کام کرنے کا وقت ہے باہمی کشمکش اور تناقض کا زمانہ نہیں۔ خود کچھ کیجیے اور دوسروں کی حوصلہ افزائی فرمائیے۔ دل شکنی اور ہمت شکنی کا نام صلاح کار یا تنقید رکھنا قابل نفرت بات ہے۔ فن تنقید سے ہمارا ملک ابھی بہت دُور ہے۔ ذاتیات سے بحث یا صرف عیب جوئی جائز نکتہ چینی نہیں قرار دی جا سکتی ہے۔"

مصنفین و مولفین کے خیالات کے جولان گاہ الگ الگ ہیں ہر ایک کا ذوق اور ہر ایک کام کا معیار جداگانہ ہے اور ہونا بھی یہی چاہیئے۔ کوئی ملک دُنیا میں ایسا نہیں جس کے تمام باشندے سائنس داں ہوں کوئی قلمرو ایسی نہیں جس کے تمام مصنف یا مولف صرف فلسفی و مورخ ہوں۔ کوئی سرزمین ایسی نہیں جہاں صرف انشاء پرداز و لسٹ

پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بات بالکل قانون قدرت کے موافق ہے اور تمدن و معاشرت انسانی کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ہر قسم کے لوگ بکثرت ہوں اور ہر خیال جدا گانہ نقش کھینچے۔ بصورت دیگر ملک کی تمام ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں۔

ہمارے ہاں ایک بزرگ ہیں جن کو تاریخ اور فلسفہ تاریخ سے ذوق ہے۔ اُنھوں نے اُس فن خاص میں جامعیت حاصل کی اور اپنی دماغی قوت کو تاریخ کی تحصیل و تکمیل پر پوری طور سے صرف کر دیا۔ بہت اچھا کیا۔ ایک آدمی ایک ہی کام کر سکتا ہے۔ ہماری زبان اُن کی شکر گزار او منت پذیر ہے۔

ایک بزرگ صرف اصلاح معاشرت پر ہمیشہ لکھتے ہیں اُن کی تصنیفات کی غرض و غایت صرف اصلاح معاشرت ہوا کرتی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ بھی شکریہ کے مستحق اور قوم کے لیے باعث نازش ہیں۔

ایک صاحب ہیں جن کے قلم کی معجز نگاری ناول اور تاریخی قصوں تک محدود رہے وہ بھی میرے خیال میں بے ضرورت کام نہیں کرتے ملک کے لیے اُن کا وجود بھی ضروری ہے غرض اِس قسم کے اغراض ہر مصنّف یا مؤلف تصنیف و تالیف کے وقت اپنے ذہن میں لیے ہوئے ہوتا ہے اور قلم کو کاغذ پر جنبش دیتے وقت اپنے مافی الذہن کو پیش نظر رکھتا ہے۔

جس طرح تفریح جسمانی صحت انسانی کے لیے ضروری چیز ہے اُسی طرح دماغی صحت و تفریح کے لیے کتب بینی و شوق مطالعہ پھر شائقین مطالعہ کی تفریح و دلبستگی کے لیے کافی اسباب بہم پہونچانا ہمارے لائق و فائق مصنفین و مولفین کا کام ہے۔ اور اس کے لیے ہر ایسا شخص جس نے ایک کتاب بھی خون دل پی کر اور جگر کاوی کر کے لکھی وہ مصنّف یا مولف کہا جا سکتا ہے اور اُس کا شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ ناشکری ہوگی اگر علمی و ادبی محنت کی داد نہ دی جائے اور ہمت شکنی ہوگی۔ اگر کسی مصنف یا مولف کے کام کو مستحسن نہ خیال کیا جائے۔

ہمارے لائق دوست منشی صفدر علی صاحب صفدر مرزا پوری بھی شکریۂ قوم کے مستحق ہیں۔ آپ کا نام بھی دُنیائے تصنیف و تالیف میں پہلا نام نہیں ہے۔ انھوں نے اس سے پہلے بھی ہماری دماغی تفریح کے لیے کافی اسباب بہم پہونچائے ہیں۔ وہ صرف شاعر ہی نہیں

بلکہ بحیثیت مولف و مصنف بھی ملک اُن سے روشناس ہو چکا ہے۔ وہ اپنے ضروری مشاغل سے وقت نکال کر ملک کے فائدہ کے لیے کئی بار محنت اور دماغ سوزی کر چکے ہیں۔ اُن کی ایک پُرلطف اور غالباً سب سے پہلی تالیف "بزمِ خیال" ہے جو دو تین دفعہ چھپکر خلعت قبول حاصل کر چکی ہے۔ میرے دانست میں وہ نہایت دلچسپ اور غالباً اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔

ہمارے جدت طراز دوست نے اس میں شعرا کے باہمی پُرلطف پُر از نکات مکالمے اور شاعرانہ اور ادیبانہ مباحث، سخن گسترانہ نوک جھونک بڑے بڑے تذکروں اور کتابوں سے چُن کر ایک جگہ جمع کر دیے ہیں اُسی مجموعہ کا نام "بزمِ خیال" ہے دوسری تصنیف اُن کی "دورِ فلک" ہے جس کے اثر کو میرا دل کبھی نہیں بھول سکتا۔ میں ایک سے زائد دفعہ دیکھ کر اُس کو متاثر ہو چکا ہوں مگر افسوس کہ کم مایگی کی وجہ سے اب تک قالب طبع میں آنے اور شہرت پانے کا موقع اُس کو نہ مل سکا یہ کتاب دراصل ایک ناول ہے سچا اور پُر از عبرت و حسرت جس کو جناب صفدرؔ نے اپنی رنگینی تحریر سے دلچسپ و پُراثر بنا دیا ہے۔

جناب صفدرؔ صاحب دیوان بھی ہیں مگر اس جگہ مجھے صرف اُن کی تالیفات نثر سے بحث مقصود ہے گو دیوان کا نام بھی سلسلۂ تالیفات و تصنیفات میں آتا ہے۔

تیسری تالیف یہ دلچسپ مجموعہ خطوط ہے جس کے مقدمہ لکھنے کے لیے مجھ ہیچمیرز کو عزت دی گئی ہے۔

چند خطوط کو ایک جگہ جمع کر دینا اور چھپوا دینا بظاہر آسان کام ہے۔ میرے پاس اور آپ کے پاس احباب اور اعزا کے روزانہ خطوط آتے ہیں اُن سے ہر مہینے ایک مجموعہ تیار ہو سکتا ہے مگر قوت انتخابیہ اور قابلیت تنقید کی شرط نے اس کام کو اہم کر دیا ہے اب یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں رہی جہاں تک میرا تجربہ ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں جوہر صفدرؔ صاحب میں موجود ہیں اور وہ اس کام میں نہایت خوبی سے عہدہ برآ ہونا جانتے ہیں۔ میری دانست میں یہ "مرقع ادب" اپنے موضوع پر اُردو میں پہلی کتاب ہے ہمارے ملک میں غالباً کوئی ایسی کتاب اب تک موجود نہیں ہے جس میں مختلف انشا پردازوں اور لائق لوگوں کے چیدہ چیدہ دلچسپ خطوط جمع کر کے شائع کیے گئے ہیں

لہذا میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ "بزم خیال" کی طرح یہ مجموعہ بھی مقبول خاص و عام ہوگا - اور اُردو داں پبلک اس کی قدر افزائی سے ہمارے لائق دوست کا حوصلہ بڑھائے گی -

اس مجموعہ میں کن کن لوگوں کے خطوط ہیں یہ نہ بتاؤں گا مگر اس امر کا یقین دلاتا ہوں کہ تمام خطوط بے حد دلچسپ اور پاکیزہ ہیں - جن کے دیکھنے والے - سُننے والے اور پڑھنے والے سب محظوظ ہوں گے - اُمید ہے کہ ناظرین کا غم غلط کرنے کے لیے یہ کتاب رفیق ثابت ہوگی میں کس وثوق پر کہتا ہوں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت صفدر کی قابلیت انتخاب اور قوت تنقید کا مجھے ایک سے زیادہ دفعہ تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے اور جب میرے دعوی پر تجربہ و مشاہدہ دو ایسے شاہد عادل موجود ہیں جن کو فلسفہ و منطق کے دو جزو لاینفک ہونے کا شرف حاصل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میرا دعویٰ غیر صحیح مانا جائے اور حضرت صفدر کے اس مجموعہ کی نسبت میری رائے کے خلاف کوئی فیصلہ کیا جائے - زیادہ لکھنا اب میں بے ضرورت سمجھتا ہوں - فقط

محمد حسین - محوی - صدیقی - لکھنوی -

استاد عدیم النظیر جناب امیر مینائیؒ کے خط

حضرت بشیر ملیح آبادی کے نام

۲۸ر فروری ۱۸۹۴ء رام پور

پیارے بشیر ایک نظر تمہارے دیدار فرحت آثار نے ایسا تکلف برطرف کر دیا کہ رسمی تکلفات کے القاب لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لیے پیارے بشیر لکھنے پر قناعت کی۔ تمہاری سعادت مندی سے اُمید ہے کہ اس یگانگی کے الفاظ کو ناپسند نہ کروگے۔ اللہ ہمیشہ تم کو خوش رکھے اور اقبال بڑھائے اور تمہاری دلی مرادیں بر لائے۔ اور ایسا سامان کر دے کہ میں جی بھر کے تم کو دیکھوں اور یہ داغ جدائی جو میرے دل پر تازہ ہوگیا ہے اس کو مٹاؤں۔

غزل میں نے فی الفور دیکھی بنانے کی حاجت ہی نہیں۔ سراسری نظر سے دیکھ کر انتخاب کر دی تمہارا حسن طبیعت آرائش اصلاح کا محتاج نہیں۔ خال خال کہیں کہیں کچھ بتا دینا کافی ہو۔ میری طبیعت بہ سبب ازدیاد مرض کے اور زیادہ بے لطف ہے۔ خداوند تعالیٰ رحم فرمائے۔ اور اس تکلیف سے نجات دے۔

مالک سراج سخن نے مجھ سے بھی غزل کے واسطے بہت ہی اصرار کیا اور میر سا اور جناب شاہجہانپوری نے بھی بار بار مجھ سے سفارش کی اور میرا کوئی عذر قبول نہ کیا گیا تو بمجبوری میں نے بھی گذشتہ گلدستے کے واسطے چند شعر موزون کر کے بھیجے۔ پرچہ چھپ کر جو آیا تو اُس کو دیکھ کر جی خوش نہ ہوا۔ کاغذ بُرا۔ چھپائی ناقص۔ خط بھی اچھا نہیں۔ معہذا تصحیح میں بھی نقصان۔ میری غزل بھی غلط چھپی۔ اطلاعاً لکھا گیا۔

اس سے یہ مقصود نہیں کہ آپ غزل گلدستے کو نہ دیں۔ بلکہ حقیقت واقعی بیان کی گئی۔ آپ کے جتنے عزیز ساتھ آئے تھے سب کو میری طرف سے محبت و اخلاص کے ساتھ سلام و دعا کہئے۔ اور اپنے برادر مکرم اور والد ماجد اور سب اعزہ اور احباب کو ما وجب پہونچائیے قیرۃ العین مسعود عاقبت محمود اور عزیز از جان منشی ممتاز علی دوستؔ[۱] اور منشی جلیل حسن صاحب جلیل سب

[۱] ۔ بجائے دوست کے منشی ممتاز علی صاحب کا تخلص "آہ" ہے۔ مولف۔

بکمال شوق سلام نیاز کہتے ہیں۔ فقط امیر فقیر

ریاست رام پور ۲ر جولائی ۱۸۹۵ء

سعید سرمد مجی بشیر احمد خان صاحب سلمکم اللہ الوایب سلام مسنون اخلاص۔

مشحون بپاس مقرون کے بعد مدعا نگار ہوں کہ محبت نامہ خلت شمامہ کئی دن ہوئے آیا تھا۔ جس میں آموں کی بلٹی بھی ملفوف تھی اور آپ نے نصیب دشمنان اپنے درد کی کھٹک سے بھی اطلاع دی تھی مگر میں نہ مزاج پرسی کر سکا نہ آموں کی رسید دے سکا۔ اس وجہ سے کہ میری ران میں ایک دُمل نکل آیا ہے۔ جس نے مجھے نہایت رنجور و معذور کر دیا ہے۔ آج صبح سے فی الجملہ اس میں افاقہ شروع ہوا ہے تو پوری ڈاک جو پندرہ بیس روز سے جمع ہوئی ہے اس میں سب سے مقدم آپ کے محبت نامے کا جواب لکھتا ہوں آم مجھے پہونچے میں ممنون ہوں اور دل سے شکر ادا کرتا ہوں مگر افسوس ہے کہ یہ آم بالکل خام آئے اور اس زمانے میں کوئی خوش سلیقہ آدمی جس کو پال رکھنے اور اُٹھانے میں مہارت ہو میرے پاس نہیں۔ اس وجہ سے ایسے تحفہ آم بالکل خراب ہوئے اول تو آیندہ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہی ندامت مجھ کو کیا کم ہے کہ آپ کا اتحاف یہاں بے سامانی سے ضائع ہوا اور اگر آپ اپنے غلبہ محبت سے پھر تہدی کریں تو مختلف اقسام اٹڈا۔ مالدہ وغیرہ وغیرہ ہرگز نہ بھیجیں صرف سپیدا اور سُرخا ایسی پختگی پر پہونچا ہوا کہ یہاں پہونچتے ہی کھانے کے قابل ہو جائے پال رکھنے کی ضرورت نہ پڑے عنایت کریں۔ بعض قسمیں ان آموں میں اس حالت پر پہونچیں کہ اطراف اُن کے پک گئے اور بیچ میں بالکل خام رہے اور بعض بالعکس الغرض کوئی قسم روپ پر نہ آئی۔ جس قدر لذت ملی سپیدے ہی سے ملی۔ اگر پال رکھنے کا سامان عمدہ طور سے یہاں ہوتا تو سپیدا بہت اچھا رہتا۔ یہ تفصیل میں نے اس واسطے گذارش کی تاکہ آیندہ آپ کا نقصان بیجا نہ ہو۔ مختلف اقسام میں ایک دشواری یہ بھی ہے کہ سب عزیزان خانہ کو ایک قسم جس کے چند افراد ہوں دینا نہیں ہو سکتا اور شکایت رہ جاتی ہے۔ اس لیے کہ ماشاءاللہ کنبہ بڑا ہے دوستوں سے قطع نظر عزیزوں کو بھی جو چیز بکثرت ہو وہ پہونچ سکتی ہے اور تنہا کسب لذت اُس شخص سے نہیں ہو سکتا جو ایک قافلے کا خدمت گزار ہو۔ خدا کرے آپ کے بے درد درد کی کھٹک جاتی رہی ہو اور بکمال صحت و تندرستی کی حالت پر یہ نامہ اخلاص

پہونچے اور مژدۂ صحت جلد لائیے۔ اطفال فقیر عقیدت ضمیر تسلیم رساں ہیں۔
مکرر یہ کہ کیا آپ کے باغ میں بنارس کے لنگڑے کی قلمیں نہیں لگائی گئیں۔ یہ آم تو بہت خوش ذائقہ اور قابل تعریف ہوتا ہے۔ زیادہ بجز سپاس و دعاے بقیاس کیا لکھوں۔

آپ کا داعی خیر
امیر فقیر عفی عنہ

رام پور ۱۹ر جون ۱۸۹۴ء

دلنواز۔ سلام مسنون اخلاص و دعا مشحون محبت سے بھرا ہوا خط آیا آنکھوں کا نور دل کا سرور بڑھایا آپ جس قدر ملاقات کا اشتیاق رکھتے ہیں اور محبت ظاہر کرتے ہیں۔ اُس سے کئی حصہ زیادہ میری طرف سے تصور کیجئے۔ اللہ تعالے نے آپ کو وہ خلق عطا کیا ہے کہ آپ کی باتیں سن کر روح تازہ ہوتی ہے۔ دیدار کی لذت کا کیا کہنا۔ خداوند کریم اس سعادت اور محبت میں برکت دے۔ اور جمیع مقاصد پورے کرے۔ آم کی قلت سن کر مجھے بھی افسوس ہوا خیال تھا کہ شاید ہمارے ہی یہاں ابکی اس کا قحط ہے اب معلوم ہوا کہ ہر جگہ یہی حال ہے۔ غزل آپ کی میں نے دیکھ لی۔ ۲۲۔ شعروں پر انتخابی صاد کر دیا ہے یہی چھپنے کو دئے جائیں۔ تو بہتر۔ باقی اور شعر بھی صحیح ہیں مگر وہ اس مرتبے کے نہیں ہیں میرا خود جی چاہا کرتا ہے کہ آپ کو بالتخصیص اپنے ہاتھ سے خط لکھا کروں۔ مگر رعشے نے مجبور کر دیا ہے چار سطر بھی لکھنا دشوار ہو جاتا ہے اب آپ نے بنظر قدر دانی فرمایش کی ہے تو انشاء اللہ کسی دن قصد کروں گا اور ممکن ہوا تو چند سطریں ضرور لکھوں گا۔ خط لکھوا ہی رہا تھا کہ آپ کا دوسرا عنایت نامہ مع غزل آیا کتابوں کی رسید معلوم ہوئی۔ اطمینان ہوا۔ نور چشم ممتاز اور جلیل تسلیم رساں ہیں اور میاں مسعود احمد مسلمہم اللہ الصمد بھی۔ واجب گزار ہیں۔

امیر فقیر

مجبّی۔ سلام مسنون۔ دعا مشحون۔ دو عنایت نامے اور دو غزلیں آئیں مشاعرے کی غزلیں دیکھ کر بھیجتا ہوں دوسری غزل بسبب علالت نہیں دیکھ سکا۔ میری طبیعت بالکل اچھی نہیں ہے۔ جو تھا روز ہے کہ حبس بول کا سخت دورہ پڑا تھا۔ حتی کہ تا تا طیر کی نوبت

آئی۔ اُس وقت بے چینی بڑھی ہوئی تھی۔ ذرا تکلیف گھٹے اور طبیعت سنبھلے تو دوسری غزل بھی دیکھ کر بھیجوں۔ اُمید کہ اس کی رسید سے مطمئن فرمائیے۔

امیر فقیر

محبّی وسعیدی سلّمکم اللہ تعالیٰ۔ سلام مسنون واخلاص مشحون۔ مدت کے بعد نامہ سعادت آیا۔ ممنون ومشکور کیا۔ غزل دیکھ کر بھیجتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ آپ کی خیریت سے جلد اطمینان ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ آپ نے اپنی رونق افروزی کا قصد ظاہر کر کے بہت خوش کیا۔ خداوند تعالیٰ ایسا ہی کرے کہ آپ کے دیدار سعادت آثار سے میری آنکھیں پُر نور اور دل مسرور ہو۔ میں آج کل زیادہ مریض رہا۔ اب بھی ہوں دو دن میں چار دورے حبس بول کے پڑے اور وہ دورہ روح فرسا۔ بحمد اللہ کہ اب اُن شدائد میں تخفیف ہے۔

امیر فقیر
یکم ستمبر ۱۸۹۶ء
رام پور

ریاست رام پور ۲۶ر جون ۱۸۹۳ء

سعید رشید سرمد سلّمکم اللہ الصمد۔ سلام مسنون۔ اخلاص ودعا مشحون۔ محبت نامہ آیا مسرور کیا۔ آپ کے والد ماجد کے طبع ہمایوں کی ناسازی سے ملال اور صحت سے خوشی ہوئی۔ میری طرف سے بھی بعد سلام مزاج پرسی کر کے مبارکباد صحت دیجئے۔ غزل دیکھی زمین کے سُست ہونے سے اکثر شعر سُست ہیں۔ جو شعر میرے نزدیک رکھ لینے کے ہیں اُن پر صاد ہیں۔ برس ند کر ہے۔

آموں کی فصل آگئی اور آپ کی مستعدی ہدیہ کرنے کی نسبت اِس تحریر سے معلوم بھی ہوئی۔ میں ہدیہ بھیجنے سے پیشتر شکرگزاری کرتا ہوں مگر بہ نظر بے تکلفی آپ کی غزل دیکھتے دیکھتے یہ شعر زبان پر آگیا ہے ؎

آم وہ بھیجئے کہ ہوں کمیاب
ورنہ امسال اِدھر بھی کثرت ہے

مجھے خیال آتا ہے کہ پارسال آم اچھے نہیں پہونچے یہ تو کیونکر کہوں کہ وہ قسمیں اچھی

نہوں گی یہی شبہہ ہوتا ہے کہ احتیاط و اہتمام کی کمی سے راہ میں بگڑ گئے ہوں گے۔ چنانچہ میں نے آپ کو آم بھیجنے کے بعد مفصل لکھا بھی تھا۔ اب کی بار اگر تکلیف کیجئے تو بہت ہی عمدہ قسم کے آم جن پر چھتیاں ایسی چپکی ہوں کہ چھوٹ نہ جائیں بھیجئے اور بھیجنے میں ایسی احتیاط ضرور کیجائے کہ بے مزہ ہو کر نہ پہونچیں۔ اور اگر یہ جانئے کہ یہ سب اہتمام دشوار ہیں تو بھیجئے ہی نہیں۔ اِس لئے کہ مفت میں آپ کو تکلیف اور مفت کا نقصان ہو اس سے کیا حاصل۔ چونکہ تکلف کا قدم درمیان نہیں ہے اس لیے یہ امور لکھے گئے۔ طبع نازک پر گراں نہ گزرے۔ میری طبیعت کا حال ویسے ہی ہے۔ بہ نسبت جاڑوں کے گرمیوں میں کسی قدر لازمی امراض میں افاقہ ضرور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ہر حال میں شکر ہے۔

امیر احمد عفی عنہ

دلنواز امیر فقیر محبی بشیر احمد خان صاحب بشیر سلمہم اللہ تعالیٰ سلام مسنون۔ دعا مشحون محبت نامہ آیا آموں کی بلٹی لایا۔ آموں نے مذاق جان کو شیریں کیا۔ اتحاف کا شکر گزار ہوں اور آپ کی صحت و سلامتی کا خدا سے خواستگار۔ میری اس ناچاقی طبیعت اور بعض اعزہ کی عدم صحت سے سراسیمہ رہتا ہوں۔ یہی سبب ہے کہ احباب کو نامہ نگاری کا اتفاق بھی کم ہوتا ہے۔ سب عزیزان و احباب خصوصاً حافظ جلیل حسن ماوجب گزار ہیں۔

امیر فقیر

مجی وشفیقی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا کارڈ آیا۔ بہت محجوب کیا۔ غزل آپ نے بھیجی تھی کہ ۱۰ فروری تک دیکھ کر واپس کر دی جائے۔ یہاں آج ۱۸ مارچ کو آپ کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔ ایک مہینے سے بھی ایک دن بڑھ گیا۔

دلنوازا یہ تاخیر بڑی ہی مجبوری سے ہوئی مجھے متواتر حبس بول کے دورے پڑے یہ بھی خبر نہیں کہ ڈاک کب آئی اور اُس میں کیا آیا۔ مہینوں کے بعد آج جواب طلب خطوط نکالے گئے ہیں سب سے پہلے آپ ہی کا مہربانی نامہ نظر افروز ہوا۔ غزل دیکھی۔ کیا کیا شعر آپ نے اس زمین میں نکالے ہیں۔

بارک اللہ فی عمرکم واقبالکم۔ پوری غزل اچھی ہے۔ جو شعر بہت اچھے تھے اُن پر میں نے

صاد کر دیا ہے باقی سب شعر لکھنے کے نہیں۔ مجھے تیمار داریوں سے بھی اب تک نجات نہیں ہے۔ تمام شہر میں امن ہے مگر میرا گھر مریض خانہ بدستور رہے معہذا اور بعض کا ہشیں جدید لاحق ہوگئی ہیں جو سوہان روح ہیں میرے ساتھ میرے احباب بھی بدحواس رہتے ہیں۔ ورنہ میری رنجوری و مہجوری کی اطلاع آپ کو کوئی ضرور دیتا اُمید ہے کہ آپ اپنی سعادت و محبت سے اس تقصیر تاخیر کو معاف کریں "سراج سخن" کی شکایت جو آپ نے کی اُس کی نسبت مجھے ذرا بھی خیال نہیں ہوا اور نہ ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ آپ میرے شفیق ہیں۔ مہربان ہیں۔ سعید ہیں۔ رشید ہیں۔ دلسوز ہیں۔ ہمدرد ہیں۔ مجھے بشرط خیریت و امکان آپ کی خدمت گزاری اور آپ کی خوشی سے کام ہے۔ اِس سے کچھ غرض نہیں کہ آپ شاگرد کِس کے کہے جائیں۔ آپ بھی اس کا مطلق خیال نہ کیجئے۔ اور مجھے تحریر سعادت نامجات سے اپنا شکر گزار بناتے رہیئے۔ میاں جلیل بہت بہت تسلیم عرض کرتے ہیں اور سب بندے زادے بھی ماوجب رساں ہیں۔ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں میرا سلام و نیاز عرض کیجئے اور سب حضار انجمن سے ماوجب کہئے۔

میں ہوں آپ کا قدیمی دعا گو

امیر فقیر

۱۱ر مارچ ۱۸۹۵ء

ریاست رام پور

ریاست رام پور ۲۳ر جنوری سنہ ۱۹۰۰ء

محب دلنواز۔ سلام مسنون۔ اخلاص و دعا مشحون۔ مدت کے بعد یاد آوری نے ممنون کیا۔ میں آغاز موسم سرما سے علیل رہا۔ مرض عسر بول و حبس بول کے دورے بہت پڑے اور اب تک وہی حالت ہے اور ایک دُمل نکل آئی تھی وہ بھی بہت تکلیف دہ تھی۔ اسی حالت بیقراری میں بحالت اضطراری تھوڑا سا سفر کرنا پڑا۔ ملیح آباد کی طرف سے آمد و رفت ہوئی اور ارادہ ہوا کہ تار دے کر آپ کو مطلع کروں۔ مگر کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ ملیح آباد میں ہیں یا کہیں اور منجملہ اس زمانے کے مصائب کے ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ میرے گھر میں دفعتاً آگ لگ گئی ہوا بند تھی آناً فاناً ایسی بڑھی کہ سامان راحت و اسباب [illegible]

صدہا کتابیں خاک سیاہ ہوگئیں - میرے نتائج افکار منظوم و منثور غیر مطبوعہ بھی اکثر جل گئے جن کی تلافی اب ممکن ہی نہیں - ایسی حالت میں میری کوتاہ قلمی قابل عفو ہے -

بحمد اللہ کہ آپ نے اپنی حالت اطمینانی لکھ کر مجھے مطمئن کیا - خداوند تعالے دیر گاہ مکروہات سے محفوظ اور مرغوبات سے محظوظ رکھے - اُمید ہے کہ میری پیرانہ سالی اور خستہ حالی پر نظر کر کے میری کوتاہ قلمی کا خیال نہ کیا کیجئے بحکم رشد و سعادت و خلت و محبت ہمیشہ اپنے حالات اخیریت سے مسرور کیا کیجئے - جلیل رخصت لے کر وطن گئے ہوئے ہیں - اختر بوجہ قحط سالی اور ادا نہ ہوسکنے زر مالگذاری سخت سراسیمہ ہیں - اسیوجہ سے دامن گلچین کئی مہینے سے نہیں نکلا - بکمال شوق سلام نیاز کہتے ہیں - اپنے سب عزیزاں و احباب کو میری طرف سے حسب مراتب سلام و دعا کہئے - سب اطفال عقیدت خصال ماوجب گذار ہیں -

امیر فقیر -

رام پور ۲۲ جون ۱۸۹۰ء

محبّی دلنواز سعید ورشید ابوالمحمد بشیر احمد خاں صاحب زاد عمرکم و اقبالکم - سلام مسنون دعا مشحون - دو مہربانی نامے موصول ہوئے - بلٹی آئی تین سو آم سفیدے کے پہونچے -

آپ کی دلنوازیوں کا کہاں تک شکریہ ادا کروں - ؎

از دست فقیر بینوا نا ید ہیچ
جز آنکہ بصدق دل دعائے بکند

پہلے خط سے نصیب اعدا صاحبزادہ بلند اقبال کے عود مرض کا حال معلوم ہوا اور اُس نے داعی خیر کو بے چین کر دیا - مگر دوسرے صحیفے سے افاقہ معلوم ہو کر کسی قدر تسکین ہوئی اللہ تعالیٰ اس افاقے کو پوری صحت کے حد تک پہنچا دے اور آپ کو حسب دلخواہ مطمئن پائے میرا تعلق خاطر ابھی بدستور ہے اور برابر دعائے صحت میں مصروف ہوں - آپ کی سعادت سے اُمید ہے کہ تا حصول اطمینان کامل کیفیت و خیریت قرۃ العین طال عمرہ سے جلد جلد مجھے مطلع کر کے رفع نگرانی کرتے رہئے - زیادہ کیا لکھوں - میرے حالات بدستور ہیں - اطفال فقیر اور حافظ جلیل حسن کمال شوق و خلوص خصوصی کے ساتھ سلام گذار ہیں -

امیر فقیر

جیبی، وبیبی   ادھرامسال آم بہت کم ہیں اور مجھے حسب مراسم قدیم بعض عالی مرتبہ روساء کو ہدیتہً بھیجنا ہوتا ہے۔ چنانچہ ان آموں کو بہت مغتنم سمجھ کر ایک جگہ روانہ کردیا اب آپ سے یہ بات دریافت کرنا ہے کہ عمدہ لنگڑا آپ کے باغوں میں سے کچھ مل سکتا ہے یا نہیں یا اور باغوں میں بقیمت کس نرخ سے خرید ہو سکتا ہے۔ اپنے کھانے کو اور ہدیہ کرنے کے لیے مطلوب ہے خدا کرے یہ خط آپ کو خوشدلی اور اطمینان کی حالت میں ملے۔ اور جواب باصواب مفصل جلد آئے۔

امیر فقیر

دلنوازا امیر فقیر سلمکم اللہ القدیر   سلام و دعا۔ محبت نامہ آیا۔ ممنون و مسرور یاد آوری کیا۔ غزل دیکھ کر بھیجتا ہوں کیا اچھے اچھے شعر آپ نے لکھے ہیں۔ بارک اللہ فی عمرکم و اقبالکم۔ جو شعر بہت ہی اچھے اور انتخاب تھے اُن پر دو صاد کر دیے ہیں۔ باقی ایک صاد کے شعر بھی اچھے ہیں خط آپ ہمیشہ غزل کی پشت پر لکھا کرتے ہیں جس سے مجھے مجبوری واپس کرنا پڑتا ہے۔ اس کی شکایت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ علیحدہ محبت نامہ تحریر ہوا کرے کہ میرے پاس رہے۔ دیوان چھپ کر مطبع سے آگیا ہے آج اتوار کی وجہ سے ڈاک میں روانہ نہیں ہو سکا کل انشاءاللہ آپ کے نام ایک نسخہ بھیجا جائے گا۔ میں آپ کے حصول مقاصد کے لیے ہمہ تن مصروف دعا ہوں۔ اللہ تعالے آپ کو حسب دلخواہ کامیاب فرمائے۔

امیر فقیر

رامپور ۲۹ ۱۸۹۷ء

رامپور   ۸ مارچ ۱۸۹۷ء

مجبی۔   سلام مسنون اخلاص و دعا مشحون۔ نامہ سعادت نے پہونچکر ممنون و مسرور کیا خداوند تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت دلخواہ کے ساتھ رکھے۔ اور جملہ مکروہات سے مرتفع فرمائیے۔

کسر بفتحتین اُردو ہے اور اسی طرح مستعمل ہے جس طرح داغ نے کہا ہے۔ ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ تھوڑی سی کسر باقی ہے بے تکلف زبان ہے۔ اور کسر بفتح اول و سکون ثانی عربی ہے۔ جو بمعنی شکستن ہے۔ جیسے کسر شان۔ کسر نفس۔ وہ اس جگہ مستعمل نہیں جس جگہ سے بحث کی گئی ہے۔ اور نہ اس کے معنی یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ بہرکیف کسر اپنے مقام

پر صحیح اور بول چال میں داخل ہے۔

اس زمانے میں میرا ارادہ براہ لکھنؤ کانپور سفر کا ہے اگر خداوند تعالیٰ نے ارادہ پورا کیا۔ تو چاہتا ہوں کہ ملیح آباد کے اسٹیشن پر یا لکھنؤ میں آپ کے دیدار فرحت آثار سے بھی مسرور ہوں۔ تاریخ روانگی متعین ہو جانے پر آپ کو مطلع کروں گا۔ جلیل تسلیم گزار ہیں۔

امیر فقیر

۲۰ر جولائی ۱۸۹۵ء   رام پور اسٹیٹ   دفتر امیر اللغات

دلنواز امیر فقیر سلمکم القدیر۔ محبت نامہ آیا۔ بے درد درد کے دورے نے ادھر آپ کو ادھر اس کی خبر نے مجھ کو تڑپایا۔ شافی مطلق آپ کو ہمیشہ اس بے درد کی ایذا سے محفوظ رکھے۔ غریب امیر کے اختیار میں دل دردمند و خاطر شکستہ سے دعا کرنے کے سوا اور کیا ہے مجیب الدعوات مقبول فرمائیے میں بھی حبس بول کے مرض میں دن رات تڑپا کرتا ہوں۔ اس زمانہ میں اور امراض نے بھی گھیرا۔ کل سے کسی قدر آثار صحت ہیں دُمل قریب الاندمال ہے اور تپ لرزہ سے بھی خدا خدا کر کے جان چھوٹی۔ اس وقت اس مختصر کارڈ پر اکتفا ہے۔ اپنے بزرگوں کی خدمت میں سلام کہئے۔ اور عزیزان و احباب سے ما وجب۔ حافظ جلیل حسن بعد سلام مزاج پرسی کرتے ہیں فقط

امیر فقیر

رام پور   ۲۲ر دسمبر ۱۸۹۵ء

محبی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہٗ۔ محبت نامہ آیا اور ممنون و مسرور یاد آوری کیا۔ خداوند تعالیٰ آپ کو اسی دلنوازی اور محبت طرازی کے ساتھ خوش رکھے اور مقاصد دینی اور دنیوی پر فائز کرے۔ میری طبیعت کی ناچاقی بدستور ہے۔ اسی ہفتہ میں ایک دورہ شدہ حبس بول کا پڑ چکا۔ جس میں قاتا طر کی نوبت آئی تھی۔ اب کئی روز سے حالت بدستور ہے۔ اللہ کا ہر حال میں شکر ہے۔ دوسرے دیوان موسوم بہ صنمخانۂ عشق کو میں نے نظر ثانی سے مہذب و مرتب کر لیا۔ کچھ ہی کسر باقی ہے۔ ڈیڑھ دو ہفتہ میں فراغ تام ہو جائے گا۔ بعض احباب کا سخت اصرار ہے کہ یہ دیوان چھپے لہذا میرا بھی ارادہ مصمم چھپوانے کا ہو چکا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس ارادے کو پورا کرے قیمت کی نسبت یہ قرار پایا ہے کہ عام

لوگوں سے عام فی نسخہ لیے جائیں۔ اِس سے کم کرنا نہیں ہو سکتا۔ اور جو خاص احباب (تلامذہ) ہیں اُن سے خاص قیمت لی جاے یعنی وہ اپنی وسعت وحیثیت وتوفیق قدر دانی کے موافق اس کی قدر کریں۔ اس تجویز کو سن کر احباب کے خطوط در بارِ اظہارِ قدر دانی ابھی سے آرہے ہیں بہت ضروری جان کر میں نے آپ کو بھی اطلاع کردی۔ یہ دیوان دیوان اول سے بدرجہا اولی ہے۔ باعتبارِ بلاغت اور باعتبارِ زبان ولذت کے بھی ہر صورت میں اس کو ترجیح ہے جلیل تسلیم عرض کرتے ہیں۔ اُمید کہ جواب ضرور لطف ہو۔ داعی خیر

امیر فقیر

۱۲ر جون ۱۸۹۰ء لکھنؤ

مجمع اخلاق بے حد شفیقی ومحبی منشی بشیر احمد صاحب سلمکم اللہ الواہب۔ سلام مسنون اخلاص و دعا مشحون۔ مجھے آخر اپریل میں سفر کا اتفاق ہوا۔ مگر اپنے عوارض کی وجہ سے بنظر راحت و اختصار ڈاک گاڑی اختیار کرنا پڑی اور معاودت میں بھی بسبب بعض خصوصیات ذاتی کے پسنجر اختیار کرنا نہیں ہو سکتا۔ اور حسرت لقاے گرامی دل میں رہی جاتی ہے۔ لکھنؤ میں اقامت غالبًا تین دن سے زیادہ نہ ہو۔ اور چونکہ میں اپنے وطن میں بہ سبب مدت سے مہاجرت کے مسافر ہوں۔ لہذا آپ کو بھی تکلیف نہیں دے سکتا۔ ایسی عجلت اور بے سامانی میں کیا تدبیر کی جاے۔ جو حسرت دیدار دیرینہ برآئے۔ بواپسی ڈاک کارڈ کا جواب شعر خیر و عافیت اس نشان سے لطف ہو لکھنؤ متصل لال اسکول مکان خواجہ کاظم صاحب وکیل۔

امیر فقیر

ریاست رام پور ۴ر جون ۱۸۹۴ء

سرمایۂ محبت واخلاص سلمکم اللہ تعالی۔ سلام ودعا۔ بہت دنوں سے آپ کی تحریر سعادت تخمیر دیکھنے میں نہیں آئی۔ آنکھیں مشتاق ہیں اور دل خلوص منزل ادراک خیریت کے لیے بیچین ہے۔ فقیر نے دو رسالے بامید ذریعہ نجات وباقیات صالحات ہونے کے تالیف کئے ہیں۔ اور چھپوائے ہیں اُن کا ایک ایک نسخہ بھیجتا ہوں۔ اس امید پر کہ آپ شوق کی نگاہوں سے دیکھیں اور کوئی بات آپ کے حق میں مفید ثابت ہو تو مولف کے لیے حسبتہ للہ

دعا کریں۔ اُمید ہے کہ مژدہ خیریت کے ساتھ ان کتابوں کی رسید سے آپ جلد مطمئن کریں گے
اپنے اُن عزیزوں اور دوستوں کو میری طرف سے ما وجب کہئے جو اپنی دیدار فرحت آثار سے
مجھے مسرور کر چکے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کی خدمت سراپا برکت میں سلام و نیاز قبول ہو۔

امیر فقیر

رام پور ۱۴ر اگست ۱۸۹۴ء

یادآور امیر فقیر سلمکم اللہ القدیر۔ پوسٹ کارڈ آیا ممنون یادآوری فرمایا۔ دبا کی کثرت
اُس نواح میں دریافت ہونے میں سخت تشویش ہوئی۔ ارحم الرحمین بحرمت رحمۃ العالمین
رحم فرمائے۔ حتی الامکان بارگاہ کبریا میں التجا و دعا کا التزام رہے کہ بندے کا یہی کام
ہے۔ اس ملک میں ڈیڑھ مہینے سے تمام شہر بلائے تپ و لرزہ میں مبتلا ہے۔ میرے گھر
میں بھی اس وقت ۲۵ آدمی اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ دل کسی وقت مطمئن نہیں ہوتا۔
اُمید ہے کہ تا حصول اطمینان کامل آپ اپنے و اپنے اعزہ کی خیریت سے جلد جلد مطمئن کرتے
رہیں۔ اپنے والد ماجد اور سب بزرگوں کی خدمت میں میری طرف سے حسب مراتب سلام و
نیاز پہونچائیے گا۔ ممتاز اور جلیل اور میرے سب اطفال عقیدت خصال ما وجب رسان ہیں۔

فقیر امیر احمد امیر

رام پور ۲۳ر جون ۱۸۹۹ء

محب و لنواز۔ سلام مسنون و دعا مشحون۔ مدت کے بعد محبت خمیر تحریر آئی۔ آنکھیں پُر نور
اور دل مسرور ہوا۔ خداوند تعالیٰ آپ کو تمام مکروہات سے محفوظ و مامون اور صحت و عافیت سے
مکنوں رکھے۔ میں آپ کی خوشی سن کر مسرور اور آپ کی تشویش سے بیچین ہو جاتا ہوں اور
ہمیشہ دعائے خیر سے یاد کیا کرتا ہوں۔ آلام و اسقام میرے کبھی زیادہ ہو جاتے ہیں کبھی کچھ
کم مگر ساتھ نہیں چھوڑتے۔ بہر حال اللہ تعالے کا شکر گزار ہوں

یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

آپ کے اخلاق سے مجھے شکایت ہے مہینوں خبر خیریت کو ترسایا کرتے ہیں۔ اب خدا کیلیے ایسا نہ کیجیگا دامن
گلچین آپکے کلام سے خالی رہا جاتا ہے کبھی کبھی تو گہر فشانی ہونی چاہیے۔ اختر خلیل بصد شوق تسلیم رساں ہیں

امیر فقیر

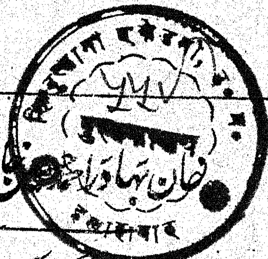
خان بہادر سید علی محمد شاہ عظیم آبادی کے نام

۱۴ر نومبر ۱۸۹۹ء

معظم و محترم دام مالمجد والکرم۔ سلام سپاس الضمام۔ نوازشنامۂ مفصل نے ورود فرما ہو کر آپ کے کمالات کا دفتر کھول دیا۔ میں نے دو بار اوّل سے آخر تک دیکھا اور گوناگوں لطف اُٹھایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بافیض ذات کو دیرگاہ قائم رکھے چشمۂ فیض ہے کہ جاری ہے۔ کتاب کی پلندہ آج پہونچا۔ قطعہ اور نسب نامہ بھی موصول ہوا۔ اس کتاب کو میں بالاستیعاب دیکھونگا در تشویق و ترغیب میں امکان بھر کوشش اُٹھا نہ رکھوں گا بلکہ میرا خیال ہو کہ ریاست کے ڈائرکٹر مدارس سے ملاقات ہو تو اُن سے بھی زور دے کر کہوں خدا کرے آپ کی سب کتابیں جو مفید عام ہیں جلد چھپ کر کام میں آئیں افسوس کہ ان جواہر کا قدر دان کوئی نظر نہیں آتا اور جو اس کی قدر جانتے ہیں وہ کچھ کر نہیں سکتے۔ قطعہ کا کیا کہنا۔ آپ کے دل و دماغ سے جو بات نکلتی ہے وہ دل و دماغ ہی میں رکھنے کی ہوتی ہے۔ ابھی میں نے پورا نہیں دیکھا اب دیکھوں گا۔ جواب عرض کرنے میں دیر اس وجہ سے ہوئی کہ کتاب کا انتظار تھا پلندہ پر رام پور کے ساتھ راجپوتانہ لکھ گیا تھا۔ وہ راجپوتانہ کی سیر کرتا ہوا آج سولھویں دن مجھ تک پہونچا۔ یہ ملک تو روہیلکھنڈ کہلاتا ہے اور ممالک مغربی و شمالی میں داخل ہے ڈاک گاڑی لکھنؤ سے سات گھنٹے میں رام پور پہونچتی ہے مراد آباد جانے کی زحمت اب نہیں ہے بلکہ اسے چلی ہوئی گاڑی سیدھی رام پور ہوتی ہوئی سہارنپور کو جاتی ہے۔

تحریر گرامی سے تصانیف کا ذخیرہ تلف ہونا اور قرآن مجید کا حال (جس کی نظیر دنیا میں نہیں) معلوم کر کے سخت قلق ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ اس پر جس قدر افسوس کیا جائے بجا ہے زیادہ بجز سپاس گزاری کیا عرض کروں۔ آپ کی عنایات کا شکر تو محال ہے۔ شکر کا اظہار بھی پورا پورا مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ موسم سرد میرے مرض کے مخالف ہے۔ حبس بول کے دورے کا زور ہے۔ اللہ تعالےٰ رحم فرمائیے ٭

امیر فقیر



خان بہادر احمد[illegible]ن صاحب مذاق تعلقہ دار و آنریری مجسٹریٹ

پریانواں ۔ ضلع پرتاب گڈھ کے نام ۱۵ر دسمبر ۱۸۹۹ء

کریم الاخلاق پیارے مذاق اعلی اللہ شانکم ۔ سلام مسنون ۔ دعا مشحون ۔ بحمد اللہ یہاں خیریت ہے اور آپ کی عافیت مطلوب قبل اس کے آپ نے لکھا تھا کہ خان بہادر سید اکبر حسین صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد مفصل خط لکھونگا حسب تحریر مجھے تحریر مفصل کا انتظار رہا ۔ چونکہ طبیعت آپ کی طبع گرامی کی طرف مصروف ہے اس لیے مکلف ہوں کہ مژدہ صحاح مزاج سے مسرور اور مطمئن کیجئے ۔ میری حالت بدستور رہے اور پریشانیاں موفور ۔ دعائے عافیات و ترقیات میں مشغول ہوں اللہ تعالی آپ کو خوش رکھے اور عمر و اقبال میں برکت دے ۔ والسلام

امیر فقیر

شاعر نازک خیال حضرت جلال لکھنوی کے نام

رام پور ۸ر دسمبر ۱۸۹۹ء

شفیق حال من شکستہ بال سلمکم اللہ تعالی ۔ سلام اخلاص ۔ انضمام کے بعد عذر خواہ ہوں کہ محبت نامہ کے جواب میں تاخیر ہوئی ۔ علاوہ امراض قدیمہ کے بالائے ناف ایک پھوڑا نکل آنے سے جواب تک مکلف ہے ۔ آپ کا محبت نامہ دیکھ کر طبیعت کو نہایت اشتہار ہوا ۔ افسوس یہ پیرانہ سالی اور اس پر یہ خستہ حالی ۔ الحق ۔ اب میں ہوں یا آپ ایسے مریضان ناطاقت سفر کے قابل نہیں رہے ۔ یہ مجھے اب تک معلوم نہ تھا کہ مانگرول سے تعلق ترک ہوگیا ۔ جس ریاست میں آپ نے تحریک کے واسطے لکھا ہے وہاں کی حالت متواتر قحط پڑنے سے بہت خراب ہے ۔ نواب عالمگیر محمد خاں میرے شاگرد نہیں ۔ کئی برس سے رسم مراسلت تھی جب بھوپال جانے کا اتفاق ہوا تو دو ایک ملاقاتیں ہوئیں ۔ واپسی کے رسم قدیمہ مراسلت میں بھی فرق آیا ۔ اب جو خط جاتا ہے جواب نہیں آتا ۔ میں نے اس سفر میں پہونچکر کسی متنفس کو کام کا آدمی نہیں پایا وہ صاحب جن کو مجھی امتیاز احمد خاں راز نے قصیدہ

بھجوانے کی آپ کو رائے دی۔ میرے قدیم شاگرد اور بڑے چالاک جگت آشنا آدمی ہیں مگر آزادی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ پاسِ وضع کی قید بھی اُن سے نہیں اُٹھتی۔

آپ کے قصیدے کے ساتھ جو معاملہ ہوا وہ اس دعوے کی کافی دلیل ہے۔ میں تصدیق تو نہیں کرتا کہ اُنھوں نے آپ کے قصیدے کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو آپ نے سُنا۔ مگر اُن کی بے پرواہی اور لاوبالی پن سے کچھ بعید نہیں میرے چار قصیدے جو میں نے نواب عالمگیر محمد خاں کے ذریعہ سے پیش کرنے کے لیے بھیجے تھے آخر میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ اُن میں سے ایک سرکار عالیہ تک پہونچا اور تین کا پتا نہیں کہ کیا ہوئے۔ سوا خون جگر کھانے اور صبر کرنے کے کیا چارہ۔ میری کامیابی نواب عالمگیر محمد خاں کے ذریعہ سے جو آپ نے سنی یہ صحیح نہیں ہے اگر نواب ممدوح میں کچھ بھی اس کی صلاحیت پاتا تو آپ کی حالت سے جیسا میرا دل دکھا ہے اُس کا مقتضی ضرور یہ تھا کہ میں ہرگز کوشش میں دریغ نہ کرتا۔ واللہ علیٰ ما نقول شہید۔ وہاں پہونچنے پر بھی اگر مجھے کامیابی کی اُمید ہوتی تو ضرور رائے دیتا کہ آپ حرکت اضطراری کیجیے۔ اس سرکار میں جب تک کوئی اندرونی ذریعہ نہ ہو کارروائی کی امید نہیں اور اندرونی ذریعہ اس پر موقوف ہے کہ آدمی برسوں وہاں پڑا رہے اور گوناگوں کوششیں کرتا رہے۔ یہ شرح کشاف جو میں نے پڑھی اس کی سچائی میں بال برابر فرق نہیں بایں ہمہ میرے دل پر آپ کی پریشانی کا اثر ایسا پڑا ہے کہ میں ہرگز تدبیر سے غافل نہ رہوں گا۔ جہاں کی نسبت کوئی بات خیال میں آئے گی بحکم اخلاص دیرینہ اس میں کوشش کروں گا۔ زیادہ کیا لکھوں۔ صاحبزادوں کو دعائیں اطفال عقیدت خصال ما وجب گزارہیں۔

امیر فقیر

مولوی مظہر الاسلام صاحب کے نام

۲ر فروری سنہ ۱۹۰۰ء

گرامی شان اقبال نشان محبی مولوی مظہر الاسلام صاحب سلّمکم اللہ الواہب۔

سلام مسنون اخلاص و دعا مشحون۔ رشد و سعادت خمیر تحریریں آپ کی کئی آئیں اور میری طرف سے جواب میں تاخیر ہوئی وجہ تقصیر زیادہ تر یہ ہے کہ رسالہ عروض و قوافیہ کی اصلاح بسبب کم فرصتی و ناطاقتی و رنجوری و معذوری کے نہ ہو سکی آپ کی محنت پر نظر کر کے یہ جی

نہیں چاہتا کہ بے اصلاح بھیج دوں۔ اس لیے کہ ایسا جامع مسائل رسالہ بغیر تہذیب
و اصلاح کے پیشکش دربار آصفیہ ہونا مناسب نہیں۔ اِسی وجہ سے اب بھی یہی ارادہ
ہے کہ یک نظر دیکھ جاؤں تو بھیجوں اور دو قصیدے جو آپ نے بھیجے تھے اُن پر سرسری
نظر میں نے کی تھی وہ بہت اصلاح کے محتاج ہیں۔ میرے پیشی کے منشی حافظ جلیل حسن
جلیل سکرٹری دفتر امیر اللغات رخصت لے کر وطن گئے ہیں وہ قصیدے اُن کے پاس
ہوں گے اُن کی غیبت میں مل نہیں سکتے وہ آئیں تو نکلوا کر دیکھوں مگر میری رائے یہ
ہے کہ اگر اُس دربار میں پیش کرنا ہے تو بہت جی لگا کر شگفتہ قافیوں میں کوئی قصیدہ
کہیئے اور بہت سے شعر کہکر چھانٹ لیجئے۔ یہ قصیدے جو آپ نے بھیجے ہیں بہت ہی روکھے
ہیں عذوبت ان میں بالکل نہیں اعلیٰ حضرت نظام عالی مقام خلد اللہ ملکہ، خود سخن شناس
سخن فہم و سخن گو اور سخن آفریں ہیں ان کے دربار کے لیے مختصر ہی کلام سہی مگر بہت اچھا
ہونا چاہیئے فصیح الملک داغ سا شاعر شیریں زبان وہاں موجود ہے ایسے ویسے کلام پر وہاں
امید قبولیت نہیں یہ بات میں نے فرط محبت سے دوستانہ لکھی ہے برا نہ مانیئے گا۔ دیوان ناظم
کی تاریخ بیشک میں نے جلال کی فرمایش سے کہی اور کہتے وقت مجھے بالکل یاد نہ آیا کہ اسی
دیوان کے واسطے آپ نے فرمائش کی تھی ورنہ آپ ہی کو بھیجتا۔ تقریظ جو آپ نے ان کے دیوان
کی لکھی ہے وہ میرے اصلاح سے مستغنی ہے مجھے نثر میں مزاولت نہیں اور تاریخ جو آپ
نے کہی ہے اُس میں لفظ بلند مکان محض بضرورت تاریخ ہے۔ دیوان کی تاریخ میں شاعر
کی صفت بلند خیال چاہیئے نہ بلند مکان۔ اور با ایں ہمہ تکلف بھی باعتبار اعداد تاریخ
پوری نہیں کہ سر انتسال سے ایک عدد کا تعمیہ کیا گیا۔ تقریظ ہو یا تاریخ غرض تو اُس
سے بھی یہی ہوتی ہے کہ اہل سخن پسند کریں اور اگر بھرتی ہوئی تو اس ہونے سے نہ ہونا
اچھا۔ میرے تلامذہ سب اپنے اپنے حال میں پریشان ہیں مجھے امید نہیں کہ تاریخیں لکھکر
بھیجیں حقیقت حال سے میں نے آپ کو اطلاع دے دی آپ کا خالص دوست و بہی خواہ
ہوں۔ ہمیشہ مجھ کو اپنا داعی خیر تصور کیجئے۔ آپ کی زیر باری و نا داری سے بہت دل کڑھتا
ہے مگر سوا دعا کے چارہ کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کے حال پر بھی رحم فرمائے۔ میں بھی
کثرت آلام روحانی اور اسقام جسمانی سے نہایت سراسیمہ ہو رہا ہوں۔ جن کی تفاصیل
لکھ نہیں سکتا۔ دامن گلچیں آپ کے نام بھی روانہ ہوا تھا معلوم نہیں کہاں تلف ہو گیا

کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ کے پاس نہ بھیجا جاتا۔ اختر تسلیم گزار ہیں اس زمانے میں ایسے قوی مواقع پیش آئے کہ دامن گلچیں بند ہو گیا۔ اس کے مہتمم کمال منفعل و عذر خواہ ہیں اور سب اطفال و احباب ماوجب گزار ہیں۔ فقط

فقیر امیر احمد امیر مینائی

جناب نواب بہادر حسین خانصاحب نجم نیشاپوری کا خط

مولف کے نام

کرم گستر حضرت صفدر زاد اللہ کمالہٗ و اقبالہ تسلیم

اب سچ کہو قسم ہے وہ کون سا خدا تھا
تم کہ گئے ہو کیا کچھ اور میں نے کیا کہا تھا

خدا جانے کیا جاتی دُنیا دیکھی کہ ایک دن ادھر کی ظلمت میں بھی آفتاب نکل آیا اور پھر حشر ڈھاتا ہوا ایسا غائب ہو گیا کہ ہم نئی روشنی سمجھ لیے۔ اب وہاں رجعت کی ضرورت نہ یہاں نبوت کی قوت۔ خیر صاحب یہ تو معلوم ہو گیا کہ بڑے وعدے کے سچے ہو۔ تمھیں حسینان معانی کی ناز برداری سے کہاں فرصت مجھی کو مکاں پر ملنے کا وقت بتاؤ تو وہیں دھرنا دے کر بھرنا بھریں۔ اور ہاں یہ تو کہو وہ نجومی صاحب کس گردش میں پڑ گئے آپ نے جن کو اپنے ساتھ لانے کو کہا تھا مجھ کو تو ان لوگوں کی باتوں کا ذرہ بھر نہ شوق نہ یقین۔ معلوم ہے کہ لوح محفوظ عرش پر۔ کلک تقدیر خوشنویس ازل کے ہاتھ میں پردہ غیب چودہ طبق سے بڑھا ہوا اپنے حال سے بخبر آسمانوں سے باتیں کرتے ہیں۔ مگر آپ کی باتیں سن کر اس دن سے میرے لڑکا کا مصر ہے کہ ہمارا زائچہ کھنچوا دیا جاوے۔ لہذا متکلف ہوں کہ آپ اُن سے تصفیہ کر کے جو کچھ لکھئے وہ میں بھیجدوں۔ نام پسر کا (لیاقت حسین خان) عرف سید نواب اور تاریخ پیدائش ۲۳ر نومبر ۱۹۰۲ء مطابق ۲۲ر شعبان سنہ ۱۳۲۰ھ یوم دوشنبہ وقت صبح صادق ۵ بجکر ۳۵ منٹ بحساب افق شہر لکھنؤ یعنی لکھنؤ کے سنڈیل سے تک مدراسی حساب سے جو کہ رائج الوقت جنتریوں میں بیس منٹ بہ نسبت یہاں کے غلط ہوتا ہے۔ اس کو وہ خود سمجھ لیں گے کہ لکھنؤ کے سنڈیل سے اُس وقت طلوع میں صرف دس منٹ باقی تھے معلوم نہیں کہ ایسی صبح

صادق کو یہ لوگ رات کی ساعت میں گنتے ہیں یا دن کی ساعت ہیں۔

دوسری التماس یہ ہے کہ رقعات اساتذہ جو اس دن آپ "مرقع ادب" میں درج کرنے کو مجھ سے لے گئے ہیں اُن کی نسبت کاپی نویس کو ضرور یہ ہدایت کر دیجئے گا کہ منشی نولکشور صاحب کے دستور العمل کی پابندی سے اتنے بڑے بڑے اُستادوں کے رسم الخط میں اصلاح نہ دیں۔ یعنی املا وہی رہے جو اُن لوگوں کے قلم سے نکلا ہے ورنہ نکتہ چینوں کو حرف گیری کا موقع بھی ملے گا۔ اور جمل کا طے شدہ قاعدہ بھی خلط مبحث میں پڑ جائیگا کہ ہرچہ نویسند گیرند۔ یہ لوگ "ان کو" اور "اُس کو" وغیرہ کے الفاظ میں واو نہیں لکھتے حالانکہ ایسے الفاظ کو بغیر واو کے لکھنا غلطی ہے۔ اوڑنا۔ اوٹھنا۔ اوبھارنا۔ اوبکائی۔ مونہہ وغیرہ ایسے تمام الفاظ کے رسم الخط میں واو ضروری ہے۔ "مجھے" کے لفظ میں ہائے ہوز لکھیں مگر مجکو کے لفظ سے کثرت استعمال نے ہائے ہوز کو حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح سے ہاتھوں کے لفظ میں بھی حرف تا کے بعد ہائے ہوز نہ چاہیئے۔ پہونچا کا لفظ بغیر واو کے لکھیں۔ ہوئی اور ہوئے کے الفاظ میں دوہری ی نہ لکھیں نہ اُن پر ہمزہ بنائیں ہنستا اور پھنستا وغیرہ کے الفاظ میں نون جو حرف قید ہے لکھتے رہیں۔ جس سے یہ ظاہر رہے کہ ان الفاظ کو بستا کے ساتھ قافیہ نہیں کر سکتے۔ یونہیں کے لفظ میں نون کا اڑا شوشہ بنائیں۔ جس سے نہیں اور یونہیں میں امتیاز باقی رہے۔ مگر مجھ کو اُن کے کام میں تمام الفاظ سے بحث نہیں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اساتذہ کے رسم الخط کو بگاڑا نہ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے قلم سے جس لفظ کا جس طرح املا لکھا ہے وہ بدستور رہے۔

میں یہ سب لکھ تو رہا ہوں مگر معاف کیجئے گا تعمیل کی اُمید کم ہے۔

زیادہ شوق لقا

اذل مردم

سید بہادر حسین خان انجم عفی اللہ عنہ



لسان العصر خان بہادر حضرت اکبر کا خط

مولف کے نام

الہ آباد ۶ر جنوری ۱۹۱۵ء

عنایت فرمائے من - افسوس ہے کہ آپ کا کارڈ ۲۴ر دسمبر کا اس وقت میں نے پڑھا علیل تھا - انتشار طبع تھا خطوط کاغذات میں مخلوط رہے - اُردو میں زرا لکھنا چاہیئے ز سے لیکن ذرہ عربی میں ذ سے (مثال) زرا مجھ ذرہ بیقدار سے بھی ملئے - اب آپ کیسے ہیں اور کہاں ہیں - جواب آنے پر کوشش کروں گا کہ خط مطلوب آپ کے نام لکھوں اور مختصراً وہ مضامین لکھدوں جو اُردو زبان کے بعض الفاظ کی نسبت میں نے لکھے ہیں - آپ کا مطلع[1] خوب ہے - معنی بھی بامزہ ہیں - لیکن ترکیب الفاظ بہت دلکش اور پیاری ہے آپ کا حصّہ ہے - سبحان اللہ -

اکبر حسین

اڈیٹر صاحب "نقاد" کے نام

الہ آباد ۷ر جون ۱۹۱۳ء

............کس قلم سے لکھوں - کس زبان سے کہوں کہ میرے پیارے اور زندگی کے سہارے ہاشم نے جو آپ کا بھی معتقد اور نیازمند تھا اور میری طبیعت کے سانچے میں ڈھل رہا تھا ۵ر جون ۱۹۱۳ء کو بیس دن کی علالت کے بعد اللہ اللہ کرتا دُنیا سے رخصت ہوگیا بجز اسکے کہ ہوش میں ہوں اور یہ کارڈ لکھ سکا اور کوئی حالت مجھ میں نہیں ہے - دعا فرمائیے کہ خدا صبر عطا فرمائے کوشش کر رہا ہوں اور مذہب اور تصوف سے مدد چاہتا ہوں -

اکبر

الہ آباد ۲۸ر جون ۱۹۱۳ء

............آج اتفاق سے "صلائے عام" جنوری ۱۹۱۰ء میرے سامنے آگیا اور آپ کا مضمون

[1] حضرت لسان العصر نے میرے حسن مطلع کی داد دی ہے وہ بھی ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے لکھے دیتا ہوں سہ
بتائے دیتی ہے کم بخت راز سب دل کے ۔ مری نگاہ تمہاری نگاہ سے مل کے ۔ مولف

"جذباتِ اکبر" میں نے پڑھا شاید اس سے پہلے کبھی اس کو توجہ سے نہیں پڑھا تھا اگرچہ دُنیا سے بالکل دل برداشتہ ہوں اس تصنیف مطلع سے میری حالت ظاہر ہوگی ؎

جب یہ دیکھا کہ جہاں میں کوئی میرا نہ رہا
شدّتِ یاس سے میں آپ بھی اپنا نہ رہا

اب جو آپ مجھ سے الہ آباد میں ملے تھے اُس وقت بھی طبیعت کو شدید انتشار رہا۔

وہ چمن ہی جل گیا جس میں لگائے تھے شجر — اب تجھے پا کر میں اے بادِ بہاری کیا کروں
جان ہی کا جسم میں رہنا ہے مجھ کو ناگوار — دوستوں سے ادعائے دوستداری کیا کروں
صفحۂ ہستی سے ہو محو اپنا نقشِ زندگی — جب یہ مضمون ہو تو پھر مضمون نگاری کیا کروں
بزمِ عشرت میں بٹھاتا تھا جسے وہ اُٹھ گیا — اب میں اے فرو اتری امیدواری کیا کروں

بایں ہمہ نہ ہو سکا کہ آپ کو داد نہ دوں۔ میرزا ناصر علی صاحب مدظلہٗ نے بھی آپ کو داد دی ہے۔ میری ہی مدح ہے میں نہیں جانتا کہ داد دینا جائز بھی ہے یا نہیں؟ یہ کہنا چاہیئے کہ شکر گزار ہوں۔ میرے اشعار تو بے وقعت ہیں لیکن آپ کے ریمارکس سے آپ کے مذاقِ سخن کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے

اکبر

حضرت عزیزؔ لکھنوی کے نام

الہ آباد ۵ر مارچ ۱۹۱۴ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ آپ نے نہایت صحیح تحریر فرمایا اور میرے اطمینان اور مسرت کے لیے یہ بات کافی ہوئی بلکہ اُس سے بھی زیادہ کہ آپ نے اس ترکیب کو ایک مستند مثال قرار دیا۔ جواب لکھنے اور داد دینے میں اسی سبب سے تامل تھا۔ آپ کی بصیرت اور وسیع الخیالی نے آپ کو میری نظروں میں نہایت ممتاز کر رکھا ہے۔ آپ کا باطنی درجہ آپ کے ظاہری پوزیشن سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ میں نے حال میں دو چار شعر کہے تھے بعض حضرات نے ان کو بہت پسند کیا اور تفنن کے لیے میرے نزدیک آپ اُن کے عامل ہیں وہ دو شعر یہ ہیں ؎

تو وضع پہ اپنی قائم رہ قدرت کی مگر تحقیر نہ کر — دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر
گو تیرِ عمل محدود رہے اور اپنی ہی حد مقصود رہے — رکھ ذہن کو ساتھی فطرت کا بندشِ شبہ و تاثیر نہ کر

دو شعر اور ہیں ؎

باطن میں اُبھر کر ضبط فغاں لے اپنی نظر سے کار زباں — دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر
تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے — اِن خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

۱۷ فروری کو شب کو سوءِ اتفاق سے میری اُس آنکھ میں جس پر آپریشن ہوا ہے شدید چوٹ لگی بہت تکلیف ہوئی سمجھا کہ آنکھ بالکل جاتی رہی۔ دس دن تک پٹی بندھی رہی۔ خدا نے بڑا فضل کیا کہ بصارت بدستور رہی اور آنکھ کو کچھ نقصان نہیں پہونچا لیکن حلقۂ چشم میں کبھی کبھی درد محسوس ہوتا ہے آپ سے ملنے کا بہت آرزومند ہوں۔ ممکن ہوا تو اپریل میں لکھنؤ کا قصد کروں گا امید ہے کہ آپ کا تعلق اسکول سے قائم ہو۔ میں اپنا حال کیا کہوں۔ پیٹ کو کھانا مل جاتا ہے۔ الحمد للّٰہ۔ دل کے لیے دُنیا میں کچھ نہیں رہا۔ اُمید مغفرت کے سوا ❊

نیاز مند اکبر حسین

مجلس نسواں میں دیکھو عزتِ تعلیم کو
پردہ اُٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو

اکبر

الٰہ آباد ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء

مکرمی۔ السلام علیکم۔ میں خود دریافت خیریت کا خواہاں تھا۔ نیاز نامہ لکھا چاہتا تھا دل سے دل کو راہ ہے۔ آپ نے یاد فرمایا۔ کیا کہوں سخت بے لطفی سے زندگی کٹتی ہے گھر کی عجب حالت ہو گئی ہے آپ کو معلوم ہے۔ سوسائٹی میں جو خرابی ہو گئی ہے۔ ہاشم سلمہٗ کے سبب سے قیدی بنا ہوا ہوں۔ ورنہ یہاں کم رہتا۔ آپ سے ملنے کا بہت آرزومند ہوں دیکھیے کب موقع ملتا ہے۔ شاید شروع مئی میں حاضر ہو سکوں۔ آپ کا ایک مصرع بہت یاد آیا کرتا ہے۔ ع

جب میسر نہیں اپنی ہی ملاقات مجھے

کیا بلند خیال ہے۔ کبھی کبھی مجھ کو یہ خیال آتا تھا آپ نے موزوں کر دیا۔

کلیات کے تیسرے ایڈیشن کے لیے انڈین پریس کو آرڈر دے دیا گیا ہے۔ غالباً جون میں اشاعت ہو جائے۔ فرمائشیں آ رہی ہیں۔ حصۂ دوم بھی زیرِ طبع ہے۔ ہاشم سلمہٗ آداب عرض کرتے ہیں ❊

خرافاتِ حال میں دو تین شعر عرض کرتا ہوں ❊

دل ترا ہو کہ نہ ہو ہوش رُبا راز کے ساتھ
گردشِ چرخ بدل دیتی ہے دُنیا کا طریق
پر شکستہ ہوں قفس میں نہ رہا ذوقِ چمن
کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر

صورت سرمد تو ازل سے ہے اسی ساز کے ساتھ
ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبدہ پرواز کے ساتھ
ولولے دل کے گئے قوتِ پرواز کے ساتھ
آرزو وہ ہے کہ سینے میں رہے ناز کے ساتھ

نیازمند اکبر حسین

الہ آباد ۱۳ مئی ۱۹۱۲ء

مکرمی۔ آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ مجھ کو اس عنایت و محبت کے ساتھ یاد رکھتے ہیں شعر

وہ دو ذرے بلا اذنِ خدا مل ہی نہیں سکتے
کہ جن کے میل سے سائنس کی قوت اُبھرتی ہے

مجھ کو نہایت مسرت ہوئی کہ آپ نے اس شعر کی داد دی۔ یہ شعر کیا اور اس کا مصنف کیا لیکن آپ کی خالی نظری اور وسعت مذاق ثابت ہے۔ کیوں نہ ہو آپ شاعر ہیں عالم بھی ہیں۔ میں خود نہایت مشتاق ہوں کہ آپ سے ملوں۔ انشاء اللہ اکتوبر میں یا اُس سے پہلے بشرط زندگی حاضر ہوں گا۔ میں کیا کہوں کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ دو چار دن ہوئے تقاضائے طبیعت یہ شعر موزوں ہوا تھا ؎

مزا آتا ہے گردوں کو مجھے بے چین رکھنے میں
مصائب جان دیتے ہیں مرے جسکی ذکاوت پر

لیکن کسی ایرانی شاعر کا ایک شعر یاد آگیا۔ کیا خوب کہا ہے اور وہ مجھ پر صادق آتا ہے ؎

فریبِ مہربانی خوردم از گردوں ندانستم
کہ در دلِ بشکند خارے کہ بیروں آرد از پایم

مفصل حالات وقت ملاقات عرض کر سکوں گا۔ ہاشم آداب بجا لاتے ہیں میں نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ تعطیلوں میں آگرہ۔ لاہور۔ دہلی دکھلا لاؤں گا۔ اب تعطیل ۲ جولائی تک ہو گئی ہے۔ وہ بے حد مصر ہیں کسی طرح نہیں مانتے۔ اس عمر اور اس جوشِ شوق میں سردی گرمی کی پروا کس کو اور میرا یہ حال ہے کہ نیم جان تو تھا ہی اب نیم جان ہو رہا ہوں۔ بہر حال خطرۂ علالت ہے کسی ملازم کو ساتھ کر دوں گا اور دوستوں کو خط لکھ دوں گا۔

نیازمند اکبر حسین

الہ آباد ۲۲ رمئی ۱۹۱۲ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ کی خیر و عافیت نہیں سنی۔ معلوم نہیں کہ "محمود مناقب" کی اشاعت ہوئی یا نہیں۔ افسوس ہے کہ انتشار طبیعت کی وجہ سے میں اُس کی نسبت کچھ نہ کہہ سکا اگر کبھی ملنا ہوتا تو آپ سُنتے کہ کیا اسباب انتشار طبع پیش ہیں۔ زندگی اور لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو جاتا ہوں۔ ورنہ خیال تو یہ ہے ؎

خودکشی کی ہم تمھیں دیتے نہیں اکبر صلاح
لیکن اپنی زندگی دُنیا پہ کیوں ظاہر کرو

اِسی زمین میں ایک اور شعر لائق غور ہے ؎

قابلِ دریافت رازِ ہستیٔ پروانہ ہے
کیوں اسے یہ حکم فطرت ہے جلو، جل کر مرو

مَیں تو اخبار زیادہ نہیں دیکھتا۔ پانیر پر ایک نظر پڑ جاتی ہے۔ اخبار دیکھنے کو جی نہیں چاہتا طوفان بے تمیزی روز افزوں ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہم خود خلاف موسم ہوتے جاتے ہیں۔ یہ ایک مطلع تو تصنیف ہے۔ خدا کرے آپ اتنا جیئیں کہ اس کی داد دے سکیں ؎

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

اس وقت آپ کا یہ مصرع دیکھ کر مجلس وعظ میں اب آپ کو کم دیکھتے ہیں۔ آپ کی یاد آگئی اور نیاز نامہ لکھا گیا۔ اپنی خیریت تحریر فرمائیے۔ زندگی ہے تو ستمبر اکتوبر میں موقع ملنے کا ملے گا۔

نیاز مند اکبر حسین

الہ آباد ۱۷ رنومبر ۱۹۱۱ء

عزیزی و مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ آج آپ کا ایک خط جس میں آپ نے یونیورسٹی کی نسبت میرا خیال دریافت فرمایا تھا اُن خطوں میں نظر آیا جن کا جواب لکھنا ہے۔ یاد آتا ہے کہ اس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ معلوم نہیں کیوں یہ خط رکھا رہ گیا۔ شاید اُس وقت ذہن میں یہ تھا کہ اس کے متعلق کچھ اور لکھوں گا۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ اور کیا لکھوں۔ ہاں آپ سے ملاقات ہو تو ایک دلچسپ مکالمت اس کے متعلق ہو سکتی ہے۔ سید صاحب ہی کا ارادہ تھا کہ علیگڑھ کالج یونیورسٹی ہو جائے۔ وہ ارادہ اب پورا ہو گا۔ میرے ذہن میں یہ چار مصرعے آئے تھے ؎

ابتدا کی جناب سید نے جن کے کالج کا اتنا نام ہوا
انتہا یونیورسٹی پہ ہوئی قوم کا کام اب تمام ہوا

لیکن میری شاعری کا ضعف تھا کہ اس نظم سے کام پورا ہونے کے معنی نہ پیدا ہوئے۔ بلکہ ایک پہلو نکل آیا۔ نئی روشنی کی پبلک سے داد ملنے کی اُمید نہ رہی۔

آپ کا خیال صحیح ہے کہ پُرانے بزرگ لکیر کے فقیر اور ضرورت زمانہ سے بیخبر ہیں۔ بے شک، نئی روشنی کا ساتھ نئی دُنیا کو دینا چاہیئے ورنہ کس کے ہو کر رہیں گے اور کدھر جائیں گے۔ اسی بات پر صبر کرنا چاہیئے کہ نئی روشنی میں گو ہر شخص باخبر ہے لیکن اپنی ہی ضرورت سے۔ الفاظ کچھ ہوں مطلب اپنا ہے ؎

دلادے ہم کو بھی صاحب سے لائلٹی کا پروانہ
قیامت تک رہے سید ترے آنر کا افسانہ

اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ؎

بہت مشکل ہے نبھنا مشرق و مغرب کا یارانہ
اِدھر حالت فقیرانہ اُدھر سامانِ شاہانہ

لیکن جن کو یارانہ کا شوق ہے وہ یہی کہتے ہیں ؎

مبارک شیخ کو نانِ جویں کے ساتھ یہ قرآن
ہمیں تو دیر میں پرشاد کھانا اور بھجن گانا

بعض لوگ یہ معذرت کرتے ہیں اور اُن کی معذرت کسی قدر بجا ہے ؎

مفر نہیں ہے ہمیں خانقاہ سید سے
قفس میں ہیں تو اس اڈّے کو چھوڑ جائیں کہاں

آپ نے اکثر خطوط میں ~~~ے ناچیز اشعار کی تحسین مبالغے کے ساتھ فرمائی۔ لیکن اس وقت ایک دوست کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ نے اُن سے بھی اس خرافات کی مدح کی۔ اس سبب سے مجھ کو مسرت ہوئی کہ آپ ایسے ذی علم۔ شایستہ خیال۔ نقادِ سخن تصدیق فرماتے ہیں کہ میں نے وقت نہیں ضائع کیا۔ مجھ کو افسوس ناک واقعات نے قعید ہی بنا دیا۔ ورنہ باوجود نادرستی مزاج اکثر سیر و سفر میں بسر کرتا۔ امید کرتا ہوں کہ ~~~

سلہ ؎ خیر خواہی۔

کے دوسرے ہفتے میں دو چار دن لکھنؤ میں بسر کروں۔ خدا کرے اس ارادے کو پورا کر سکوں۔

نیاز مند اکبر حسین

جونپور۔ بنگلہ سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۹ جولائی ۱۹۱۴ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ امید ہے کہ آپ خیر و عافیت سے ہوں۔ اس سال ایسی سخت گرمی پڑی کہ میں نے زندگی کو خطرے میں پایا۔ زندگی کا طالب تو نہیں ہوں تکلیف سے البتہ ڈرتا ہوں اگرچہ اللہ سے امید ہے کہ خوفناک تکلیف نہ ہوگی ؎

روئے جاناں کی تجلی نزع میں آئی نظر
زہر سمجھے تھے جسے وہ شربت دیدار تھا

مرزا واجد حسین صاحب سے میں واقف نہ تھا۔ اُن کا خط آیا۔ دیوان پہونچا غیر معمولی بات یہ تھی کہ صاد ستان تھا اور مزین با اسناد۔ میں ریویو لکھنے والوں میں نہیں ہوں۔ نہ مذاق نہ ضرورت نہ طاقت چند اشعار جن کے مضامین کی پسندیدگی نا واجب نہ تھی سرسری نظر میں منتخب کر کے میں نے لکھ دیئے اُن کو انھوں نے معیار میں چھپوا دیا ہے۔ معلوم نہ تھا کہ وہاں مقدمہ دائر ہے میں تو خیال کرتا ہوں کہ سند و سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر میں کسی کو حسین ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دوں تو کیا میرا سرٹیفکیٹ دکھا کر وہ لوگوں کو اپنا عاشق بنا لے گا۔ کیا مجنوں نے لیلےٰ سے پہلے سرٹیفکیٹ حسین ہونے کا مانگا تھا اور اُس کو دیکھ کر مجنوں ہوا۔ اسی طرح اشعار اگر دلآویز ہیں تو سوسائٹی خود قدر دانی کرے گی۔ کہاں تک رشک و حسد کام کر سکتا ہے اور اُس سے ہوتا ہی کیا ہے۔ ابتداءً ضرور شوق داد پانے کا ہوتا ہے لیکن اگر شاعری روٹیوں کے لیے نہیں ہے بلکہ ارتقائے دل اور بلندی خیالات اور ادراک حقائق کے لیے ہے تو بالآخر اس کی پروا بھی نہ کرنی چاہیئے۔ میں نے اپنا ایک شعر اُن کو لکھ بھیجا تھا ؎

طلب تحسین کی کیوں ہے تجھے بزم حریفاں سے
سرور طبع خود ہے داد تیرے خوش کلامی کی

لیکن وہ اہل لکھنؤ کی بہت شکایت کرتے ہیں۔ صورت حال دلچسپ ہے۔ اس بحث سے آپ نے کچھ حظ حاصل کیا ہوگا۔ مجھے اُن کے ساتھ ہمدردی ہے۔ یا آئینہ دھوکا دیتا ہے

یا محفل میں اولوالابصار نہیں۔

عشرت سلمہٗ کے اصرار سے ۵ جولائی کو میں جونپور آیا۔ پرسوں گومتی میں وہ باڑھ آئی کہ اہل شہر بدحواس ہو گئے مکانات گرے۔ چیزیں ضائع ہوئیں۔ لاکھ روپیہ نقصان کا تخمینہ کیا جاتا ہے۔ الہ آباد جانے کی سیدھی لین جو ہے وہ بند ہو گئی ۵-۴ دن میں مرمت ہو گی۔

آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ آپ کا خلوص۔ آپ کی محبت۔ آپ کی علمی قابلیت۔ آپ کی بصیرت۔ آپ کے خیالات کی شائستگی میرے لیے یہ سب چیزیں دلکش ہیں۔ میں اپنے کرم فرما محمد نوح صاحب کی کوئی بات پسند کرتا ہوں تو وہ یہ ہے کہ وہ آپ کو لکھنؤ میں سب پر ترجیح دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اتفاق رائے کرنیوالا قسمتوں سے ہاتھ آتا ہے۔ ابھی کسی پرچے میں آپ کی دو ایک نظمیں دیکھیں بہت موثر ہیں۔ سبحان اللہ۔

اکبر

الہ آباد ۶ مئی سنہ ۱۹۱۴ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ آپ کی محبت میرے لیے نعمت الٰہی ہے۔ میرے مغموم دل کی حالت میں اب کیا تغیر ہو سکتا ہے۔ اس شعر سے میرا حال ظاہر ہو گا

ان مصائب میں بھی مایوس نہیں ہوں اکبر
قید ہستی سے رہائی کی خوشی باقی ہے

بہرکیف اللہ کے فضل اور آخرت کا امیدوار ہوں۔ میں ایک نہایت ضروری خلائی غرض کو ادا کرنے دہلی کو گیا تھا اور قصد تھا کہ وہاں سے براہ راست لکھنؤ آؤں۔ لیکن گرمی زیادہ ہوئی جرأت نہ ہوئی کہ لکھنؤ اتر سکوں۔ گرمی یہاں بھی بہت ہے لیکن ٹٹی پنکھے کا کچھ انتظام ہے۔

افسوس ہے کہ آپ کا مکان سڑک میں آگیا۔ عجب اتفاق ہے۔ تھوڑا زمانہ گزرا میں نے یہ مطلع کہا تھا ؂

تنگ تھا بہت دل اس دور فلک میں آگیا
جس جگہ میں نے بنایا گھر سڑک میں آگیا

آپ کا تعلق مدرسے میں بدستور ہے یا نہیں۔ یہاں کی کوئی چیز مطلوب ہو تو بے تکلف لکھئے۔
اکبر حسین

الہ آباد　　　۴ راگست ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔　　بخدا عز و جل۔ میں نے آپ کا کارڈ ختم نہیں کیا تھا کہ آپ کے شعر پر شاعرانہ وجد آیا۔ کیا بات پیدا کی ہے ع

میں نے پردہ جو اُٹھایا تو قیامت دیکھی

واہ۔ معترض صاحب کا اعتراض میں نہ سُنتا تو مجھ کو کبھی وہم بھی نہ آتا۔ اول مصرعے میں جو ضمیر غائب ہی سارا مدار معنی اور انحصار رجوع خیال سامع اُسی پر ہے ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

وہ ہوں گے تنہا۔ وہ کے لفظ سے اگر خواہ مخواہ اور ضرورتًا اور بلا ارادہ اور فطرت سامع کی زبردستی سے خیال بی گو ہر جان کی طرف رجوع ہو گیا تو دوسرا مصرع نہ معلوم کیا بکر وہ منظر اُس کے سامنے پیش کرے۔ لیکن ہمارا رندانہ مذاق اور بلند خیالی کی ضمیر گوشاہد تنہا نشیں مسند حُسن کی طرف رجوع کرے گی۔ یہ فقرہ خلوت میں وہ ہوں گے تنہا۔ پہلے مصرعے میں صریحًا اس کی تائید کر رہا ہے اگر کسی رقیب کا گزر ہے اور اس سے ہم آغوشی ہے تو باوجود دوسرے مصرعے کے یہ الفاظ مصرع اولیٰ کے نہ ہوتے بلکہ یوں کہا جاتا کہ میں سمجھتا تھا کہ خلوت میں رقیب اُن سے باتیں کر رہا ہے۔ لیکن پردہ اُٹھایا تو وہ ظالم مشغول مباشرت تھا یعنی قیامت ہو رہی ہے یا یہ کہا جاتا کہ میں سمجھتا تھا کہ خلوت میں وہ تنہا ہیں لیکن جا کر دیکھا تو رقیب بھی موجود تھا۔ حالت علیحدگی اور حالت مباشرت کا تقابل یا حالت تنہائی اور حالت موجودگی غیر کا تقابل ہو سکتا ہے۔ تنہائی اور مباشرت کا کوئی منطقی تقابل نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ یہ خیال سامع کا میلان ہے کہ فورًا اسفل کی طرف رجوع ہوا [۵]

بگویم سماعؔ اے برادر کہ چیست　　　مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گر از برج معنی بود طیر او　　　فرشتہ فرو ماند از سیر او
وگر مرد شہوا ست بازی دلاغ　　　قوی تر شود ہوش اندر دماغ

لیکن معترض صاحب معذور ہیں۔ سوسائٹی کا یہی مذاق ہے۔ انھوں نے نیک نیتی سے ایسا خیال کیا ہوگا۔ قیامت کے لفظ سے شاعر جو مراد چاہے لے لے۔ لیکن اُردو زبان یا کسی بان

---

[۵] یہ ترکیب عرفی کی ہے ۱۲

ہیں یہ لفظ مباشرت کے معنی نہیں پیدا کرتا تھا۔ اُس نے صرف دیکھ لینے کی اجازت دی۔ آپ نے قیامت کی کہ بوسا لے لیا۔ یہاں بوسا ہی قیامت ہوگیا۔ آپ کا شعر بہت پاکیزہ اور شاعرانہ تکلف کے ساتھ عارفانہ ہے۔ میں حیرت لیکن مسرت کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ آپ نے معانی میں بہت ترقی کی ہے۔ میں آپ کے معترض صاحب کی خاطر یا وہاں کی سوسائٹی کی خاص حالت کے لحاظ سے مشورہ دے سکتا ہوں کہ شعر پڑھنے سے پہلے یہ کہہ دیجئے کہ عارفانہ یا حقیقت کا رنگ ہے۔ لیکن عام طور پر ضرورت نہیں شعر صاف ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ آخرت میں خدا کیا! نظر آئے گا۔ لیکن وہاں تو قیامت نظر آئی۔ قیامت کا لفظ قابل داد ہے اور بھی نازک مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ بیان میں لطف جاتا ہے۔ کیا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ قیامت کی خبر خدا نے پہلے ہی سے دے دی ہے۔ آپ کو اس پر حیرت کیا ہوئی۔ لیکن کیا یہ جواب نہیں دیا جا سکتا کہ یہ شعر مولوی صاحب نے نہیں کہا۔ ایک عاشق نے کہا ہو۔ وہ تو معشوق کو تنہا ہی تصور کرتا ہے۔ تنہا ہی پسند کرتا ہے کسی ایرانی نے خوب کہا ہے ؎

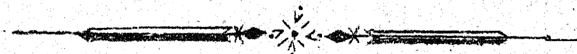
جہانے مختصر خواہم کہ در وے
ہمیں جائے من و جائے تو باشد

شاعر کے خیالات کبھی قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ تنگین ہیں اور یہی مزے ہیں۔ میرا یہ مطلع ملاحظہ فرمائیے حشر سے بھی آگے بڑھ گیا ہوں ؎

میرے دل سے امتیاز دوش و فردا اُٹھ گیا
حشر بھی ماضی نظر آیا جو پردا اُٹھ گیا

میں تے شاید بے ضرورت خامہ فرسائی کی۔ سوال یہی ہے کہ قیامت بمعنے مباشرت ہے یا نہیں دوسرے شعر کیسا ہے؟ جواب یہ ہے کہ قیامت بمعنی مباشرت نہیں ہے۔ شاعر جو مراد چاہے اُس سے لے۔ بشرطیکہ صاف طور پر اُس کا اظہار ہو اور شعر اچھا خاصہ پُرتکلف معنی خیز ہے۔ لفظ قیامت کی داد دینی چاہیئے۔

اکبر حسین



محمد عبد الباقی خاں صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ الہ آباد کے نام

الہ آباد ۱۳ر فروری سنہ ۱۹۱۴ء

عنایت فرمائے من۔ بڑے بڑے اور خوشنما خربوزوں کا کہاں تک شکر ادا کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کھیت کو حکام بندوبست کی نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آپ اپنی نیک دلی اور فیاضی کا پھل پائیں۔ آپ کے دوست اور خدام شیریں کام رہیں۔ آپ کے اسپیچ کی میں نے تعریف سُنی دل بہت خوش ہوا کسی کالج میں آپ کو اسپیکری نہیں سکھائی گئی یہ خداداد نعمت ہے۔

دعا گو اکبر حسین

حضرت احسان شاہجہانپوری کا خط

مؤلف کے نام

شاہجہاں پور ۶ر اپریل سنہ ۱۸۹۷ء

نیارم گوہر شکر تو سفتن
سرہے راحسان تو گفتن

مکرمی۔ تسلیم۔ نوازشی عزت نامہ موصول ہوا۔ اول تو اس بندہ نوازی کا شکر گزار کہ آپ نے غزل مرحمت فرمائی۔ دوسرے اس مہربانی کا ممنون ہوں کہ جا بجا خریدار "ارمغان" کے عنایت ہوئے آپ کا کلام ماشاء اللہ نہایت دلچسپ ہوتا ہے یہ آپ کی کہنہ مشقی اور نازک خیالی کا باعث ہے۔ میرے نزدیک کوئی شعر نکال ڈالنے کے قابل نہیں ہوتا لیکن غزلوں کے انتخاب میں جن جن باتوں کا خیال اور لحاظ رکھا جاتا ہے اُن کو اگر میں تحریر کروں تو طوالت تحریر کا خیال ہے مگر مختصر یہ ہے کہ آپ بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ استادوں کی غزل میں بھی تمام اشعار ایک مرتبہ کے نہیں ہوتے۔ اُن میں کوئی معمولی اور سست بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک نامناسب ہے کہ ایک خوشگو شاعر کی غزل میں جب کہ وہ گلدستہ میں شایع کی جائے کوئی شعر معمولی حیثیت کا رکھا جائے۔ مجھے انتخاب میں شاعر کے

اصلی رنگ طبیعت اور اُس کے شعر گوئی کی وقعت اور شہرت عرفی کا بہت لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ انتخاب میں نہایت دقتیں پیش آتی ہیں اور یہ وہی جانتا ہے جو ماہر فن ہو۔

حضرت مولانا مضطر خیر آبادی سے آپ واقف ہوں گے۔ یہ حضرت بھی بہ عزم ہمہ دانی انتخاب غزل کو پسند نہیں کرتے بلکہ لڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں مگر میرے حال پر مہربانی کی جب میں نے سمجھایا تو مان گئے اور اجازت انتخاب کی دیدی۔ میرا انتخاب ایسا نہیں ہوتا کہ خواہ مخواہ شاعر کی محنت کا خون کروں۔ نہایت انصاف اور رعایت کے ساتھ انتخاب ہوتا ہے مگر فصاحت۔ بلاغت۔ زبان۔ محاورہ غلطی لفظی و معنوی۔ تعقید۔ ترکیب۔ بندش مضمون۔ چستی۔ گرمی نشست الفاظ۔ متروکات وغیرہ وغیرہ سب ہی باتیں انتخاب کے وقت دیکھی جاتی ہیں۔ آپ نے پرچہ ارمغان کے ملاحظہ فرمائیے ایک ہی رنگ ہے یا نہیں؟ سوائے سہو کاتب کے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ارمغان مستند نہیں ہے۔ یہ بہت دشوار ہے کہ کسی شعر کے انتخاب کے بابت خط و کتابت کی جائے۔ آپ مجھے بخوشی بلا لحاظ کسی امر کے انتخاب کی اجازت دے دیں وہ بھی ضرورتاً کیونکہ خط و کتابت سے پھر مباحثہ پیدا ہو جاوے گا۔ نہ آپ کو اس قدر فرصت نہ میرے پاس اتنا وقت

احسان

حضرت اخگر اجے گڈھی کا خط

حضرت محوی لکھنوی کے نام

از ریاست اُجے گڈھ ۱۱ر جنوری ۱۹۱۳ء

مہر سپہر سخنوری حضرت محوی زادہ اخلاقہٗ سلام مسنون و اخلاص مشحون۔ بڑے انتظار میں آج آپ کا پیارا خط ملا۔ جس کے سحر آفریں اور دلفریب فقرے میرے بیتاب دل میں تیر و نشتر بن کر چبھ گئے

دل لوٹتا ہے اُس نے جو دیکھا ہے چاہ سے
ظالم نے تیر مارے ہیں سیدھی نگاہ سے

ہائے آپ نے اپنا فوٹو بھی نہ بھجوایا کہ کچھ اُسی سے تسکین ہوتی۔ طرز تحریر تو ہے چھری

ذبح کیسے ڈالتا ہے ؎

بانکپن تجھ سا کسی اور ستمگر میں نہیں
تجھ میں جو نوک ہے قابل ترے خنجر میں نہیں

آپ سے ملنے کے لئے دل نہایت بے چین ہے۔ خدا جلد یہ آرزو پوری کرے۔ کہ شیدائی آنگر اور محوی دونوں ایک دوسرے سے مل کر اپنا دل شاد کریں۔ آپ نے جناب صفدر مرزاپوری کے مجموعۂ خطوط کے واسطے میرے خطوط جو طلب کیے ہیں مجھے یہ لکھتے بھی شرم آتی ہے کہ میری طفلانہ تحریر باکمالوں کی تحریر کے سامنے کیا وقعت رکھے گی۔ زربفت میں ٹاٹ کا پیوند بے جوڑ ہوگا۔ آپ جو پسند فرماتے ہیں یہ محض دوستانہ تعلقات ہیں ورنہ نہ میں کچھ ہوں نہ میری ناچیز تحریر ہی کچھ ہے پھر میں کس برتے پر باکمالوں کے ہم پہلو بیٹھنے کی ہمت کروں مگر نہیں آپ کا ارشاد ٹال نہیں سکتا۔ آپ میرے کل خطوں کا ست نکال لیں یعنی انتخاب کرلیں اور مجھے دکھلا کر حضرت صفدر کو دے دیں۔ اور میرے پاس بھی بڑے بڑے باکمالانِ ہند کے خطوط جو کہ اکثر میرے نام آئے ہیں اور اب آتے رہتے ہیں اگر جناب صفدر چاہئینگے تو بھجوا دوں گا۔

ناچیز آنگر۔ بے ہنر

ہزہائنس سر راجہ راجندر سنگھ صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ والیٔ ریاست دیوگڈھ کے نام

میرے عنایت فرمائے قدیم۔ تسلیم۔ مزاج معلی۔ حسب ارشاد اجیگڈھ اور اس کے قلعہ کا حال حاضر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ہے ظاہر یہ اجیگڈھ کی۔ زمین سے
بہارِ باغ جنت ہے یہیں سے

یہ شہر تین عالیشان پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہے اور اسی وجہ سے آب و ہوا یہاں کی خوشگوار ہے۔ جانب مشرق جو پہاڑ ہے اُس پر قلعہ ہے۔ یہ قلعہ پرانے زمانہ کی یادگار ہے اس کی بے نظیر عمارتیں جن کے پتھروں پر عجیب عجیب صنعتیں دکھلائی گئی ہیں ایک نفریب منظر ہے۔ قلعہ معلی کے بائیں جانب معمار قدرت نے پانی کے دو سوتے جاری کردیے ہیں

اور جنکو صناعیان قلعہ نے پتھر کی ایک خوبصورت فصیل کھینچ کر دو حصون مین تقسیم کر دیا ہے اور وہ دونون گنگا جمنا کے نام سے موسوم ہین داہنی طرف ایک پرستشگاہ ہی جہان ایک بیراگی اس باغبان حقیقی کی جس کے قدرتی کرشمون سے انسان محو حیرت ہو رہا ہے۔ یاد مین مصروف ہے جنوب کی طرف بھی ایک عبادتگاہ ہے جس کو "دبھوت ایشر" کہتے ہین اس کی عجیبی اور دلآویزی کو کثرت سبزہ نے دوچند کر دیا ہے ناف قلعہ مین جیپال جی کا مندر ہے اور اس کے سامنے ایک عالیشان اور خوشنما تالاب ہے۔ یہ تالاب بڑی محنت اور جانکاہی سے بنایا گیا ہے کیونکہ سوائے پتھر کے اور اس مین کچھ نظر نہین آتا۔ مگر وہ پتھر بھی سرنگین لگا کر اس قدر توڑا گیا ہے کہ کافی تالاب کا حصہ نکل آیا اور اس قدر عمیق کہ کبھی خشک نہین ہوتا۔ مندر کے چہار طرف دور تک شریفون کا جنگل سیتا پھل بھی کہتے ہین جنگل چلا گیا ہے۔ ایک دوسرا تالاب بھی ہے جس کو پرمال کا تال کہتے ہین اس کے پتھرون کی بندش قابل دید ہے۔ مغرب کے جانب جہان قلعہ کی آمد و رفت کا راستہ تھا۔ زمین کا نشیب واقع ہوا ہے وہان حد نظر تک سوائے سبزہ و شادابی کے اور کچھ نظر نہین آتا۔ صبح کے وقت ہرے ہرے درختون پر عجیب عالم نظر آتا ہے۔ ہواؤن کے ہلکے ہلکے موزون جھونکون سے پھولون کی شاخین کچھ ایسی لچکتی ہین گویا اس چمن آرائے حقیقی کی یاد مین سربسجود ہین۔ طائران خوش الحان اپنے آشیانون سے منقارین بلند کیے نغمہ سنج ہو رہے ہین۔ ہارسنگار کی خوشبو سے سارا جنگل طبلۂ عطار بن رہا ہے غرض اس کے محاسن بے پایان کے لحاظ سے اس طرف سے نظر ہٹانے کو دل نہین چاہتا۔

احمد

خان بہادر میرزا ناصر علی صاحب ایڈیٹر صلائے عام دہلی کے نام قطعہ

قبلہ و کعبہ میرے عمو جان رشک عرفی و فخر خاقانی
کیا کہے سوختہ نصیب جگر اسکا قصہ ہے آہ طولانی
اے وہ دن کہ طبع نازک بھی مصرع مصرع تھا اک گلستانی
نہ وہ مضمون تازہ اور رنگین نہ وہ اگلی سی وہ گل فشانی

چھٹ گئے مجھ سے ہم صفیر مرے — اُٹھ گیا لطف زمزمہ خوانی
سرو پر فاختہ کی وہ کوکو — اور پپیہے کی وہ خوش الحانی
دُرِ مضموں کا ذکر کیا ہیہات — نہیں بحرِ سخن میں اب پانی
دلِ زندہ کدھر گیا ہے ہے — ہے یہی اب تو شورِ مرثیہ خوانی
موسمِ گل میں ہوا اسیرِ قفس — جس طرح کوئی مرغِ بستانی
میں جو جوشِ جنوں میں روتا ہوں — ہنس کے کہتی ہے چاکِ دامانی

وہ گل افشانی عروسِ بہار — بھینی بھینی وہ راحِ ریحانی
آہ! وہ طائرانِ نغمہ سرا — اور وہ صحبتِ غزل خوانی
خوں اُگلتا ہے اب وہ مرغِ اسیر — جو اُگلتا تھا لعلِ رمانی
آہ! اک حجرۂ شکستہ میں — میں غضب ہے یہ گھر میں مہمانی
کوئی خشتِ کہن بھی ہیں ہیں — سر کو پھوڑے کہاں گراں جانی
اپنا پردا نہ فاش کر کرم بخت — آبرو کھو نہ ننگ عریانی

جگر

حضرتِ ارشد تھانوی کا خط

مؤلف کے نام

بھوپال — ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۴ء

مہربانم
سلام مسنون۔ عنایت نامہ کا شکریہ اور تاخیر جواب کی معذرت بات یہ ہے کہ میں اس وقت بھوپال میں ہوں اور کس بھوپال میں جہاں پلیگ کی شدت اور اموات کی کثرت نے وہ ویرانی پیدا کر دی ہے کہ غالب مرحوم اگر زندہ ہو کر آ جائیں تو وہ اپنا گھر بھول جائیں۔ جو اُنھیں دشت کو دیکھ کر یاد آ جایا کرتا تھا۔ اس عالم ہُو میں سنج حوادث نے اور بھی مضمحل کر دیا۔ ملنے جلنے والے اول تو تھے ہی معدودے چند وہ بھی ندر اجل ہو چلے۔ چند روز ہوئے منشی عطا حسین وکیل نے جو بہت سی قابل قدر کتابوں کے مصنف اور میرے بے حد ہم مذاق دوست تھے۔ مرگ ناگہانی سے اپنی دائمی جدائی کا داغ دیا۔ حال میں مولانا ابوالحسن مرحوم دُنیا کو خیرباد کہہ گئے۔ صرف ۳-۴ دن بیمار رہے۔ مجھے علالت کی خبر بھی نہ ہونے پائی اور وہ دوسرے عالم میں پہنچ گئے اُن کی تصویر کمرے میں آویزاں ہے۔ متبسم چہرہ دیکھتا ہوں اور آنکھوں میں اشک بھر لاتا ہوں ع

دل سے اربابِ وفا کا ہے بھلانا مشکل

ان پریشانیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے توقفِ جواب کی وجہ کو یقیناً آپ موجہ قرار دیں گے۔ قصد تھا کہ عید الضحیٰ پر لکھنؤ کو آؤں مگر میرا خاص آدمی جو میری اردلی میں تعینات تھا مبتلائے طاعون ہوا۔ اُس کی دوا دوش میں مصروف ہوں۔ خدا بیچارے کو صحت دے دے۔

لٹریری دلچسپیاں گلدستۂ طاقِ نسیاں ہیں۔ عرصہ سے نظم و نثر لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ آپ کے دو شعر دیکھ کر طبیعت پھڑک گئی۔ واللہ خوب کہا ہے۔

"تصویرِ افکار" کے متعلق کیا لکھوں۔ مشہور اساتذۂ فن اور ذوق رکھنے والے احباب سے توقع تھی کہ اس "فنونِ لطیفہ" کے مجموعہ کی ترتیب میں شاعرانہ تساہل سے کام نہ لیں گے لیکن تجربہ نے اس خیال کو باطل کر دیا اور اب اس سعی کے مشکور ہونے کی کوئی اُمید نہیں رہی۔ آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ قادر الکلام سخن سنجوں نے اس قسم کی نظموں کے موزوں کرنے میں جن پر جذبات کی رنگیں تصاویر تیار ہو سکیں اپنی نارسائی ذہن کا اعتراف کیا۔ ممکن ہے کہ اس میں سخنورانہ کسرِ نفسی کا عنصر غالب ہو مگر مجھے ایک حد تک اس کی واقفیت کا یقین ہے۔

محوی صاحب کی عدیم الفرصتی اور پریشانی کا میں قائل نہیں ہوں میں نے اُنھیں لکھ دیا ہے ؎

ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرم نیاز
تجھ کو آخر آشنائے نازِ بے جا کر دیا

آپ بھی میری طرف سے جواب میں سلام شوق کہہ دیجیے۔ والسلام۔

ارشد تھانوی

حضرت محوی لکھنوی کے نام

بھوپال ۳۱ مارچ ۱۹۱۳ء

خلیلِ کعبۂ محبت۔ عزیز مصرِ الفت (نہیں نہیں یہ سب متروک انشا پردازی کا ڈھنگ ہے) اس لیے محض "ڈیر محوی" (نمائشی نہیں بلکہ حقیقی معنی کے لحاظ سے) اگرچہ ع

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سلامِ شوق (سلام ارشد بصد شوق نہ کہ حضرتِ شوق کا سلام)
مگر اس ترکیب سے تو خط لکھنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا میں معترضہ جملے حذف کرتا ہوں۔ سنئے آپ کا طومارِ محبت۔ رفع النقاب بھائی ظفر کا افسردگی نامہ یکے بادیگرے موصول ہوئے بھائی ظفر کو جواب لکھ دیا۔ نقاب کی رسید یہ عریضہ ہے اور نامۂ گرامی کے جواب کے لیے وقت درکار ہے۔ آپ کی محبت کا سچا نقش میرے دل پر ہے سچ ہے ع۔

دل را بدل رہیست دریں گنبد سپہر

بخدا آپ کے نہ ہونے سے مجھے کبھی بھوپال میں لطف نہیں آتا اُس پر طرہ یہ کہ میں نے بھوپالی اشخاص کو زمرۂ احباب سے بائیکاٹ کر دیا جس کا بڑا سبب جناب قیصر کی ذاتِ ستودہ صفات ہے وہ فی الحقیقت پکے بھوپالی ہیں یعنی موسمی دوست ہیں۔

میں نے مولوی ابوالحسن کو فی الحال آپ کا قائم مقام تجویز کیا ہے۔ وہ آپ کے ساتھی تھے اُنھیں کے پاس اکثر چلا جاتا ہوں گو وہ کبھی مکان پر نہیں ملتے۔ پندرہ چکروں میں صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی۔ مگر آپ کی محبت ان کے در تک لے جاتی ہے لیکن وہ ایک مقدس آدمی ہیں۔ للہ سگِ لیلےٰ کی پھبتی نہ کہ دینا۔ اگر آپ خط پڑھتے ہوئے اس فقرے پر پہنچے تو میں ضرور آپ کی طرف سے یہ پھبتی منسوب کر کے خود انھیں سے داد لوں گا۔ یہ خیال نہ فرمائیے گا کہ آپ کے تبسمِ ناز کی مجھے خبر نہ ہو گی۔ شاید آپ کو یاد ہو گا کہ بھوپال سے چلتے وقت ایک چیز میں نے حضور کو پیش کی تھی۔ جسے صرفِ عام میں دل کہتے ہیں۔ جسے شعرا آئینہ سے بھی استعارہ کرتے ہیں۔ اُسی کے ذریعہ سے مجھے آپ کی تمام خبریں مل جاتی ہیں اور جو بات ہوتی ہے صاف اس میں نظر آ جاتی ہے۔ کیوں نہ کہو گے کہ پولیس والے عشق میں بھی اپنے فرائضِ منصبی سے غافل نہیں رہتے۔ ایک مخبر یہاں بھی لگا دیا۔

گلِ رنگیں سے بڑھکر۔ آپ نہیں سمجھے۔ وہ تو میں سمجھتا ہوں۔ آپ نے ابتدائی کارڈ کی نسبت لکھا تھا کہ میں نے اُس میں ایسا کچھ لکھا تھا۔ اُسی مفہوم کے لحاظ سے میں نے عرض کیا تھا کہ پھر سنائیے کیونکہ ع

ہیں گلِ رنگیں سے بہتر تم ہنگلوں کی گالیاں

ہاں بھائی ہماری بھاوج کو ہمارا سلام ضرور پہنچا دیا کریں چاہے خط میں ہوا کرے یا نہ ہوا کرے۔ حضور (یہ ذرّت تحفہ) سے کبھی کبھی ملاقات ہوتی ہے۔ اخگر صاحب کی

علالت نے اُنھیں بھی بیمار بنا رکھا ہے۔ خانہ زادوں سے بڑھکر دوا دوش میں مصروف ہونے کی وجہ شاید یہ ہو کہ سگِ حضور رہیں ابھی ابھی میرے ایک اور دوست کا تار آ گیا۔ اُنکو اسٹیشن لینے جاتا ہوں لہذا آپ سے رخصت ہوتا ہوں ورنہ اور باتیں کرتا۔ ایک تازہ غزل کے چند شعر بھیجتا ہوں ملاحظہ ہوں۔

کسی کی شانِ استغنا کو کیا گر کوئی مرتا ہو
نہ ہوتا بِ وفورِ غم تو کیوں محوِ تمنا ہو

بہت پُرلطف ہے لذتِ کشِ ذوقِ نظر ہونا
مگر جب حُسن بے پروا بھی سرگرمِ تماشا ہو

بہت ہے خانہ ویرانی ہی میری خرہ پوشی کو
جنوں کو کیا غرض منت کشِ دامانِ صحرا ہو

اگر مستغنیِ حرص و ہوا انسان ہو جائے
تو اک دانہ بھی خرمن ورا ایک قطرہ بھی دریا ہو

نہیں جاتیں مری نومیدیاں ارشد نہیں جاتیں
کوئی ارماں پیدا ہو تو کیوں کر دل میں پیدا ہو

ارشد

مولوی صدق احمد صاحب اثر خلف الصدق حضرت جلیل القدر جلیل کے خط

مولف کے نام

۱۰ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء — از حیدرآباد دکن — دفتر دبدبۂ آصفی

جناب مکرمی و معظمی۔ تسلیم قبول ہو۔ آپ کا محبت بھرا ہوا خط آیا۔ اس دلسوزی اور ہمدردی کا شکریہ کس طرح ادا ہو۔ میں نے یہ خط والد ماجد کو دکھایا اُنھوں نے جواب جلد لکھنے کی تاکید کی۔ اللہ تعالےٰ ہمیشہ آپ کی اس ہمدردی اور استقامت کو قائم رکھے کہ اس سے بڑھکر روحانی مسرت اور کسی خیال سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ الحمد للہ۔ ہم لوگ خیریت سے ہیں۔ کوئی غیرمعمولی حال نہیں مگر اس دو چار مہینے کے اندر ہمارے گھر میں قیامت خیز سانحے ہو گئے۔ میرے چچا زاد بھائی ناصر علی کا عالم جوانی میں انتقال ہو گیا ساتھ ہیں اُن کی خاتون اور ننھے

ننھے بچوں نے بھی داغ مفارقت دیے۔ اس کے بعد میری چچازاد بڑی ہمشیرہ نے اس دُنیا کو خیرباد کہا۔ ان کا ایک کم سن بچہ تھا وہ بھی فوت ہوگیا۔ دس دن ہوئے کہ میرے بڑے چچا حافظ خلیل حسن صاحب کے منجھلے ہونہار لڑکے نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا۔ ان پے درپے سانحات نے اور بھریہاں کی عام پریشانیوں کے خیال سے غالباً مقطع والد ماجد نے کہا ہوگا باقی ہر طرح سے خیریت ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔

تذکیر و تانیث کی جلدیں کچھ محفوظ نکل آئیں اگر ورخواستیں آئیں تو تعمیل کی جائے گی "فتنہ" میں آپ کے قطعہ کے متعلق مضامین میں نے پڑھے۔ آخری مضمون ایک صاحب الہ آبادی کا بھی دیکھنے میں آگیا۔ ایسی بحثوں کا خیال کیا۔ ہوتا ہی رہتا ہے "اسرار عالم" اگر زندہ ہوتا تو ایسے وقت البتہ لطف ملتا۔

آپ اپنی خیریت مزاج سے مطلع فرمائیے۔ جس قدر آپ کو ہم لوگوں سے ہمدردی ہے۔ آپ سچ مانیے کہ ہمیں بھی آپ کی محبت اور عنایت پر اعتماد اور فخر ہے۔

آپ کا نیازمند صدیق احمد۔

حیدر آباد دکن۔ ۷ر اگست سنہ ۱۹۱۰ء

برادر معظم۔ سلامِ مسنون۔ آج آپ کا لفافہ ملا۔ حالات مندرجہ پڑھ کر نہایت اطمینان حاصل ہوا۔ ڈرامانویسی کی طرف ضرور بالضرور توجہ فرمائیے "خان لنکران" حسب الطلب بذریعہ پیڈ روانہ کیا گیا ہے۔ اس میں تین حصے ہیں۔ آپ اس کو دیکھ کر انتخاب کریں کہ کون سا قابل اخذ ہے۔ ہو بہو نقل نامناسب ہوگی۔ محض اس پر بنیاد قائم کرنا چاہیئے اور طبعزاد ایک پورا ڈراما تیار کرنا چاہیئے۔ میرے خیال میں آپ پہلے حصے کے قصے کو دیکھیں تو مناسب ہوگا اور افسوس بنارسی کو ضرور خط لکھ کر اس معاملہ کے متعلق مشورہ کرلیں اور جو کچھ تحریر ڈراما میں وقت پیش آئے اُن سے مدد حاصل کریں۔ ایک دو ڈرامے چھپے ہوئے پیش نظر رکھیں۔

ہاں "اطاق" کے معنی دالاں کے آپ نے صحیح لکھے۔ اس سے بھی مناسب ترجمہ اس کا کمرہ ہو سکتا ہے۔

تاریخ و تقریظ میں نثر کے مادے والے فقرے بلاشبہہ قابل داد ہیں۔ آپ کی لاجواب

تاریخ دیکھکر جناب اختر و والد ماجد پھڑک پھڑک گئے۔ بے انتہا پسند کی گئی۔ داخل دیوان کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس رجواب داد کی آپ کو مبارکباد دیتا ہوں

دیوان کا حصہ غزلیات اب ختم پر ہے صرف ایک جز باقی ہے۔ اس کے بعد تاریخ کا حصہ چھپتے ہی شایع ہوگا۔ ۴۲ جز کا دیوان مثل صنمخانہ کے ہوگا

قصیدہ حضور رلکھ کر پیش کر دیجیئے۔ اس میں کیوں تساہل کرتے ہیں۔ والد ماجد علیحدہ لکھینگے۔ وقتاً فوقتاً حالات وخیریت تیمزنئے کام سے اطلاع دیتے رہیے

آپ کا صدیق احمد

مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی ایڈیٹر الہلال کا خط مولوی عبدالرزاق صاحب مؤلف البرامکہ کے نام

حضرت مجمع الفضائل مولانا صاحب مدفیوضہٗ

السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ والانامہ ورود ہوا۔ شرف افتخار ہمراہ لایا۔ خادم آپ کی اس عنایت بے غایت کا حد درجہ مشکور وممنون ہوا کہ اس نالائق پر نظر مشفقانہ فرمائی اور رجواب عریضہ سے افتخار اور عزت افزائی بخشی ؎

یہ فقط آپ کی عنایت ہے
ورنہ میں کیا مری حقیقت کیا

فی الواقع آپ کی ذات بابرکات مغتنمات روزگار سے ہے۔ اللہ جل شانہٗ آپ کو صدہا سال سلامت رکھے اور مکروہات زمانہ سے محفوظ ع

خاموشی از ثنائے تو حد ثناء تست

آپ نے جس اہم کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ فی الواقع نہایت ہی مشکل ہے۔ بلا رورعایت عرض کرتا ہوں کہ یہ آپ ہی کی ہمت تھی کہ اس پرخطر میدان میں بہادرانہ قدم رکھا۔ انشاءاللہ آپ کامیاب ہونگے اور عنقریب آپ کی بے بہا تصنیف سے ملک مستفیض ہوگا۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی لائف میں نے تھوڑے عرصہ سے شروع کردی ہے

لیکن جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے واقع میں ایک بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے اور وقت کثیر درکار ہے۔ لیکن السعی منی والاتمام من اللہ کا مقولہ ہر وقت پیش نظر ہے اور اگر اللہ کی مرضی ہوئی تو اپنے کام میں کامیاب ہوں گا اور ضرور ہوں گا۔ اعظم گڈھ میں مولانا شبلی نعمانی کا عمدہ کتب خانہ ہے۔ گزشتہ کانفرنس میں (جو کلکتہ میں جلسہ ہوا تھا) مولانا شبلی صاحب سے نیاز حاصل ہوا تو میں نے عرض کیا کہ آپ کے مفید کتب خانہ سے خادم بھی مستفیض ہونا چاہتا ہے مولانا موصوف نے فرمایا کہ میں فہرست بھیجوں گا۔ شاید فرصت نہیں ہوئی اس لیے ارسال نہیں کی کل بھی میں نے شبلی صاحب کے یہاں عریضہ لکھا ہے۔ چونکہ آج کل "رائے ہیروز آف اسلام" سے صلاح الدین ایوبی کی لائف لکھتے ہیں کم فرصت ہے۔ پٹنہ کی بابت جو کچھ آنجناب نے تحریر کیا ہے بجا ہے۔ ۱۱ رجب المرجب کو میں پٹنہ جاؤں گا کیونکہ ندوۃ العلما کا سالانہ جلسہ ہے اس لیے وہاں کے کتب خانہ کی بھی سیر ہو جائے گی اگر تصنیفات غزالی مل گئی دیکھ لی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ ابھی صرف احیاء العلوم وغیرہ پر ایک تفصیلی ریویو کیا گیا ہے اور جو کتابیں دستیاب ہوئیں اُن سے امام صاحب کے حالات قلمبند کئے ہیں مصر وغیرہ سے کتابوں کے لیے خطوط لکھے ہیں۔ طبقات الشافیہ تو موجود ہے آپ دعا کیجئے۔

تمدن عرب۔ الفاروق۔ دربار اکبری۔ ترجمہ قرآن نظم وغیرہ میں قبل منگا چکا ہوں۔ سبحان اللہ یہی کتابیں تو ہمارے لیے سرمایۂ ناز ہیں۔ اللھم زد وفزد۔

دیگر یہ تحریر فرمائیے کہ آج کل سائنس کی جو کتابیں انگریزی میں لکھی جاتی ہیں اُن کے ترجمے اُردو میں بھی ہوتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو کہاں ہوتے ہیں۔ تحریر کیجیے گا۔

خادم العلما غلام محی الدین آزاد کان اللہ لہٗ

حضرت برہم ایڈیٹر مشرق کا خط
مولف کے نام

مکرمی تسلیم رسالہ "زمانہ" کانپور۔ رسالہ "معیا" لکھنؤ میں میں نے یہ اعتراض لکھا تھا کہ جوبن کا لفظ پستان کے معنوں میں حضرت امیر مینائی رح کے سوا کسی شاعر نے استعمال

نہین کیا چونکہ آج کل کی تہذیب کے عجیب و غریب کرشمے نظر آتے ہیں۔ اس لیے میں نے اس بحث کو چھیڑنا مناسب وقت نہ خیال کیا۔ مگر آپ کا خط پڑھ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ میں اس لفظ کے متعلق اپنے صحیح خیالات کا اظہار کروں۔

جوبن جس میں "یوبن" تھا یہ سنسکرت کا لفظ ہے جو بھاشا میں جوبن ہو گیا۔ جس کے معانی ہندی میں اہل لغت نے چھاتی اور رتن کے لکھے ہیں۔ یہ لفظ اردو زبان میں ذیل کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔

بلوغ۔ شباب۔ آغاز جوانی۔ خوبصورتی۔ رنگ و روغن حسن و جمال۔ عالم۔ بہار۔ رونق۔ موج۔ لہر۔ پھبن۔ سبزہ۔ شادابی۔ طراوت۔ تازگی۔ چھاتی۔ کچیں۔ پستان۔

شعرائے لکھنؤ کا استعمال ملاحظہ فرمائیے۔

(حضرت جلال لکھنوی مرحوم)

اُٹھتے جوبن کی جوانی میں ادا اور ہوئی ۔۔۔ کچھ نمود آپ کی اب نام خدا اور ہوئی
اپنے محرم کے ذرا بند کسے رہتے تم ۔۔۔ اُبھرے جوبن کو جوانی کے نہ اُٹھنے دیتے
چھپائے سینے کو بیٹھیں وہ وصل میں کیونکر ۔۔۔ نگاہِ شوق بھی مانع ہے اُٹھتا جوبن بھی

حضرت منیر مرحوم

نہیں دبنے کا جوانی سے لڑکپن اُن کا ۔۔۔ چھاتی پر چڑھ کے دبا یا کرے جوبن اُن کا
آپ سے آپ مسک جاتی ہے انگیا کرتی ۔۔۔ پھٹ پڑا دیکھتے ہی دیکھتے جوبن اُن کا

اب شعرائے دہلی کا استعمال ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت نسیم دہلوی مرحوم

زباں سے حسرت پیری کی باتیں کیا ستاتے ہو ۔۔۔ ابھی تو نوجوانی ہے دکھاؤ دل نہ جوبن کا

حضرت جرأت مرحوم

اب تلک آنکھوں میں ساقی نشہ ہے چھایا ہوا ۔۔۔ چمپئی رنگ اُسکا اور جوبن وہ گدرایا ہوا

شعرائے اردو کا استعمال اور عمل درآمد تو یہ ہے۔ اور ہندی زبان میں سیکڑوں گیت اور ٹھمریاں موجود ہیں۔ آج جس قدر استعمال ان معنوں میں ہے وہ طبع سلیم پر مخفی نہیں ہے

(۱) میں کیسے کا نکسوں انگنواں + مورا دیورا نہارے جوبنوا۔
(۲) مورے جوبن پر نہ ڈالو ہاتھ۔

(۳) مورے جوبنا میں لعل جڑے بہت کھرے۔ (اس لفظ کا استعمال کیوں جائز رکھا گیا ہے)
یہ ایک بہت نورا سی بات ہے۔ نظم و نثر میں کوئی انشا پرداز چھاتیوں اور پستان کا ذکر نہیں کرتا۔ گو کسی زمانہ میں استعمال رہا ہو اس لیئے یہ پیارا لفظ بھاشا میں مل گیا۔ اور شاعروں نے اس کے استعمال میں کوئی بد مذاقی اور فحش گوئی نہیں دیکھی۔ اس وقت کے ناظم و ناثر سب مجبور ہیں۔ نظم تو مخرب اخلاق کہی جاتی ہے اور اکثر اس کو ترک ہی کر رہے ہیں۔ مگر نثر سے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ نثر دنیا میں باقی رہے گی۔ غیر زبان کے ترجے اردو میں ہونگے اور جب یہ موقع آئے گا اُس وقت صرف جوبن ہی ایک ایسا مہذب اور پیارا لفظ ملے گا۔ جس کو آپ استعمال کرسکیں گے۔ چنانچہ مسٹر ظفر علی خاں نے جو ترجمہ مسٹر رنیز کا کیا ہے اور جہاں یہ موقع آیا ہے انھوں نے جوبن ہی کا استعمال کیا ہے۔ وہ مجبور ہو گئے ہیں کہ پستان یا چھاتی نہیں لکھ سکے۔ ملاحظہ ہو "فسانہ لندن" صفحہ ۲۱۶ جلد اول "سیاہ مخمل کا قیمتی سایہ جس کا گریبان اس قدر نیچا تھا کہ اس کے جوبن کی آدھی بہار کسی جا رہی تھی۔
"اور سینے کے گدرائے ہوئے بہار سے جسم میں تناسب آمیز بھبن پیدا ہوگئی۔ ذلّا و نرمی تو تھی مگر مستی خیز نہ تھی۔
اس دوسرے فقرے میں سینے کے گدرائے ہوئے سے گو مسٹر ظفر علی خاں نے استعارہ کیا ہے مگر پھر بھی صحیح لفظ کا استعمال نہ ہو سکا اگر سینے کی جگہ گدرائے ہوئے جوبن کا استعمال کرتے تو مفہوم ادا ہو جاتا۔ تاہم چونکہ سینہ کو بھی ان معنوں میں شعرا استعمال کر گئے ہیں اس لیے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر وہ خوبصورتی نہیں آئی۔ غرضکہ یہ لفظ اُن معنوں میں مستعمل ہے اور اس کا استعمال قرین مصلحت ہے۔ رہا یہ امر کہ منشی صاحب نے کیوں استعمال کیا اور فحش اشعار کیوں لکھے۔ اس سے کوئی شاعر چاہے اُردو کا ہو۔ چاہے فارسی کا۔ چاہے عربی کا۔ چاہے ہندی کا۔ مستثنے نہیں ہے نہ کبھی مستثنے تھا۔ نہ آج مستثنے ہے۔ جب تک آدمی دُنیا میں رہے گا اور ان جذبات کے ادا کرنے میں مصروف رہے گا جو قدرت سے اُس کو ادا ہوئے ہیں۔ چاہے وہ اچھے ہوں۔ چاہے بُرے ہوں۔
مہذب یوروپ کی شاعری آج بھی غیر مہذب ممالک سے بہت زیادہ خلاف تہذیب ہے جو لوگ اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہم غیر مہذب شعر نہیں کہتے۔ اُن سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنے جوش کے جذبات کو فنا کر دیں اور اپنے نعت سے

اُن اسماء اور الفاظ کو بحال دیں جو انسان کو قدرت نے دیئے ہیں اور قیامت تک اُس کے ساتھ باقی رہیں گے ۔

خادم
برہم

اُستادی جلیل القدر حضرت جلیل جانشین امیر مینائیؒ اُستاد اعلیحضرت سلطان دکن خلد آشیاں کے خط مؤلف کے نام

حیدرآباد دکن ۵ رمضان ۱۳۲۴ھ

دفا پرور مجی صفدر سلمہ اللہ الاکبر ۔ سلام مسنون ۔ میں ہمراہی وزارت پناہ دیر تک شہر سے باہر رہا اس وقت دو محبت نامے آپ کے پیش نظر ہیں اور ایک کارڈ بھی ۔ کارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیب دشمناں آپ علیل ہیں ۔ کیا مرض ہے ؟ اور اب کیا کیفیت ہے؛ لکھیئے طبیعت کو تعلق ہے ۔

اِس مصرع پر فخرِ ہندوستان ہے گویا

اعتراض صحیح ہے ۔ ہندوستان میں نون کا اعلان نہ چاہیئے ۔ اِس لیئے کہ اس کے ساتھ اضافت فارسی کی آگئی ہے یعنی فخر ہندوستاں اسی طرح واو عطف کے آجانے سے بھی اعلان نون ناجائز ہو جاتا ہے ۔

اشاعت گلدستہ کے متعلق آپ کی دلسوزی اور رائے قابل شکر گزاری ہے ۔ اس باب میں انشاءاللہ متعقب لکھوں گا ۔

سرپرست ۔ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ اُنھیں کو صحیح سمجھنا چاہیئے ۔ استعمال کا سکہ ایسا رواں ہے کہ اُس کو کوئی لغت نہیں روک سکتا ۔ سرپرست کو مربی ہی کے معنی میں استعمال کرنا چاہیئے جناب اختر سلام کہتے ہیں ۔

جلیل حسن جلیل کان اللہ لہ

محب ولی سعید ازلی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح و سلامت رکھے۔
محبت نامہ آیا۔ غزل پہونچی۔ دیکھ کر درج گلدستہ کی جائے گی۔ ایسی حالت میں کہ معالج فکرِ سخن کے لیے مانع ہے۔ اُس کی رائے ماننا چاہیے۔ آپ ہرگز فکر نہ کریں۔ بحمد اللہ کہ پہلے سے آپ کو افاقہ ہے اور ڈاکٹر کا علاج مفید نظر آتا ہے۔ ایسی حالت میں لکھنؤ جانے کی زحمت اُٹھانا کیا ضرور ہے۔ مقصود صحت ہے آپ کے آقائے ولی نعمت کا انتقال سخت افسوس کا باعث ہوا۔ ایسی حالت میں کہ آپ علیل بھی ہیں اور غمگین بھی۔ محبوب الکلام کی اشاعت کا خیال اور میری خوشنودی کی فکر ہے۔ محبت کی انتہا ہو گئی۔ یہ سب باتیں آپ کی صحت پر قربان ہیں مطلق کسی بات کا خیال نہ کیجیے آپ اچھے ہو جائیے پھر سب کچھ ہو جائے گا۔ میرا خیال ہر وقت آپ سے متعلق رہتا ہے۔ دعا کیا کرتا ہوں۔ تیسرے چوتھے دو حرف خیریت لکھ بھیجا کیجیے یا لکھوا بھیجا کیجیے اور کچھ نہ کیجیے۔ میری خوشی یہی ہے۔ والسلام

جلیل حسن جلیل کان اللہ لہٗ

دلنوازا۔ سلام مسنون۔ غزل اس وقت پہونچی۔ اسی وقت دیکھ کر بھیجتا ہوں گلدستوں میں آپ کی غزلیں آتی ہیں۔ بعد اصلاح و انتخاب داخل کی جاتی ہیں۔ علاوہ گلدستوں کے اور کوئی کلام آپ کا یاد نہیں آتا کہ آیا ہو جس کے نہ دیکھنے کا آپ کو شکوہ ہے۔

میں آپ سے شرمندہ اس باب میں بے شک ہوں کہ خط لکھنے میں قاصر رہتا ہوں۔ آپ کا کلام مجھے پسند ہے۔ دلچسپی سے دیکھتا ہوں اور آپ کو جو خلوص میرے ساتھ ہے اُس کی قدر کرتا ہوں۔

احتیاط کا مقتضیٰ ہے کہ کلام بغیر دیکھے ہوئے اشاعت نہ پائے اس کا لحاظ رہے۔ آپ اپنے ملنے کا مجھے بھی مشتاق جانئے۔

جلیل کان اللہ لہٗ

دلنواز۔ پیارا خط آپ کا آیا۔ سواد خط نے آنکھوں کا نور بڑھایا۔ غزل میں نے دیکھ لی۔ اچھی خاصی ہے۔ اِس مقطع میں ؎

چُن چُن کے پھول لائے ہیں باغ جلیل سے
صفدر عروس نظم کا زیور بنائیں گے

بجائے جلیل کے امیر ہوتا تو میں اور زیادہ پسند کرتا۔
آپ کا ریویو ”آگرہ اخبار“ میں دیکھا ”تاج سخن“ کو آپ نے آسمان پر پہونچا دیا ہے۔ بہت

بڑھایا ہے۔ بہر کیف آپ کی محبت کا شکر گزار ہوں۔

آپ کا کام اپنا کام ہے۔ مگر اپنا کام یہاں مطلق نہیں ہوتا۔ ایک منٹ کی فرصت نہیں اور ہجوم افکار اور آلام مزید براں۔ حالات ہمارے کیا ہیں جو لکھے جائیں۔ نور چشم صدیق کو میں نے آپ کا خط دیدیا ہے اُن کے امتحان کا نتیجہ ہنوز شایع نہیں ہوا۔ وطن جانے کا تہیہ کر رہے ہیں ٭ خلیل کان اللہ لہٗ

.... آپ کو اخباروں سے معلوم ہوا ہوگا کہ حیدرآباد سیلاب عظیم کے آنے سے تباہ ہوگیا۔ ہزارہا جانیں نذر آب ہوئیں اور محلے کے محلے صاف ہو گئے۔ اللہ سبحانہ نے اپنے فضل سے ہم لوگوں کو بچالیا۔ مکان اور سامان ہمارا بھی دریا بُرد ہوگیا۔ فی الحال دیوان وزارت میں قیام ہے۔ مکان کی تلاش ہے۔ آج کل بلدۂ حیدرآباد میدان محشر کا نمونہ ہے۔ آپ اپنی خیریت سے مطمئن کیجئے۔

جلیل حسن جلیل کان اللہ لہٗ۔ ۱۴ ر رمضان ۱۳۲۶ھ

حضرت آغا راجہ گڑھی کے نام

حیدرآباد دکن ۱۰ ر شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

والاجناب مکرم و محترم سلام و نیاز۔ نوازش نامہ پہونچا۔ ملیح آباد کے آم موصول ہوئے آموں سے بڑھ کے آپ کی یاد آوری ہے۔ دوست کے لیے اس سے اچھی کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ اُس کا دوست محبت سے یاد کرے اور اگر بمقتضائے خلوص کوئی ہدیہ بھی ارسال فرمائے تو یہ مزید براں ہے آم تھوڑے سے تھے مگر مزہ زیادہ تھا۔ زیادہ مزیدار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کے اخلاق شیریں کی حلاوت اس میں شریک تھی۔ بہر کیف میں دل سے اس تہدی کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح و سلامت رکھے۔ حضرت اختر بہت بہت تسلیم و نیاز کہتے ہیں۔

جلیل حسن جلیل کان اللہ لہٗ

حیدرآباد دکن ۱۹ ر شوال ۱۳۳۷ھ

جناب مکرم و معظم۔ سلام مسنون۔ مدت کے بعد یہ وقت آیا کہ حضور نظام دام ملکہٗ و اقبالہٗ نے میاں القدر داغ دہلوی کی جگہ پر فرمایا اور جناب اختر مینائی ہوم سکرٹری کی دو گاری

پر مامور کیے گئے۔ تنخواہ فی الحال مجھے پانسو اور اُن کو ساڑھے چار سو ملنے کا حکم ہوا ہے بہ نظر خصوصیت یہ خبر خوش آپ کو لکھی گئی۔ از جناب اختر تسلیم۔

جلیل حسن جلیل کان اللہ لہٗ

جناب مکرم و معظم۔ سلام مسنون۔ نوازش نامہ آیا منت پذیر فرمایا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ کہ آپ نے "رسالہ تذکیر و تانیث" کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس پر ریویو لکھنے کی بھی زحمت گوارا فرمائی اس کا جداگانہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

لفظ تہمد کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ تائے فوقانی کے ساتھ تہمت ہے اور مثنوی لذت عشق کے شعر تحریر فرمائے ہیں۔ میری رائے ہے کہ اصل اس کی تہمبند ہے۔ کثرت استعمال سے زبانوں پر تہمد ہے تہمت کی اصلیت کوئی خیال میں نہیں آتی مثالیں کافی نہیں۔ تاوقتیکہ قافیہ سے ثبوت نہ ہو۔ کتابت والے اپنی رائے سے کچھ لکھ دیا کرتے ہیں۔ تہمد کی مثال اس وقت میری نظر میں نہیں ہے۔ میں آج کل دوران سر میں مبتلا ہوں انشاء اللہ مزید تحقیقات سے آپ کو مطلع کروں گا۔ آپ کی ناچاقی مزاج سے تشویش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اچھا رکھے۔ خیریت مزاج سے مطمئن فرمایئے۔ والسلام

جلیل حسن جلیل کان اللہ لہٗ

شمس العلما مولانا حالی کے خط

مولانا عبدالرزاق مولف "البرامکہ" کے نام

پانی پت کرنال ۱۵ فروری ۱۹۱۳ء

جناب منشی صاحب مخدوم و مکرم تسلیم۔ عنایت نامہ مورخہ ۳ فروری ۱۹۱۳ء پہونچا شکریہ قبول فرمایئے۔ اس بات کے دریافت ہونے سے کمال مسرت ہوئی کہ نواب ولیعہد بہادر ریاست بھوپال نے آپ کی گراں بہا تصنیفات کی رئیسانہ قدرشناسی فرمائی اور تصنیف و تالیف کی خدمت پر آپ کو اپنی ریاست میں جگہ دی ہے چشم بد دور آج کل ریاست بھوپال اہل کمال کا مرجع اور اسلام اور قوم کی تکیہ گاہ اور پشت پناہ ہے۔ اللہ جل شانہٗ

علیا حضرت بیگم صاحبہ بالقابہا اور جناب ولی عہد بہادر اور دیگر صاحبزادگان بلند اقبال کو دیرگاہ سلامت رکھے۔ نظام الملک جیسی عالی درجہ تصنیف پر ریویو لکھنے کے قابل اب میں نہیں رہا قطع نظر اس کے کہ قوائے جسمانی روز بروز مضمحل ہوتے چلے جاتے ہیں دماغ بھی معطل بلکہ مختل ہوگیا ہے خطوں کا جواب مستثنےٰ حالتوں کے سوا ہمیشہ دوسروں سے لکھواتا ہوں۔ جو کچھ لکھا پڑھا تھا سب فراموش ہوگیا۔ میری موجودہ حالت پر مرزا غالب مرحوم کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

دیگر از خویشم خبر نبود تکلف برطرف
این قدر دانم کہ غالب نام یارے داشتم

بجائے غالب کے حالی پڑھنا چاہئیے۔

امید ہے کہ آپ عنقریب کسی نامور آدمی کی لائف لکھنی شروع کریں گے۔ شروع کرنے سے پہلے مجھے بھی ہیرو کے نام سے مطلع فرمائیے گا۔ زیادہ نیاز

خاکسار الطاف حسین حالی

پانی پت ضلع کرنال ۱۳ / جون ۱۹۱۳ء

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم۔ تسلیم۔ شفقت نامہ پہونچا جس کا شکریہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ الحمد للہ۔ کہ آپ کی مساعی جمیلہ زمانہ کی ناقدردانی پر غالب آئیں مگر حق یہ ہے کہ زمانہ کو ناقدرداں ٹھہرانا محض ہٹ دھرمی ہے بلکہ درحقیقت قابل قدر اشیاء ہی کا قحط ہے ورنہ قدر دانوں کی کمی نہیں ہے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

نواب ولیعہد بہادر نے آپ کے قابلیت کا نہایت صحیح اندازہ فرمایا ہے۔ افغانان جلال آباد کی تاریخ لکھنا اور ایک ایسے مضمون کے لیے جو اب تک کسی نے نہ لکھا ہو مٹیریل (مواد) جمع کرنا اگر میری رائے غلط نہ ہو ایک ایسا کام ہے جس کے لیے آپ سے بہتر آدمی ملنا دشوار تھا۔ خدا کرے اس کام میں بھی آپکو ایسی ہی کامیابی ہو جیسی اس سے پہلے دو کارناموں میں ہو چکی ہے۔ مجکو معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد میں بھی اور کچھ عجب نہیں کہ نواب صاحب ممدوح آپ کو وہاں بلائیں مگر میرے نزدیک ایسی صورت پیش آئے تو بھوپال کا حق سب سے مقدم ہے۔

خاکسار الطاف حسین حالی

حضرت شاکر ایڈیٹر "العصر" کے نام

پانی پت ۱۸ / جون ۱۹۱۳ء

جناب منشی صاحب شفیق مکرم ۔ تسلیم ۔ "العصر" کے تینوں نمبر پہونچے جن کا شکریہ ادا کرنے میں دیر ہوگئی ۔ یہاں تک کہ آپ کو خط لکھنے کی زحمت ہوئی ۔ العصر کو دیکھکر بہت جی خوش ہوا اللہ تعالیٰ اس کو سرسبز اور کامیاب کرے ۔ ضرور ایسا ہی ہوگا ۔ "ادیب" کے ذریعے سے آپ کی لیاقت کے جوہر کھل چکے ہیں ۔ "العصر" میں میرا فوٹو جس نے دیکھا نہایت پسند کیا اور تصویریں بھی نہایت عمدہ چھپی ہیں ۔

میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ شاید کوئی اس بات کا آرزومند نہ ہوگا کہ ہندوستان کے ہندو مسلمان اور مسیحی سب ایک دوسرے کے ایسے دوست ہوں جیسے ایک سگا بھائی دوسرے سگے بھائی کا دوست ہوتا ہے ۔ مگر میرے نزدیک ایسی حالت ایک صدی سے ورے ہندوستان میں پیدا نہیں ہوسکتی ۔ مگر ہم کو کیا ؎

بعد از سر من کن فیکوں شد شدہ باشد

خاکسار الطاف حسین حالی

منشی حضور احمد صاحب حضور مرادآبادی کا خط

حضرت محوی لکھنوی کے نام

حضرت قبلہ! مفاوضہ عالیہ (کارڈ) صادر ہوکر باعث عزّ و شرف اور موجب تشکر ہوا ۔ آپ کی لطف فرمائی کا میرے دل پر بہت گہرا اثر ہے مگر میں حوادث روزگار کا شکار ہوں کیا کروں اور کیا نہ کروں ۔ میری مسلسل مجبوریوں کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے جب سے بھوپال کی دنیا میں قدم رکھا بہت کم میری صحت درست رہتی ہے ۔ اول تو میں ابدی مریض ۔ اب یہاں کی مرطوب آب و ہوا نے مجھے خاص طور پر موثر کیا ۔ بس ایک ابتلائی کیفیت ہے جو ہر وقت نیا عالم دکھاتی رہتی ہے ۔ دعا کیجئے کہ صحت تام ہو ۔

اب شعر و سخن سے اس قدر منافرت ہو گئی ہے۔ دنوں گزر جاتے ہیں جو مصرعہ تک موزوں نہیں ہوتا۔ تغزل میرے لیے اب انتہائی دشوار ہے۔ کیونکہ طبیعت اب عامیانہ رنگ سے متنفر اور جذبات کی شیدائی ہو رہی ہے۔ پھر خط و خال اور بُت و صنم کے اشعار کیوں نہ غیر مانوس معلوم ہوں اور یہ سب آپ کے فیضان صحبت کا بدیہی اثر ہے۔ جن کا مجھے واقعی طور پر کامل ترین احساس ہے۔ اور اس احساس کے ساتھ آپ کی ادبی منزلت اور علمی وجاہت کا ہیں مطیع و منقاد ہوں۔

قیصر صاحب سے کیا ملوں وہ کنج عزلت کے شیدائی یا بالفاظ دیگر رہبانیت کے دلدادہ ہو گئے ہیں۔ دیکھئے قیصر سے کہیں سینٹ قیصر نہ رہ جائیں۔

بھائی میں ادبی ہوں یا نہوں۔ مگر آپ کو لکھنؤ میں بیٹھ کر بلخ و بخارا کے خواب ضرور نظر آتے ہوں گے۔ کیونکہ لسان الغیب کا سارا کلام دہیں کی بیوٹی (خوبصورتی) کے تاثرات کا آئینہ ہے تمھیں میرے سر کی قسم سچ کہنا کیا لکھنؤ پہونچ کر عمامہ و تسبیح کے عاشق تو نہیں ہو گئے۔ ذرا موجودہ حالت کا فوٹو کھینچ دو۔ میں بھی تو دیکھوں کہ تم کیا سے کیا ہو گئے۔

نیاز کیش قیصر الغیبی   ۹ر اپریل ۱۹۱۳ء

منشی حمید الدین صاحب حمید عظیم گڈھی کا خط

مؤلف کے نام

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

مخلص نواز۔ اس وقت آپ کے غم بھرے خط کو پڑھ کر کیا حالت ہوئی۔ الفاظ میں اُن کا بیان ناممکن ہے۔ واللہ آپ کی حالت و صدمات کا اندازہ کر کے کچھ صبر آتا ہے۔ ابھی کل کا واقعہ ہے۔ میرے سب سے چھوٹے ماموں منشی زین العابدین صاحب مرحوم میرے دیکھنے کو آئے دو چار دن رہے ان پر فالج گرا اور وہ دنیا کو چھوڑ کر ہم لوگوں پر کوہ غم گرا کر چل بسے۔ ہائے کیسے جوان رعنا تھے اور کیسے خلیق۔ سچ ہے ع

جہاں بسل گہ درد است آسایش کہ دید اینجا
بقدر سخت جانی ہر کسے بر خود طپید اینجا

کچھ نہ پوچھئے کہ خاندان کو کیسا صدمہ پہونچا۔ آپ کو تلقین صبر کرتے ہوئے کلیجا مُنھ کو آتا ہے کیونکہ جانتا ہوں صبر آتے آتے آئے گا۔ دل سنبھلتے سنبھلتے سنبھلے گا۔ تازہ داغ ہے۔ نئی چوٹ ہے۔

ایسے ہونہار نوجوان کی وفات حسرت آیات کا غم جس قدر ہو کم ہے مگر بھائی دُنیا اسی کا نام ہے کہ گذشتنی ہے۔ ہر انسان کو اضطراب کے بعد صبر آ ہی جاتا ہے۔ آئے نہ تو کیا ہو۔ خدا نے اپنی عدالت کے لیے دعوے کا قانون سماعت ہی نہیں رکھا ہے۔ خدا کرے آپ کو جلد صبر آئے۔

دردمند خستہ خاطر حمید

سید حافظ حسین صاحب الہ آبادی کا خط

مؤلف کے نام

۱۴ ردسمبر ۱۹۱۰ء موودعا ضلع ہمیر پور

پیارے صفدر

نظم میں مبالغہ شاعری کا لطف پیدا کرنا ناظم کی جدت پسند طبیعت کا خاصہ ہے اور کمال شاعری کی علامت ہے۔ نثار گو یہ قدرت حاصل نہیں ہے لیکن پیارے صفدر کی جودت طبع نے نثر میں بھی وہ رنگینی پیدا کی اور ایسے ایسے گلہائے مضامین کھلائے کہ صفحۂ قرطاس چمنستان پُر بہار بلکہ نمونۂ زعفران زار بن گیا۔ اللہم زد فزد۔

مجھ میں وہ اگلی سی زندہ دلی باقی نہیں ہے اور اُن ترنگوں اور اُمنگوں کا احساس بھی نہیں ہوتا جس کو تم نے نہایت پُر جوش اور پُر شوق حالت میں بچشم خود دیکھا تھا۔ اب زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں۔ بقول حضرت شیرازی ع۔

زندہ در گور است حافظ زندہ در گور من

اگر خیال تصور کا کچھ لطف باقی رہ گیا ہے تو بس اسی قدر۔ احباب کی صرف محبت ہے جو حافظ کی تحریر پر اثر معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ من ہماں خاکم کہ بودم۔ زیادہ والسلام

حافظ حسین

فصیح الملک حضرت داغ مرحوم کے خط

حضرت انجم نیشاپوری کے نام

اے میرے چاہنے والے میزبان تیرے دلسوزی کے قربان۔ مثنوی مطبوعہ ضرور خدمت میں پہونچے گی۔ اس کا مزہ جس کو ہے اس کو ہے۔ صاحبان اعتراض کیا جانیں میں ایسوں سے نہ اُمیدوار ستایش وصلہ۔ نہ اُن سے شکایت وگلہ۔ افسوس لکھنؤ بھی خالی ہوگیا۔

اے ناخدا ترس کبھی تو مژدہ خیریت سے شاد فرما داغ کو اس قدر نہ ترسا۔ والسلام۔

۲۶ رمئی — داغ دہلوی

میر صاحب مکرم سلامت۔ داغ کو جلا کر خاک میں ملا کر آپ لکھنؤ چلے گئے خیر صبر و شکر چونکہ یہ بیوفائی اور کج ادائی آپ نے اڑائی ہے۔ ہم بھی منہم سمجھے۔ اے شخص اللہ رے تیرا دماغ چلتے وقت ملنا اور اس تمکنت اس استغنا کے ساتھ رحم نہ آیا ترس نہ کھایا کہ ایک کشتہ تیغ فراق تڑپ رہا ہے اُس کی دلجوئی کیجئے یا اُس کی تلافی یہ ہوئی کہ لو ہم جاتے ہیں۔ اچھا جاؤ غارت ہو۔ دُہرا صبر کرلیں گے۔

وہ قافلہ لکھنؤ سے عظیم آباد پہونچا وہاں سے ایک قیامت نامہ میرے نام آیا جس کا مضمون قابل تحریر نہیں۔

جس ساتھ کی میری تصویر سید ناظر حسن کو دی ہے اُس کے ساتھ کی چند تصویریں اور مجھ کو عنایت ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جو حال آپ نے دیکھا ہے وہ میری کیفیت کسی اور سے نہ کہنا۔ خدا کے واسطے خاک میں نہ ملا دینا۔

راقم نواب مرزا داغ عفی عنہ — ۲۰ ر اپریل سنہ ۱۸۸۱ء

نواب صاحب مصدر عنایت و کرم سلمہ اللہ تعالے۔ آپ کا خط آیا۔ شکر ہے کہ آپ نے میری تاریخ پسند کی۔ تصویر میں دُبلا پا گیا دیکھتے ہو۔ لیسبب علالت دائمی کے اُس سے بھی آدھا رہ گیا ہوں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ — فصیح الملک داغ دہلوی — ۵ ار جولائی سنہ ۱۹۰۴ء

حضرت سلامت۔ سلامت رہئے۔ دو خط اور ایک لفافے میں چند تصویریں داغ روسیاہ کی پہونچیں۔ مرہون منت کیا۔ میں بہت دنوں سے علیل رہتا ہوں۔ رزق رام پور میں ترا

اور صحت وطن میں۔ کچھ بن نہیں آتا۔

حجاب سے بے وجہ ترک نامہ و پیام ہے۔ کمبخت اک بلائے بے درماں تھی کہ جس کے تصور سے اب تک نجات نہیں۔ ہر چند اب بہت صبر آگیا۔ لوگوں نے اُس کو یقین ہے بہکایا خدا ایسوں کو غارت کرے .... داغ کے مزاج میں بے وجہ عتاب کی تاب نہیں۔ آپ نے ناحق میری تصویر بھیجی۔ میں اُن سے کمال ناراض ہوں۔ آج سے طبیعت اچھی نہیں ورنہ اگر گرم جواب جاتا۔ والسلام

نواب مرزا داغ ۲۳ جولائی ۱۸۸۱ء

شفیقی کرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں آپ کو نہیں بھولا مگر دو خطوں کا جب جواب نہ ملا تو خاموشی اختیار کی۔ آپ اُلٹی شکایت کرتے ہیں قطعہ تاریخ حالت علالت میں موزوں کرکے پیش کرتا ہوں۔ بڑھے آدمی کی تصویر لے کر کیا کروگے۔ خیر وہ بھی روانہ کرتا ہوں۔ یہاں تو راجہ دین دیال مصور کا ڈنکا بج رہا ہے۔ ہمیشہ خیریت سے آگاہ فرماتے رہیئے۔ والسلام۔

فصیح الملک داغ دہلوی ۲۴ جون ۱۹۰۴ء روز جمعہ

قطعہ تاریخ مثنوی نواب سید بہادر حسین خاں صاحب انجم لکھنوی۔

اے بہادر حسین خاں نواب — تو ہے انجم سپہر معنی کا
ہاتھ سے تیرے طبع موزوں کے — کھنچ گیا حُسن و عشق کا نقشا
کیا فصاحت ہے کیا بلاغت ہے — واہ اِس مثنوی کا کیا کہنا
ہر مورخ کی اس کے صفحوں پر — خوب تصویر ہو گئی زیبا

داغ نے یہ نئی کہی تاریخ
آپ تصویر مثنوی آہا

۱۳۲۲ ہجری

بندہ پرور۔ یہ کس کمبخت کی تمنا ہے کہ ایک شفیق مسافر مہمان کو بلالوں تو جاوں اِس خاکسار سے یہ گمان بھی غلط۔ اگر پیامی نے بیان کیا تو خدا اُس سے سمجھے۔ جو اس وقت ہمنشیں ہیں اُن کی زبان پر یہ کلمے بلا شبہہ آتے ہیں کہ وہیں روک دیا کہ ہم تمھاری چالوں اور اتحاد سے واقف ہیں۔ ہم خاکپائے احباب بے ریا ہیں۔ البتہ پہلی جو خبر ملی چلے گئے۔ یہ شاید تمکنت کی لی ہوگی۔

کئی روز سے آنا چاہتا ہوں۔ وقت ملنے کا پوچھتا ہوں۔ صاف جواب نہیں ملتا۔

آپ ملاقات سے کیوں کنیاتے ہیں۔ میں رقیب نہیں ہوں۔ آپ نے نہ مل کر میرا مزہ خاک میں ملا دیا۔ بلکہ وہ بھی آپ کے شاکی گئے۔ یہ بھی اُن سے معلوم ہوا کہ ایک تصویر اس روسیاہ کی اُس نے آپ سے چھین لی۔ آپ کا لکھنا بہت بجا تھا۔ مجھ کو کہو میں آنکھوں سے حاضر ہوں آپ ہرگز نہ تکلیف فرمائیں کہ میرے پاس ہجوم رہتا ہے۔ ایک تازہ شعر لکھتا ہوں ؎

شب ہجراں کے جاگنے والے
ایسے سوئے کہ کچھ خبر نہ ہوئی
داغ دہلوی

جناب خاں صاحب عنایت وکرم فرما مجمع محسن فراوان مصدر رمنت و احسان بہادر حسین خاں صاحب دام عنایتہٗ بعد سلام مسنون۔ واضح ہو کہ میں بخیر و عافیت وارد پٹنہ عظیم آباد ہوا محلہ گرہٹہ مکان سید باقر صاحب میں مقیم ہوں۔ چار روز ہوئے کہ وہ لوگ کلکتہ روانہ ہو گئے۔ سید قطب الدین کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت خراب۔ گرمی کی نہایت شدت۔ اہل عظیم آباد نے میری اس قدر خاطر و عزت کی ہے جس کی حد نہیں۔ کلکتہ نہیں جانے دیتے۔ میری طبیعت علیل ہوئی جاتی ہے۔ اب بھی علیل ہے۔ سرکار میں خط بھیجا ہے۔ اُن کے جواب کا منتظر ہوں منشی تیغ بہادر نے جو اپنے اخبار میں دیوان کے آنے کی کیفیت لکھی ہے۔ اُس کی نقل جلد بھجوا دو چھپنے کی جلد کیفیت لکھو۔ اپنی خیریت سے آپ جلد آگاہ کریں سب دوستوں کو سلام پہونچے۔

راقم نواب مرزا داغ دہلوی ۷ رمئی سنہ ۱۸۸۲ء

حضرت دلگیر اکبر آبادی ایڈیٹر نقاد کے خط

مؤلف کے نام

الہ آباد ۴ را پریل سنہ ۱۹۱۲ء

ڈیر حضرت قدر بذریعہ شرعی کیل آگرہ سے چلتے وقت آپ کا نامہ موہبت نعمت غیر مترقبہ کی طرح مجھے ملا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ میرے اس درجہ قدر دان ہیں۔ سچ یہ ہے کہ آپ کے کلمات محبت وجذبات قدر افزائی کا شکریہ ادا کرنا محال ہی

نہیں ناممکن ہے۔

آپ کی شوخ و شنگ تحریر نے خدا گواہ ہے مجھے راستہ بھر بے چین رکھا۔ بار بار پڑھنے سے بھی سیری نہیں ہوئی۔ یہی جی چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ اور دیکھوں۔

حسن اتفاق کا کرشمہ دیکھیے کہ آپ کا خط اور "دلگداز" کے پرچے ایک ساتھ مجھے مل جاتے بھر کی خوراک سمجھیے۔ "دلگداز" کے ساتھ آپ کے دلگداز فقروں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ لطافت جذبات رو میں مجھے خدا جانے کہاں کہاں بہالے گئی جس کے اظہار کے لیے مقررہ چار صفحے ناکافی ہیں اور مجھے کوزہ میں دریا بھرنا نہیں آتا۔ اچھا یہ سلسلہ بشرط فرصت پھر کبھی! یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ آپ قلم کے اس قدر شائق نکلے۔ اب آپ میرے دام سے نکلنے نہ پائیں گے میں انشاءاللہ آپ کی پھانس کو قائم رکھوں گا۔

فی الحقیقت اُس مذاق و طبیعت کے دلدادہ جو ہمارے ادب کے لیے سرمایہ نازش ہے۔ آپ کی طرح ملک میں کم لوگ ہیں اور جو ہیں وہ میری طرح کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس قسم کا عنصر لطیف ہمارے لٹریچر میں بکثرت مہیا ہو تو کچھ لکھئے لکھائیے ورنہ بقول افادی "ہم آپ جو کچھ کرتے رہتے ہیں اُسے نفس واپسیں سمجھیے۔"

"قیس" بلا تصنع اُردو کا ماسٹر پیس تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس قسم کا لٹریچر ہماری زبان میں بکثرت جمع ہو جاتا۔ تاکہ اُردو بھی کسی زبان کی نازک خیالی و خیال آفرینی میں کم درجہ پر نہ رہے غزل دیکھی۔ ہر ایک شعر مستقل داد چاہتا ہے۔ مگر یہاں لکھنے کی فرصت کسے! آنکھیں کانوں سے لڑتی ہیں کہ جب گوش مہجور پیام نہیں ہے تو چشم مشتاق جمال کیوں رہے؟ جی چاہتا ہے کہ ان دونوں کا فیصلہ کرنے کے لیے مرزا پور آکر تم سے ملوں۔ گرتا پڑتا اور ٹھوکریں کھاتا ہوا یہاں تک تو پہونچ گیا ہوں آگے تقدیر کی رسائی ہے۔ میں الہ آباد میں غالباً ۹ و ۱۰ / اپریل تک قیام کروں گا۔ اور ممکن ہوا تو آپ سے مل کر آگرہ واپس جاؤں گا۔

سنا ہے آج کل آپ کی وکھیا دیکھی قیس عامری کے کلام پر تنقید لکھنا چاہتے ہیں۔ دیکھا چاہئے کیسی لکھتے ہیں؟ میری دلی خواہش ہے کہ آگرہ اخبار کا کوئی نمبر آپ کے مضمون سے خالی نہ رہے۔ دیکھئے آپ کہاں تک اس دوستانہ التجا پر توجہ فرماتے ہیں۔

گذشتہ ماہ میں آپ کی توجہ فرمائی سے آگرہ اخبار میں اچھے اور قابل دید مضامین شائع ہوئے۔ تمنا ہے کہ یہ سلسلہ آیندہ کسی طرح ٹوٹنے نہ پائے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ آپ

برابر لکھتے رہیں۔ میں بھی انشاءاللہ کچھ نہ کچھ بکے ہی جاؤں گا۔ ع

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

آپکا دلگیر

پیارے صفدر۔ آپ کے مفصل عنایت نامے کا جواب اتنے دن کے بعد۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ مگر سچ یہ ہے کہ آپ کی تحریر اس قدر خاص طرح کے جذبات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہ میں اس وقت تک جواب لکھنے کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ بھئی آگرے کی گرمی بلائے جان ہو رہی ہے۔ کچھ کرنے دھرنے نہیں دیتی۔

آہ! دلگیر۔ دیکھ کر اگر داد نہ دی تو اس ناخوشی کا کیا ٹھکانا ہے؟ "پھولوں پر اوس پڑ گئی اس نازک خیالی نے مار ڈالا۔ میلے کے حالات نے مردہ جذبات برانگیختہ کر دیئے۔ پڑھوا منگل جو کبھی جوانی میں دیکھا تھا یاد آگیا اور اس کے یاد آتے ہی جی پر خدا جانے کیا گزر گئی۔

پریشاں قسمتوں کو قصۂ بربادی سن کر جو لطف آتا ہے کہہ نہیں سکتا۔ یوں آپ نہ بتائیں لگے جی میں ہے کہ مرزاپور آ آکر سنوں۔ اس لیے لکھتا ہوں کہ آپ مجھے براہ محبت مطلع فرمائیں کہ جولائی کی کن تاریخوں میں حاضر آکر شرف نیاز حاصل کروں؟ گوش برآواز ہوں آپ نے مجھے بلایا اور میں آیا۔ آپ کے جذبات حسرت نے کمبخت دلگیر کو مشتاق دید بنا دیا ہے۔ اب اُسے بغیر آپ کے دیکھے چین نہیں پڑ سکتا ؎

دیکھئے آتی ہے وہ کون مبارک ساعت آپ دیکھیں گے ہمیں آپکو ہم دیکھیں گے

آگرہ اخبار بغیر آپ کے کئی ہفتوں سے پھیکا نکل رہا ہے۔ فرصت ہو تو اُسے پھر چمکایئے اور مجوی کو بھی توجہ دلایئے "مرصع" غالباً اسی ہفتہ میں دست مبارک تک پہنچ جائیگا دیکھکر اپنی رائے سے مطلع فرمایئے اور اس کے لیے مرصع غزل لکھئے۔

ہمیشہ آپکا دلگیر ۲۷ رجون ۱۹۱۲ء

پیارے صفدر حسن اتفاق دیکھئے کہ آپ کا نوازشی کارڈ مرزاپور سے اور میں لکھنؤ سے ایک ہی وقت پہونچا لیکن آج سے پہلے جواب کے لیے تیار نہ ہو سکا تکلیف انتظار معاف فرمایئے۔ آپ ہی کا کام یعنی ترتیب "نقاد" میں مصروف تھا۔ آج خدا خدا کر کے فارغ ہوا ہوں۔ سب سے پہلے آپ کے محبت نامے کا جواب لکھتا ہوں۔

باتعلق ہو جانے پر دلی مبارکباد قبول کیجئے۔ اسے اپنے جانے کا اثر تو نہیں کہہ سکتا۔ ہاں۔ مولوی محمد سعید صاحب کی سعی کا نتیجہ ضرور کہوں گا۔ اُن کی اس توجہ فرمائی کا میری جانب سے بھی شکریہ ادا کر دیجئے۔ اب میں آؤں تو کیا آپ دعوت نہ کریں گے۔

جو خدمت آپ کے سپرد ہوئی ہے وہ بیڈھنگی ہے۔ رسد رسانی فوج کا انتظام ایک شاعر کے سپرد ہو۔ ذرا اس بوقلمونیٔ فطرت کو دیکھئے گا۔ گول خانے میں چوکھٹی چیز یہ بے تکا پن نہیں اور کیا ہے؟ یہ اعتراض تو آپ کے مذاق طبیعت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن دنیوی حیثیت سے اگر اس کام کو آپ دل لگا کر کیجئے گا تو عجب نہیں کہ آئندہ کوئی عمدہ جگہ مستقل طور پر مل جائے۔ کارگزاری دکھانے کا اچھا موقع ہے۔ قصیدے کی تشبیب اور غزل آج تک آتی ہے۔ آپ کے تغافل سے نومبر نمبر خالی رہا۔ شاید رسد رسانی سے فرصت نہ ملی ہوگی۔

شاعر کا وعدہ ہی کیا۔ اگر بھول جاؤں تو قابل الزام نہیں لیکن اطمینان رکھئے نہ بھولونگا موعودہ مضمون اسی ہفتے میں آپ تک پہونچ جائے گا منتظر رہئے۔

لکھنؤ میں حضرت محوی سے ملا تھا انھیں کی عنایت تھی کہ میں ۲۵ راکتوبر کے بجائے ۲۷ راکتوبر کو آگرہ واپس آیا۔ کیا کہوں کس قدر رطب یابسی انھوں نے صرف کی اور کس کس عنوان سے مجھے مدعو کیا؟

آہ! وہ رات۔ وہ شب دلگیر جس کی نسبت کہا گیا ہے "میری برات سے ہے ایک کہانی پیدا" میں کبھی نہ بھولوں گا۔ اُس رات جبکہ میری جان کا مشتری پیدا کیا گیا تھا آپ بہت یاد آئے۔ شاکر میرٹھی بھی میرے ساتھ مدعو تھے اور لطف صحبت میں شامل۔ یہ دعوت ایک وارفتہ محبت "رشید" کی طرف سے دی گئی تھی جو مدت العمر فراموش نہ ہوگی۔ وہ صحبت تو گزر گئی مگر دامن صبر کو پارہ و پارہ کر گئی۔ دل کی اضطرابی کی انتہا نہ رہی۔ لکھنؤ ظالم لکھنؤ نے لوٹ لیا ع

صبر آتا دیکھ کر ظالم نے پھر تڑپا دیا
میرے قابو میں طبیعت اب کی بار آنے کو تھی

"نقاد" کا ریویو تو آج تک آپ نے نہ لکھا۔ کیا حشر میں اس کی اشاعت کا انتظار کروں۔ مفصل خط کا انتظار کیا نہ آیا۔ آخر کیوں آتا ع

آپ سے اقرار کے سچے کہاں
وعدہ کیا اور وفا ہو گیا

مرزاپور میں چند وی۔ پی۔ روانہ کیے گئے ہیں۔ صاحبان وعدہ سے ملکر کہہ دیجئے گا کہ وصول فرمالیں۔ کچھ نئے خریدار اور بھی دلوائیے۔ اب تو آپ تحصیل میں ہو گئے ہیں۔

ادبی ٹانکس وصول کرتے رہیئے۔
نومبر کا "نقاد" دیکھیئے گا کس پلٹے کا نکلتا ہے؟
ہمیشہ آپ کا دلگیر

آگرہ
۲ دسمبر ۱۹۱۲ء

بھائی صفدر حالت انتظار میں آپ کا مودت نامہ ملا۔ کیا بتاؤں کس درجہ مسرت حاصل ہوئی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے جس کے دم سے میری پھانس قائم ہے جو رہ رہ کر دل میں کھٹکتی ہے "اتنا پڑھا وہ خط کہ مجھے یاد ہوگیا" اس سے بہتر داد میری پریشانی تحریر کی میں نہیں سمجھ سکتا کہ کن الفاظ میں دی جاسکتی ہے۔ یہیں سے آپ کی قدرت کلام ظاہر ہے۔
"نقاد" کا ریویو بھیجکر اطلاع دیجیے کہ روانہ کردیا ورنہ نری باتوں کا میں قائل نہیں ع
اتنی بھی زبان تم سے ہلائی نہیں جاتی
عید کی مبارکبادیں سیکڑوں آئیں مگر آپ کی لٹریری مبارکباد اپنی نوعیت کے لحاظ سے سب سے بالاتر ہے اور اُس کا یہ شعر قطعی غیر فانی ہے ؎

وہ شب قدر پھر وہ عید کہاں
شاکر و محوی و رشید کہاں

شب دلگیر محوی کی آنکھ سے میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہو مجھے بھی لکھ دیجیے تاکہ صحبت دوشینہ کی یاد دل سے محو نہ ہونے پائے۔
تشبیب و غزل ملی۔ مگر دیر میں۔ نومبر نمبر تیار ہوچکا۔ آج یا کل پوسٹ کر دیا جائے گا۔ انشاءاللہ اب دسمبر میں شایع ہوسکے گی۔ افسوس ہے کہ آپ کی اور محوی کی مہماں نوازی کی وجہ سے نومبر نمبر دیر میں شایع ہو رہا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ دسمبر تک اس تاخیر کی تلافی ہو جاے۔
آپ بھی دعا فرمائیے اور خط جلد لکھتے رہیئے۔ نوجی کشمکش سے پیچھا چھٹنا مشکل ہے۔ بُرے پھنسے۔ والسلام
آپ کا دلگیر

آگرہ
۱۴ دسمبر ۱۹۱۲ء

پیارے صفدر محبت نامہ ملا اور وہ بھی مفصل شکر گزار ہوں کہ اس دفعہ آپ نے کارڈ ہی پر ٹالنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ بلا مبالغہ تصویر محبت ہیں جو ہم سے دیوانوں کی جان ہے۔ اس لیے کبھی یہ تصویر دل سے دور نہیں کی جاسکتی۔ خدا آپ کو فرصت اور اطمینان دے کہ آپ نقش دنا

بنا سکیں۔ قدر کرنے والے مل ہی جائیں گے۔ بہت لوگ اب بھی ایسے ہیں۔ ع۔

جہاں دیکھا یار کا نقش پا بے سجدہ سر کو جھکا دیا

تلاش رزق کا شعر بے مثل رہا لیکن بے کاری اور گرانی کی شکایت کیوں؟ کھانے کو غم
روزگار کیا کم ہے جو کسی اور چیز کی تلاش کی جائے؟ محبت کے دیوانوں کا رزق یہی ہے۔ اسی کو کھائیے
اور خوش رہیئے ۔ ؎

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت صفدر
تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں

اطمینان کا ریویو مجھے ہرگز پسند نہ آتا۔ میں تو سراسیمگی کی ادائیں دیکھنے کا عادی ہو رہا
ہوں۔ اور اس لیے آپ کی پریشان خیالی جلد دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس موقع پر کہنا چاہیئے کہ
اطمینان کے ریویو میں آورد ہوتی ہے اور جس حالت میں آپ نے اُسے لکھا۔ اس میں آمد ہوگی۔
اسی کو دیکھنے کا آرزومند ہوں ۔

نظم رنگ زمانہ آگرہ اخبار میں دیکھی۔ "مساوات" میں بھی دیکھوں گا۔ نام پسند آیا۔ اپنے خلوص
کی تعریف کیجیے قطعہ تاریخ بہت برجستہ اور صاف کہا۔ داد دیتا ہوں۔ مہدی کے خطاب کی ڈاک سے
بھیجوں گا۔ منتظر رہیئے۔

مجھے شکایت ہے کہ "نقاد" کی سالگرہ کی خوشی میں آپ نے نہ تو سالنامہ تحریر فرمایا اور نہ کوئی
تاریخ عنایت کی۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر یہ سرد مہری کیوں؟

فروری کے لیے جلد کوئی نظم عمدہ لکھ ڈالیئے اور بھیج دیجیئے ورنہ دیدہ خواہد شد۔ انسپکٹر صاحب
مرزا پور آجائیں تو مجھے مطلع فرمائیے۔

بھائی صفدر سچ یہ ہے کہ نقاد نکال کر مجھے بہت تلخ تجربہ ہوا جس کی اس سے پہلے توقع نہ
تھی اچھا رخصت۔

دلگیر

آگرہ ۔ ۷ رجنوری ۱۹۱۳ء

ڈیر صفدر

ابھی ابھی "مساوات" میں "نقاد" پر آپ کا برجستہ ریویو نظر سے گزرا اس
کس میرسی کی حالت میں کیا بتاؤں آپ کے محبت آمیز خیالات نے حسرت نصیب دل پر
کس قیامت کا اثر کیا؟

مرحوم ریاض کو آپ نے زندہ کر دیا۔ جزاک اللہ۔ اس کی ضرورت بھی تھی۔ ممکن ہ

تو "مساوات" کا یہ نمبر اُن کے ملاحظہ کے لیے ضرور بھیج دیجیے۔ وہ آپ کے مخلصانہ خیالات سے خوش ہونگے۔ "اتنی" کی اتنی تعریف کوئی دوسرا نہیں کرسکتا اور کرے کیونکر؟ جب سخن فہمی کا آپ کی طرح اتنا سلیقہ بھی ہو۔

مہدی کو حُسن کے فلاسفر کے ساتھ عشق کا صورت گر بنانا بھی آپ ہی کا کام تھا۔ مرحبا۔ میں چاہتا تھا کہ ریویو اُن کی نظر سے بھی گزر جائے۔ کیا ایک پرچہ مساوات کا آپ انہیں بھجوا سکتے ہیں؟ آخر میں مجھ ناچیز و گمنام خلائق کی نسبت جو وقیع اور حوصلہ افزا الفاظ اس بنامی اور دریادلی سے آپنے ارقام فرمائے ہیں میں اُن کی نسبت نہیں سمجھتا کہ شکر گزاری کن الفاظ میں ادا کروں۔ نادم ہوں کہ آپ نے میری محقر ہستی سے زیادہ شاندار الفاظ تحریر فرمائے۔

"برق تجلی کی کرن" کی نسبت آپ نے ایک حرف نہ لکھا۔ یہ بدترین حق تلفی تھی جو آپ ہی کرسکتے تھے۔ افسوس ہوا۔ اور پبلک میں اچھی طرح مطعون اور بدنام کیا۔ خدا سمجھے۔ کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ دوران سر کے ذمہ دار کو خدا سلامت رکھے۔

نقاد کا تفصیلی جواب اس سے قبل دے چکا ہوں۔ ریویو دیکھ کر جی نہ مانا۔ میرا خلوص اضطرار دیکھئے فوراً یہ کارڈ لکھتا ہوں خدا کرے مقبول ہو۔

آپ کا دلگیر

دفتر نقاد آگرہ ۷ر فروری ۱۹۱۴ء

بھائی صفدر بڑا ستاتے ہو۔ جواب خط میں اتنی دیر۔ آج نہ مرا تو کل مرجاؤں گا۔

اس وقت "مساوات" میں آپ کی نظم پر اڈیٹر کا نوٹ دیکھ کر نہایت جی خوش ہوا۔ خدا آپ کی شہرت اور زیادہ کرے۔ آپ کی غزل مارچ نمبر میں ضرور شایع ہوگی۔ شرمندہ ہوں کہ عدم گنجائش کی وجہ سے اس وقت تک اُس کی اشاعت کا موقع نہ ملا جواب جلد دیجیے۔

آپ کا دلگیر

لف یہ میری ایک نظم دسمبر ۱۹۱۳ء کے نقاد میں شائع ہوئی تھی۔ مؤلف

لسان الملک حضرت ریاض کا خط

مؤلف کے نام

خیرآباد ۲۱ر اکتوبر ۱۹۱۴ء

مکرمی۔ پہلا مطلع خوب ہے۔ دوسرے میں تیغ اچھی نہیں تیغ کا وار دل اور جگر کے لئے مخصوص علیحدہ علیحدہ اچھا نہیں۔ پانچواں شعر بہت بلند ہے۔

میں کئی روز سے بخار میں مبتلا ہوں۔ اس لیے جواب جلد نہ بھیج سکا۔ یاس ملیں تو شکریہ ادا کر دیجئے گا۔ دیوان پہونچ گیا۔ میں نے زیادہ حصہ دیکھا بھی۔ پیارے شاکر سے شرمندہ ہوں۔ خط کو جو عرصہ گزرا جواب نہ دے سکا ہو اتو آپ کا خط آیا۔ نہ جواب خط کی طرف توجہ ہوئی نہ علالت نے مہلت دی۔

حساب میں نے دیکھ لیا۔ مجھے خیال ہے۔ اگر سیتاپور آئیں تو دل کا پتا ہے۔ گُرکل گنج۔ گھاس منڈی مکان خالی ہے۔ جب تک چاہئیں آرام کریں۔ میں بھی طبیعت سنبھلے پر چلا آؤں گا۔ آپ ہر مشاعرے میں سر سبز ہو گئے۔ لکھنؤ کی شاعری کے لیے جلال آخر شخص تھے۔ والتسلیم۔ سلطان احمد صاحب کو سلام شوق۔ لکھنؤی محوی صاحب سے ملنے کی تمنا رہی۔ سلام کے بعد مزاج پرسی کیجئے۔ انشاء اللہ جلد ملوں گا۔

ریاض۔ خیرآبادی

جناب وجاہت جھنجھانوی کے نام

خیرآباد ۲۹ر مئی ۱۹۱۴ء

پیارے وجاہت امید کے خلاف آپ مجھے بھول گئے۔ بھول کر یاد کرنا بھی گناہ سمجھے۔ میں جانتا تھا کہ داغ کی محبت کا آپ لوگ خیال رکھیں گے۔ میں نے بارہا قصد کیا کہ آپ کو خط لکھوں مگر ہر بار یہی خیال آیا کہ اس کی ضرورت کیا ہے کہ ریاض مرحوم کو آپ زندہ سمجھیں۔

دو تین روز ہوئے میں نے "زمیندار" میں ایک نوٹس دیکھا کہ بزمِ سخن میں وجاہت

شریک ہوں گے - قافیہ اور ردیف "پیچ کر فریاد" غالباً مشاعرہ کی تاریخ ۲۵ رمئی ہے اور میں ۲۹ر کو خط لکھ رہا ہوں محض آپ کا نام دیکھ کر میں نے چند شعر موزوں کیے اور چاہا کہ اپنے قدیم قدردان کو بھیجوں - ہرچند کوئی شعر اچھا نہیں نکلا - وہاں اگر آپکو کوئی شعر پسند آئے تو میری خوشی کا یہی سبب ہوگا - آپ نے غزل دیکھ لی - گویا تمام سخنوران لاہور دیکھ چکے - جی چاہے تو مارہرہ والے عزیز مہربان کو بھی بھیج دیجیئے گا - وہ بھی کبھی خبر نہ ہوئے کہ واقعی ریاض مر گیا یا زندہ ہے -

ریاض (زمیندار)

حضرت اخگر ابیچ گڈھی کے نام

قدر افزائے ریاض - اللہ آپ کو تا زمانہ دراز باصحت و اقبال رکھے - آپ کا محبت نامہ دربار دہلی کے زمانے میں ملا تھا - میں نے جواب بھیجا اور دوسرے روز در دولت پر آیا - مگر آپ جا چکے تھے - کیا عرض کروں - اس مفارقت کا کیا اثر ہوا - میرے لیے آپ دہلی میں نعمت غیر مترقبہ تھے - مدتوں کی آرزو بر آئی تھی مگر سب خوشی مبدل بہ افسوس ہو گئی دہلی کا تمام وقت آپ کی عدم موجودگی سے نہایت بے لطفی کے ساتھ گزرا - دہلی سے واپس آکر میں اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہوا -

مسلسل طور سے میں نے "صلائے عام" کے پرچے نہیں دیکھے - نہ خود صلائے عام میں کچھ لکھ سکا آپ نے صلائے عام میں میری نسبت جس رائے کا اظہار فرمایا ہے - میرے لیے فخر کی بات ہے - یہ اس وجہ سے نہیں کہ ایک رئیس میری نسبت یہ خیال رکھتا ہے - بلکہ یہ خیال ایک نہایت لائق بامذاق سخنور و سخن سنج کا میری نسبت ہے - میں اپنی خوش قسمتی پر جس قدر ناز کروں کم ہے دو شعر تازہ غزل کے یاد آئے وہ لکھتا ہوں ؎

محشر میں دھر جائے نہ قاتل کہیں تو بھی ۔۔۔ پیوستہ ہم آئے ہیں خنجر بھی گلو بھی
پڑتی ہیں وہیں دیکھنے والوں کی نگاہیں ۔۔۔ اچھا نہیں مسکے ہوئے دامن کا رفو بھی

نظام احمد صاحب کے نام آپ کے خطوط دیکھے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کبھی لکھنؤ یا خیرآباد آئیں یا ہم لوگ آپ کے در دولت پر حاضر ہوں -

دیرینہ نیاز مند ریاض احمد از لکھنؤ ۲۷ر جنوری ۱۹۱۳ء

حضرت دلگیر اکبرآبادی ایڈیٹر "نقاد" کے نام

پیارے دلگیر کل میں لکھنؤ آیا تو آپ کے دو کارڈ ملے۔ میں جب آگرے گیا تھا۔ خوش تھا کہ آپ سے ملوں گا۔ میں اس وقت بھی مردہ تھا جب آپ مجھ سے ملے تھے۔ اب تو بوسیدہ ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ البتہ اس اعتبار سے بہت اچھا ہوں۔ ع

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

ہم رہے باغ و بوستاں نہ رہا ۔ اب کہاں جائیں آشیاں نہ رہا
اب جفائے فلک جفا نہ رہی ۔ آسماں اب وہ آسماں نہ رہا
عمر تیری سوا ہو حسرتِ مرگ ۔ شکوۂ عمر جاوداں نہ رہا

آپ مجھ کو اپنی دلی محبت سے آفتاب سخن بنا کر نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ میں وہ داغ دل ہوں جو کبھی نمایاں ہو نہیں سکتا۔ دعا کیجئے تو قبر سے اپنا یہ مصرع پڑھتا نکلوں۔ ع

ہم گنہگار بھی اللہ کے پیارے نکلے

بہ تعمیل ارشاد ایک غزل بھیجتا ہوں جو داغ کی مشہور زمین ہے۔ اب تک اُسے میں نے چھپائے رکھا تھا۔ اب وہ "نقاد" کے لیے ہے۔ خدا کرے آپ کو اور ناظرین "نقاد" کو پسند آئے۔

ریاض

(نقاد)

جناب خواجہ قمرالدین صاحب راقم دہلوی

نبیرہ غالب مرحوم کے خط

حضرت انجم نیشاپوری کے نام

جے پور ۲۳ ستمبر ۱۹۰۴ء

مخدوم و مکرم جناب نواب صاحب۔ تحفۂ سلام و نیاز قبول ہو۔ والانامہ مرقومہ ۱۸ ستمبر کل ۲۲ ستمبر کو پانچ بجے چٹھی رساں نے مجھے دیا۔ رہین منت کیا۔ آپ کی عنایت کا مدل ممنون

ہوں۔ آپ نے فقیر سے جو شے طلب فرمائی ہے اور جو دریافت کیا ہے اُس کا جواب بہ اختصار گزارش ہے۔ اول یہ کہ آپ کی دعا اور فضل خدا سے نیازمند اچھا ہے۔ آپ نے تصویریں طلب کی ہیں۔ چنانچہ مومن کی تصویر موجود ہے بھیجتا ہوں۔ یہ تصویر عہد شباب کی ہے اور میرے والد نے بنائی تھی۔ ہنوز نا تیار ہے۔ رنگ میں کسی قدر فرق ہے۔ مومن خان کا رنگ گندم گون تھا باقی وضع قطع۔ لباس۔ پوشاک۔ مرتے دم تک یہی رہا۔

دوسری شبیہ غالب بھی حیدرآباد سے نہیں آئی۔ مکرر تقاضا کیا ہے جس وقت آئے گی وہ بھی حاضر ہوگی۔ ان تینوں تصویروں کی آپ کاپیاں تیار کرویں۔ تین تین کاپیاں فقیر کو بھی مرحمت فرمائیں۔

آپ شعرائے دہلی کا حال پوچھتے ہیں سوائے نواب احمد سعید خان کے میں کسی سے واقف نہیں ہوں۔ اور یہ خوب جانتا ہوں کہ دہلی میں کوئی شاعر نامور نہیں رہا۔ دہلی پنجاب میں ملی۔ سفینۂ زبان غرق شد۔ منشی جویا محمد علی نامی ساکن مرادآباد۔ جے پور میں تھے۔ میرے دوست تھے۔ اُن کا انتقال ہو گیا۔ نیازمند کا تعلق مہاراجہ سکینہ ٹھی رام سنگھ کے عہد سے ہے۔ ساٹھ روپیہ ریاست سے فقیر کو بطور پنشن ملتے ہیں اور اسی قدر وظیفہ انگریزی سرکار سے۔ آسودگی سے بسراوقات کرتا ہوں۔

عقیدت گزیں خواجہ قمر الدین راقم دہلوی

مکرم مہر پرور جناب نواب والا خطاب زاد لطفہٗ۔ والا نامہ وصول ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ تصویر جو یا بھی میں نے دیکھی۔ یہ تصویر مغفور کی نہیں معلوم ہوتی اور اگر ہو گی تو عہد شباب میں شاید اُن کی صورت ایسی ہو مجھ سے انکی ملاقات جے پور میں ہوئی تھی۔ تخمیناً ۱۰ برس ہوئے کہ انکا انتقال مرض وبائی میں ہو گیا۔ آدمی خوش طبع۔ ظریف مزاج سخنگو تھے تاریخ گوئی میں اچھی مہارت تھی۔ مگر شاعری میں ایسی نہیں جو نامور کہا جائے۔ عمر مغفور نے ۵۲ برس کی پائی۔ ولدیت معلوم نہیں کس کے بیٹے تھے۔

مومن خاں کی عمر تخمیناً ۵۵ برس کی ہوگی جب انتقال ہوا۔ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے مرے ہیں۔ مومن خان حکیم اور رمال بھی تھے۔ اور سرکار شاہی سے کسی قدر وظیفہ بھی پاتے تھے اس کے علاوہ وہ صاحب جائداد تھے۔ دہلی کے نامور شعرا میں شمار تھا۔

اب فقیر کا حال سُنیئے۔ اول یہ کہ غالب مغفور کی عمر وقت انتقال کچھ کم نوّے برس کی

چنانچہ اُن کی تصویر سے جو نیاز مند نے اُن کی آخر عمر میں کھچوائی تھی بخوبی ثابت ہو جائے گا۔

اُن کی وفات کی تاریخ   آہ غالبؔ مُرد
۱۲۸۵ھ

فقیر کی عمر ۷۰ برس سے زیادہ ہوگی۔ اطفال میرے حیدرآباد میں ہیں۔ ایک فرزند اور دو دختریں عنایت الٰہی سے وہ بھی خوش حال ہیں۔ بندہ زادہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا محکمہ کورٹ علاقہ آصفی میں فی الحال ملازم ہے۔ تصویر غالب انشاء اللہ ضرور بھیجوں گا۔ ہنوز میرے پاس نہیں آئی۔ تصویر جو بیا واپس ملفوف خط ہے۔ فقط والسلام۔

راقم بندہ خواجہ قمر الدین

مولوی محمد صدیق خاں صاحب رعد جونپوری کا خط

مؤلف کے نام

حیدرآباد دکن   ۱۰ فروری ۱۹۱۴ء

برادر معظم   سلام مسنون۔ کوئی دو ڈیڑھ مہینے کے بعد آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط دیکھنے میں آیا ؎

اِس انتظار میں دل پر بڑا عذاب رہا
بلا کا درد قیامت کا اضطراب رہا

آپ نے جن دلکش اور محبت بھرے الفاظ میں مجھے اپنا شیدائی لکھا ہے دل سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور برجستہ یہ شعر لکھتا ہوں ؎

کس نے لکھے ہیں محبت بھرے الفاظ اے رعدؔ
دامنِ خط سے مسرت کی ہوا آتی ہے

حضرت کے خیالات میں آپ کی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہوسکتی ہے۔ جب کر آتا ہے محبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ مولوی صدیق احمد صاحب فرشتہ خصلت آدمی ہیں۔ وہ کبھی آپ کو فراموش نہیں کرنے کے۔ ہر شخص کو میری وجہ سے اطمینان ہے کہ یہ خط لکھتے وقت یہاں کے حالات لکھتے ہونگے۔ نظم آپ کی نہایت اچھی ہے۔ ابھی اصلاح ہو کے ملی ہے بھیجتا ہوں۔   رعد

مسٹر سیّد زاہد حسین نقوی کا خط

مؤلف کے نام

الہ آباد ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۱ء

بندہ نواز آپ نے تو عنایات اور مہربانیوں کے پُل باندھ دیئے۔ ع

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

کے اعتبار سے شکریہ بھی اُسی قدر ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن نظم سے مَس نہیں۔ نثر کا سلیقہ نہیں جس کے ذریعہ سے اپنے اس خیال کا اظہار کروں۔ لہذا میری مجبوریوں پر نظر کر کے صرف اس تہِ دل سے شکریہ کو قبول فرمایئے اور اسی طرح اپنے بحر مضامین کی دلاویز لہروں کے پُرلطف سماں سے جو طبع رواں کا ادنےٰ کرشمہ ہے کسی نیازمند کی مشتاق آنکھوں کو سیراب فرماتے رہیئے۔

کیوں حضرت انصاف کے خون ہونے کا اب آپ کو خیال پیدا ہوا ہے جبکہ۔ ع۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

کاش کسی زہرہ جبین کی بزم میں بیٹھ کر اور دولت خانہ خاص پر کسی کے بے پردہ جلوہ فروزی کے وقت آپ نے جھوٹوں بھی یاد کیا ہوتا اور منصفی کا لحاظ رکھا ہوتا تو ایک بات بھی۔ مگر وہاں تو یہ معاملہ ہوگا۔ ع۔

با سایہ ترا نمی پسندم

اشعار مرسلہ میں بعض بعض میں تو قیامت خیز اثر ہے۔ بندش مضامین۔ صفائی۔ طرز بیان۔ ادا بندی۔ شوخی۔ بیباکی۔ ان سب نے مل کر تو ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔ کیوں نہ ہو۔ ماشاءاللہ طبیعت ہی مزیدار پائی ہے۔ پھر اُس پر طرہ یہ کہ چوٹ کھایا ہوا۔ دل۔ برمایا ہوا جگر۔ ہر شعر جذبات میں ڈوبا ہوا پھر کیوں نہ نکلے۔ زیادہ تعریف سے گو وہ سچی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ نہ سمجھیے کہ آئندہ کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلے کو برابر قائم رکھیئے۔

عشرہ محرم میں آپ کے چچا جان یعنی منشی کریم الدین صاحب یکدن کیلیے آگئے تھے لطف آ گیا۔ ع

پھر وہی کنج قفس پھر وہی صیاد کا گھر

کئی احباب سے بعض وقت دم اُلجھتا ہے۔ گردش اختری نے محلہ سُونا کر دیا۔ آپ سے غمگسار بھی جُدا ہو گئے۔ والتسلیم۔

مولانا سجاد حیدر صاحب بی۔ اے۔ یلدرم کا خط

حضرت دلگیر کے نام

.... میرے پاس نومبر کا "نقاد" نہیں پہونچا۔ نہ معلوم آپ نے اس میں کیا تحریر فرمایا ہے؟ صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ میں مرا ہوا تو ہوں ہی مگر اس موت کے تشہیر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ خواہ مخواہ عزیزوں اور احباب میں کھلبلی پڑ گئی۔ میرے پاس اور خطوط بھی ایسے آئے ہیں۔ ازراہ کرم "نقاد" کا وہ نمبر جس میں مارڈالا گیا ہوں۔ میرے دیکھنے کے لیے بھیج دیجئے۔ میں بھی تو دیکھوں کہ پس مردن میری گلِ کے ساغر بنائے گئے ہیں یا خاکِ رہ گزر۔

(نقاد) سجاد حیدر

مولوی محمد سعید صاحب انسپکٹر پولیس ضلع مراد آباد کا خط

مؤلف کے نام

مراد آباد ۹ اگست ۱۹۱۴ء

سخندان وسخنور حضرت صفدر میں نے خط میں دیر کی۔ آپ خفا ہو گئے۔ یہ کیوں؟ آپ میری عادت سے واقف ہیں۔ غیروں کو جلد سے جلد جواب دیتا ہوں۔ عزیزوں اور دوستوں پر مجھے گمان ہی نہیں ہوتا کہ مجھ سے ناخوش ہو جائیں گے۔

۳ مئی سے پیر میں چکر ہے۔ ایک دن بھی ہیڈ کوارٹر میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔ دن رات سرکاری کام میں مشغول ہوں۔ آج صبح کو اس زور سے پانی برسا کہ گھر سے باہر قدم نہ نکلا۔ یہ خط لکھ رہا ہوں "مساوات" وہ ایک ہفتہ آیا پھر بند ہو گیا۔ کیوں آیا کیوں بند ہوا؟

تاریخیں آپ نے لاجواب لکھی ہیں۔ ماشاءاللہ۔ اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ۔ غزل میں نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ پڑھی۔ کیا کیا شعر کہے ہیں۔ خط آپ کا میں نے رکھ لیا ہے طبیعت گھبراتی ہے تو پڑھ لیتا ہوں۔ مرزا پور چھوڑنے کا غم نہیں ہے۔ آپ بھی وہاں نہیں ہیں جن سے

دن دن بھر مزے مزے کی باتیں ہوتی تھیں اور لطفِ سخن کا نشہ رہتا تھا۔ خیر بھائی جہاں رہیئے سلامت رہیئے؟۔

آپ کا سعید

منشی سلطان احمد صاحب لکھنوی کا خط

مؤلف کے نام

بنارس۔ عدالت ججی ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۳ء

حضرت سخنور صفدر۔ آپ کا نوازشی کارڈ ملا۔ بے حد خوشی ہوئی۔ بارش کا حال آپ کیا پوچھتے ہیں۔ ایشیائی معشوقوں کی کمر ہو گئی۔

بھائی قحط نے تو وہ نادر شاہی مچا دی کہ توبہ ہی بھلی۔ بڑانے میاں بی بی زمین آسمان تک لڑ گئے۔ زمین کی صورت تو دیکھی نہیں جاتی۔ اس کا حال تو معلوم ہے ننگی بھوکی پھرتی ہے نہ سر پر آب رواں کی چادر ہے۔ نہ جڑاؤ پتے۔ نہ سبزہ۔ نہ بالیاں۔ خدا ہی آبرو رکھے۔ "آسمان" خدا وہاں نہ لے جائے کچا چٹھا یہاں سے معلوم نہیں ہو سکتا۔

اب اتوار کا حال کیا پوچھتے ہو ؎

اب نہ وہ دن ہیں اور نہ وہ راتیں
رہ گئیں یادگار وہ باتیں

ابھی بہت جی گھبراتا ہے۔ مکان اب تک نہیں ملا۔ بہت خراب مکان ملا ہے جس میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ جونپور کہاں جا رگے ہیں چلے آؤ۔ آدمی کچا پکا کھانا پکانے والا مل گیا ہے۔ یہی شکر ہے۔ بڑی تعطیل قریب ہے۔ مگر یہ شک ہے کہ مجھے جانے کی اجازت ملے شکر کرتا ہوں اور یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

دام سے چھوٹے تو قفس میں رہے
جب رہے صیاد کے بس میں رہے

شطرنجی یا بساطی یہاں بہت ہیں مگر وہ بات کہاں۔ بھائی خدا کے واسطے لکھو۔ ہمارے خواجے کہاں ہیں۔ کوئی خط نہیں آیا۔ میرے خط کا جواب نہیں آیا نہ منی آرڈر کی رسید

نہیں آئی - اگر ملیں تو بہت ہی شکایت سے سلام - باقی کا ایک کارڈ لاجواب آیا تھا جواب کیا ہو سکتا - قلم کے پیر میں برساتی ہو گئی ہے - لکھا نہیں جاتا - کفایت - محبت حسین - اصغر صاحب کو سلام - باقی کا سلام باقی رہنے دیجئے - ممنون احسان سلطان

سحر البیان حضرت شوق قدوائی مصنف ترانۂ شوق وغیرہ کے خط

مؤلف کے نام

رام پور اسٹیٹ ۱۹ر جنوری ۱۹۱۳ء

کرم فرمائے بندہ حضرت صفدر صاحب - سلام شوق - آپ نے خط میں دہلی اور لکھنؤ کے اختلاف زبان کی نسبت ایک فقرہ لکھا ہے - میرا مسلک اس بارے میں صلح کل کا ہے - دونوں شہروں میں کچھ الفاظ ایسے ضرور ہیں جن کے تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے - اور کچھ محاورے ایسے بھی ہیں جو ایک جگہ بولے جاتے ہیں - اور دوسری جگہ نہیں بولے جاتے - بعض ناواقفوں نے جانبین سے معاندانہ بحثوں کو چھیڑ کے باہمی کشمکش پیدا کر دی - ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک مقام کے مقلد نے دوسرے مقام کی غلط زبان لکھ کے اُس پر جرح کر دی - یہ سب باتیں فضول جھگڑے کی ہیں - وہ خاص الفاظ جو مقامی ہیں - انھیں ہر شہر کے مقلد کو اُسی طرح کہنا چاہیئے جس طرح وہاں بولتے ہوں - اُس کے خلاف کہنے سے بڑا ضغطہ پڑ جائے گا - مثلاً ایک شخص دہلی کی تقلید میں غور کو مؤنث اور فکر کو مذکر کہے اور پھر وہی شخص لکھنؤ کی تقلید میں غور کو مذکر اور فکر کو مونث کہہ جائے - تو ایک ہی شخص کے کلام میں دو صورتیں پیدا ہوں گی اور اُس کا کلام اُس کے شہر کی بول چال کے واسطے قابل سند نہ رہے گا - ایسے الفاظ کے سوا لطیف محاوروں اور مثلوں میں ضد کرنا اُردو کو بے جا کشمکش میں ڈالنا ہے - نہ تو دہلی کوئی گنواروں کا شہر ہے نہ لکھنؤ - دونوں شہر اُردو کے سرتاج ہیں -

آپ دیکھیئے کہ اُردو ان دونوں شہروں کی زنجیروں سے اپنے پاؤں نکال رہی ہے -

ابھی تقلید سے نہ چھوٹے مگر کبھی ضرور چھوٹے گی پیش بینی تو اس بات کی متقضی تھی کہ دونوں شہروں کے فصحا باہم اتفاق قائم کر کے زبان کو سنبھالنے پر تیار ہوں تاکہ اہل ملک کشاکش میں پڑ کے کوئی اور راستہ ڈھونڈھیں۔ لیکن ناعاقبت اندیشی سے جنگ کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ افسوس!۔

آپ دیکھئے کہ لکھنؤ میں عربی لفظ کے واحد مونث کی جمع کو تذکیر کے ساتھ اب بھی لوگ بولتے اور کہتے ہیں۔ صرف پچھلے لوگوں میں ایک شیخ فضل احمد کیف لکھنوی نے جمع کو بھی ایک جگہ مونث کہا ہے چونکہ زبان جمع کی تانیث سے صرف و نحو میں سیدھی ہوئی جاتی ہے اور سوا لکھنؤ کے اکثر حصوں نے تانیث ہی کو اختیار کر لیا ہے۔ لہذا میں نے بے تامل تانیث کو اختیار کر لیا۔ یہاں تک کہ بعض نظموں کے قافیوں میں تانیث کھول بھی دی تاکہ شک نہ رہجائے

احمد علی۔ شوق۔ قدوائی۔

رام پور سٹیٹ   ۴ رفروری ۱۹۱۳ء

سلام شوق۔ آپ نے مجھ سے "بھانا" کے لفظ کو پوچھا ہے۔ میں نے حضرت امیر مرحوم کے اُس خط کو دیکھا ہے جس میں اس لفظ کو وہ متروک تحریر فرما گئے ہیں میرے خیال میں اُن سے سہو ہوا وہ خود اپنے کلام میں اس لفظ کا استعمال کر چکے ہیں۔ اس کے معنی ہیں "پسند آنا" یہ لفظ اب بھی استعمال میں ہے اور اس کے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اُردو کی ترقی صحیح الفاظ کے ترک کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ یہی نقصان اُردو کو کیا کم پہونچا ہے کہ بعض ایسے الفاظ استعمال سے چھوٹ گئے۔ جن کی کمی سے دشواریاں پڑ گئیں۔ مثلاً "سلو" سے حضرت ناسخ نے فرمایا ہے آج لوگ نہیں کہتے۔ حالانکہ جو مفہوم "سو" کا ہے وہ اُردو میں کسی دوسرے لفظ سے پورا نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو اسے ایک آدھ نثر میں لکھا بھی ہے اچھا اور بہت ضروری لفظ ہے۔ اسے پھر لینا چاہیئے

یہ زمین جس میں آپ کی غزل ہے بہت شگفتہ ہے مگر آپ کی غزل ذرا ہلکی ہے۔ غزل ہی سے آپ کا انتشار ظاہر ہے کہ آپ نے اپنی جودت طبع کے خلاف یہ غزل سست کہی اور غالباً یہ انتشار طبع کے سبب سے ہے۔

اگرچہ خط کتابت نہیں رہی لیکن میرے بڑے دوست۔ دلی دوست خان بہادر مولوی حاجی محمد عبدالرشید خاں صاحب (سکرٹری میونسپل بورڈ) مرزا پور میں ہیں

اگر ملاقات ہو تو میری خیریت اور میرا سلام اُن سے کہئیے گا۔
احمد علی ۔ شوق ۔ قدوائی ۔

رام پور اسٹیٹ ۵ رمئی ۱۹۱۳ء

حبیب و کرم فرمائے بندہ حضرت صفدر زاد عنایتکم ۔ سلام شوق ۔ آپ کا خط ابھی ابھی مجھے ملا آپ نے اپنی بیوی کی علالت تو لکھی مگر ایک فقرہ بھی ایسا نہ لکھا جس سے معلوم ہو کہ اب کامل صحت ہو گئی البتہ خط کے پرواز سے میں صحت سمجھ گیا ۔ خدا کرے اب ہر طرح اطمینان ہو ۔

دیوان کی ترتیب کو بہت زمانہ درکار ہے ۔ ابھی تو الف ہی کی ردیف کو میں مرتب کر رہا ہوں چند مطلع صرف یاد پر میں نے آپ کو لکھ دیئے تھے وہ بھی مشلوں ہی کے ۔ کہاں تک میں لکھتا ۔ دیوان کی تیاری پر (خدا مرتب کرا دے) میں آپ کی تاریخ ضرور لوں گا ۔ ابھی جلدی کی ضرورت نہیں ہے ۔

مولوی تحوی نے جو دیوان مرتب کیا تھا اُسے اُنھوں نے میرے پاس بھیج دیا ہے ۔ اب رنگ کو اس قدر میں نے بدلا ہے اور زمانے کے مذاق پر اتنا کھینچ دیا ہے کہ پچھلی غزلوں کے اشعار بہت کم بلکہ شاذ میرے مذاق کے پلے پر تلتے ہیں ۔ حضرت میر علیہ الرحمۃ کے مذاق کو میں بیچارہ کیا پاؤں گا ناسخ ۔ غالب ۔ ذوق یہ سب اسی حسرت میں رہے ۔ میں اپنی دانست میں شعر کو دلچسپ بنانے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں تاکہ تغزل کا مذاق جذبات سے بھرا ہوا ہو ۔

قصبۂ سندیلہ کا مشاعرہ ہندوستان میں بہت نامی ہوتا ہے ۔ لکھنؤ کے نامور شعرا ابھی بہت آتے ہیں ۔ صاحب مشاعرہ ، ہاشمی ، تعلقہ دار اور رئیس ہیں ۔ اب کی یہ طرح آئی ہے ۔

روشن چراغ کعبہ سے بت خانہ ہو گیا ۔ بتخانہ ۔ افسانہ ۔ دیوانہ ۔ قافیہ ۔ ہو گیا ردیف ۔

"افسانہ" مشروط قافیہ ہے ضرور کہا جائے ۔ میں نے تو کبھی نہ اُس مشاعرے کی شرکت کی نہ اُس کی غزل کہی ۔ حضرت آبر البتہ جا کے شریک ہوتے رہے ۔ اب کی معلوم نہیں جائیں یا نہیں انھیں مہلت مطلق نہیں ہے ۔ اس طرح میں آپ بھی کہئے ۔ کچھ شگفتہ طرح تو ہے نہیں ہاں مشاعرے میں لوگ بہت زور لگاتے ہیں ۔ مجمع ہوتا ہے ۔ پندرہ شعروں سے زیادہ نہیں پڑھے جاتے اگر فرصت ہو تو کہئیے ۔ احمد علی ۔ شوق ۔ قدوائی

نوٹ ۔ افسانہ کے قافیہ میں ایک شعر اپنا ہدیہ ناظرین کرتا ہوں ؎

کرتا ہوں ایک ایک سے اُس انجمن کا ذکر آنکھوں سے جس کو دیکھا تھا افسانہ ہو گیا ۔ مؤلف

حضرت محوی لکھنوی کے نام

رام پور اسٹیٹ   ۶ ؍ فروری ۱۹۱۳ء

عزیزی مولوی محوی صاحب سلمہٗ - میں کل ایک خط اور دوسرا کارڈ بھیج چکا ہوں - خط میں جو الفاظ زیر بحث لانے کو میں نے "معیار" کے لیے بھیجے ہیں - اُن کی نسبت لکھا ہے - اگر تمہارا پرچہ جلد نکلنے کو ہو تو "معیار" کو نہ دو - روک لو - کچھ اُن کے چھپنے کی جلدی تو ہے نہیں جب چاہیں نکلیں -

جب تمہارا پرچہ نکل جائے گا - تب مجھے کسی اور پرچہ کی جانب خیال بھی نہ ہوگا - اب تو میں "نیرنگ جال" کا چوتھا رخ بھی روک کے رہوں گا - تمہارے ہی پرچہ میں نکلے گا -

اُستاد (اسیر) مرحوم منتشر کو بفتح شین فرما گئے ہیں - ایک تاریخ کے قافیے میں - خدا جانے کہاں سے فرما گئے - باب انفعال کے مصادر لازمی کا صیغہ مفعول نظم میں کہیں نہیں ملتا - انوری خاقانی - قاآنی اور بہت سے اساتذہ کے قصیدے اس قافیے کے میں نے چھان ڈالے سوا شین مکسور کے شین مفتوح کسی نے نہیں کہا ہے -

گلستاں (شیخ سعدی کی کتاب) صرف عام میں لام مکسور کے ساتھ ہے یعنی بر وزن مرستاں اُستاد مرحوم نے کتاب ہی کے نام کو گلستاں بہ سکون لام یعنی بروزن ھوشاں فرمایا ہے - اس کی سندیں فارسی اشعار سے بھی مل گئیں -

"صبح وصل" کو بعض نے صبح شب وصل کی جگہ کہا ہے - گویا ایسی صبح جس میں فراق ہونے کو ہے مگر قریب کے معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ معشوق کے ملنے کی صبح - بہر حال فراق کے لیے صرف صبح وصل نامناسب ترکیب ہے -

خلعت مذکر ہے - شیخ امان علی سحر کا شعر ہے ؎

خطاب ایک فوراً عنایت ہوا
پھر اگلی نظامت کا خلعت ہوا

احمد علی - شوق - قدائی

رام پور اسٹیٹ ۷ /مارچ ۱۹۱۳ء

عزیزی مولوی محوی سلمہٗ سلام شوق - معشوق کی آنکھ کو زہریلی شعرائے فارس نے بھی کہا ہے اور شعرائے ہند نے بھی -

سوزی ساوجی ایرانی :

زہر چشمے چوں بکارے دل نگاہِ خود کند
بر ندارد چشم از تا زہر کارِ خود کند

جلال لکھنوی کا (ایک مطلع اور ایک شعر لکھتا ہوں تاکہ قافیہ معلوم ہو) ؎

باغ میں تم پر پڑی کس کس کی آنکھ بلبل و گل کی نظر نرگس کی آنکھ
زہر کردے گی نگاہِ یار کو میرے حق میں گانٹھ نیکر بس کی آنکھ

میر مہدی حسن فراغ لکھنوی (یہ بڑے پائے کے کامل الفن شہزادہ منا جان کے اُستاد تھے) ؎

محو نظارہ ہے اے گل کیا فقط نرگس کی آنکھ چشم بد دُور آپ پر پڑتی نہیں کس کس کی آنکھ
جان دیتا ہے زمانہ یار پر باعث یہ ہے لب ہے میٹھا زہر ہیرا دانت ہے اور بس کی آنکھ

آنکھ تو آنکھ اُنھوں نے لب کو بھی میٹھا زہر کہا ہے -

منظور نظر کا محاورہ ہی پسند اور مرغوب کے معنی میں ہے -

جو لوگ نظر کو صرف نگاہ کے معنی میں جانتے ہیں وہ ناواقف ہیں - نظر کے لغوی معنی فکر و خیال کے بھی ہیں - مثلاً جلال کہتے ہیں ؎

دل نے جو کرم کی اک نظر کی
مالک ہوئی آنکھ خشک و تر کی

یہاں محاورے کے اعتبار سے توجہ اور مہربانی کے معنی ہیں -

دست نگر - عام طور پر محتاج اور کسی کے سامنے بااحتیاج ہونے کے محاورے پر ہے -

لفافے بدلئے - یہ کہاں کے سڑے ہوئے لفافے لیے ہیں کہ کوئی خط درست نہیں آتا ہے لفافہ راہ میں پھٹ جاتا ہے - اپنے والد کو سلام شوق اور سبھوں کو دعا -

احمد علی - شوق - قدوائی

رام پور ۷ /اپریل ۱۹۱۳ء

مجی حضرت محوی - سلام شوق - اساتذہ اُردو نے یوں کہا ہے - ع -

آنسو رہے نمایاں موتی سی آبرو میں

موتی سی آبرو صحیح اور مصرعہ بھی بامعنی ہے۔ کسی کم فہم کے نہ سمجھنے سے بامعنی مصرعہ بے معنی نہ ہو جائیگا صاف تو معنی نکلے ہوئے ہیں۔

سخت مشکل اُن نادانوں سے پڑتی ہیں جن کو زبان کی تحقیق نہیں ہے مگر وہ جانتے ہیں کہ محقق ہیں۔ بازاری زبان کا لکھ دینا اور سطحی باتوں پر واقفکار بن بیٹھنا آسان ہے مگر زبان کے عمق تک جانا کوئی آسان کام نہیں۔ نافہمی ہے .... نے یہ سمجھ لیا کہ نمایاں کے معنی ظاہر ہی کے ہیں۔ بس۔ مگر اس کے معنی کثیر کے بھی ہیں۔ یہ بھی لغوی ہیں۔ موتی سی آبرو کا مفہوم۔ ذرا سی آبرو اکم آبرو۔ اِس اشارے کے ساتھ کہ آبرو ذرا سی تھی مگر آنسو کثیر رہے۔ یہی بات ہے۔ جس سے جوش گریہ نے عاشق کی آبرو رکھ لی۔

تمہارا اول مصرعہ بدلنے کو جی چاہے تو خود بدل لو۔

جس طرح نظم ایک فن ہے اُسی طرح نثر بھی ایک فن ہے اور بہ نسبت نظم کے زیادہ مشکل اِس سبب سے ہے کہ نظم میں تعقیدات اور مقلوب ترکیبوں سے عیب چھپ بھی جاتا ہے نثر کا نقص نہیں چھپ سکتا۔

جدید تحقیقات کو میں کہاں تک لکھ سکتا ہوں۔ ہر روز کتب خانہ سرکاری میں کوئی نہ کوئی لفظ زیر بحث رہتا ہے میسر ہے اور تمام لغات اور کتابوں کا انبار ہے۔ کتب خانہ بھرا ہوا ہے جو دیکھنا چاہا دیکھا۔

منتشر کا لفظ میری تلاش میں بفتح شین نہیں ملا۔ عربی میں شاید اس کا مفعول نہیں آیا ہے منشی امیر احمد مرحوم کی تلاش میں بفتح یہ لفظ نہیں ملا تھا۔ مگر اُستاد آسیر مرحوم نے ایک تاریخ کے قافیے میں بفتح شین فرمایا ہے۔

حضرت ناسخ صرف نگ کو مضاف کہہ گئے ہیں مگر وضو کا کھا گئے۔ فارسی میں کہیں نگ نہیں ملا۔ غیاث نے نگیں کا مخفف لکھا ہے مگر غلط لکھا ہے کوئی سند بھی نہیں لکھی۔

دُلہن کو میری طرف سے دُعا کہہ دینا۔

احمد علی۔ شوق۔ قدوائی۔

رام پور سٹیٹ ۱۴ر فروری ۱۹۱۳ء

عزیزی حضرت محوی سلمٗہ سلام شوق۔ آپ کا خط ابھی مجھے پہونچا۔ میں بے حد متردد تھا۔ آخر مجھے اور حضرتِ آبر کو یہ گمان ہوا تھا کہ آپ بوجہ بیماری کے شہر سے شاید چلے گئے ہوں۔ آج میں سوچ رہا تھا کہ اب کس کو خط لکھ کے آپ کو پوچھوں۔

یارانِ سرِ پل کا محاورہ پنجاب میں کچھ کچھ مروج ہوگیا ہے۔ اس کی اصلیت میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ ایران میں ایک پُل ہے۔ جہاں عموماً احباب جمع ہوا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسا مقام کہیں ہو تو یہ محاورہ چسپاں ہوسکے ورنہ ٹھیک نہیں۔

"ادیب" میں حضرت نادر کی نظم "سیر دریا" چھپ گئی ہے۔ اول تو ایک قافیے میں ایطائے جلی ہے۔ دوسرے لہر اور سحر کا قافیہ کہا ہے۔

شعرائے متقدمین کا ایک مذہب یہ بھی تھا کہ وہ قریب المخرج حروف کا قافیہ فرما دیتے تھے۔ شیخ سعدی کے ہاں بھی ایسا قافیہ موجود ہے۔ نیز اور اساتذہ کے وہاں بھی معیار الاشعار میں محقق طوسی نے اس کی صراحت کی ہے مگر شعرائے متاخرین نے اس کو ترک کیا اور شعرائے اُردو نے تو اسے اختیار ہی نہیں کیا۔ شاذ کسی نے کہا بھی تو اُس پر حرف رکھا گیا۔

دوسرا شخص واقف نہیں ہوسکتا مگر آپ جانتے ہیں کہ بعض مشاہیر سے کیسی کیسی جدید لغزشیں ہوئیں۔ میں نے دیکھیں۔ وہ میرے دوست بھی تھے مگر میں نے اُنھیں بھی آگاہ نہ کیا کہ بکھیڑے میں کون پڑے۔

زبان کسی دوست کے خاطر سے یا فضول جھگڑے کے اندیشے سے نہ بولنے پر مجبور ہوسکتی ہے مگر دل نہ سمجھنے پر مجبور نہیں ہوسکتا۔ میں کسی کی لاطائل تاویل اور بے معنی بحث کو کیا خیال میں لاسکتا ہوں جتنا انبار میرے دل اور دماغ میں ہے وہ مجھ سے ناچیز فہم کو کافی ہے۔ اور اگر کبھی کافی نہ ہو تو ایک عظیم الشان کتب خانہ میری نگاہوں کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ جو ہر فن کی کتابوں اور ہر قسم کی تحقیق و تدقیق کے سامان سے بھرا پڑا ہے۔

احمد علی۔ شوق۔ قدوائی

رام پور سٹیٹ ۲۲ر اپریل ۱۹۱۳ء

عزیزی مولوی محوی سلمٗہ سلام شوق۔ خط پہونچا۔

خود میری زبان پر اور جہاں تک میرا خیال ہے وہاں تک ٹکسال مؤنث ہے مجھے اس کی تانیث میں کچھ شک نہیں ہے۔ مرحوم امیر مینائی نے بھی جس کا قافیہ "چال" اور ردیف "ہو گئی ہے" یہ شعر فرمایا ہے۔

ملتے نہیں جو سکۂ داغ جنوں ہمیں
اے عشق بند کیا تری ٹکسال ہو گئی

استغنا بھی میری زبان پر مونث ہے۔ امیر علیہ الرحمۃ نے بھی اس لفظ کو مونث ہی فرمایا ہے ع۔

استغنا کی چوگنی اُس نے جوں جوں میں ابرام کیا

بعض اصحاب کی زبان سے یہ لفظ تذکیر کے ساتھ بھی نکلتا ہوا سُنا ہے۔ مگر میں کہوں گا تو بلاشبہہ مونث ہی کہوں گا۔

"سر" کو قافیے میں اسیر لکھنوی اور جلال نے بکسر سین کہا ہے۔ میرے استاد مرحوم نے مجھے فرمایا تھا کہ بول چال میں چاہو بکسر سین بول جاؤ مگر قافیے میں سین کو مفتوح ہی کہنا۔ امیر مرحوم بھی میرے اُستاد ہی کے شاگرد تھے۔ اُنھوں نے کسرے کے ساتھ کہا ہے اور لوگ یوں بولنے بھی لگے تو کہنے میں کچھ ہرج نہیں ہے۔

شاید آپ کو میں نے لفظ "فضا" کی تحقیق لکھ دی تھی اگر اردو کے معنی لیے جائیں تو بہار کے ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں یہ لفظ نہ مضاف ہوگا نہ مضاف الیہ۔ فارسی میں اِس کے معنے خطاے ممتد اور وسیع خطے کے ہیں۔

اگر سروتے تمھاری دلہن مانگیں تو اب یا جب ضرورت ہو بھیج دوں گا۔

احمد علی۔ شوق۔ قدوائی۔

رام پور ۸ راگست ۱۹۱۳ء

عزیزی سلمہٗ۔ دعا و سلام شوق۔ کل ایک استفتا میرے پاس آیا تھا کہ۔ کا۔ کو۔ کی۔ سے وغیرہ کے معنی کیا ہیں۔ میں نے اُس کا جواب جو لکھا۔ چونکہ زبان سے متعلق ہے۔ اس لیے میں نے مناسب خیال کیا کہ آپ کو بھی لکھ دوں۔

اُردو زبان کی صرف میں کلمات کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں مستقبل اور غیر مستقبل مستقبل وہ ہیں جو بالذات معنی رکھتے ہیں۔ غیر مستقبل وہ ہیں جو بالذات معنے نہیں رکھتے صرف مستقبل کلمات سے مل کے مطلب ظاہر کرتے ہیں۔ غیر مستقبل کلمات کو حرف قرار دیا ہے نہ کہ کلمہ۔

کا۔ کو۔ کے۔ سے۔ وغیرہ یہ حروف ربط ہیں جو مستقبل کلمات میں ربط پیدا کرتے ہیں اور پھر وغیرہ حروف عطف ہیں۔ اے۔ او۔ وغیرہ حروف ندا ہیں۔

سے کے کا استعمال دو حالتوں کے ساتھ ہے (۱) بطور حروف ربط۔ مثلاً زید کے باز و بہت قوی ہیں (۲) بجائے "کر" کے مثلاً لکھنؤ پہونچ کے میں خط لکھوں گا۔ یعنی پہونچ کر۔ یہ حالت فعل تابع فعل کی ہے جو اُردو کے محاورے میں داخل ہے۔ بہرحال کلمات غیر مستقبل خود کچھ معنی نہیں رکھتے کلمات مستقبل کے ساتھ مطلب ادا کرتے ہیں۔

محمڈن یونیورسٹی پر نظم کہہ رہا ہوں۔ لوگوں نے مجبور کیا ہے موقع بھی ہے۔ قوم پر فرض قومی ہے شبلی اور حالی نیز اور بہت سے مسلمان کہہ رہے ہیں۔ تم بھی یونیورسٹی پر کوئی نظم کہہ کے حق قوم ادا کرو۔

شعر کو یوں درست کر دو۔ ع

آرام جان کا ہے تن کے لیے ہے راحت

یا یوں۔ ع۔

آرام جان کو ہے اور جسم کو ہے راحت

بہرحال اُردو کی ترکیب سے جان کے نون کو غنہ رکھنا کانوں کو ناگوار ہے۔ اگرچہ بڑے بڑے اساتذہ نے فرمایا ہے۔ غرض جایز ہے ناجایز نہ سمجھئے گا۔

ڈھانپنا اور ڈھاکنا دونوں فصیح ہیں۔ البتہ غم کے محل پر ڈھانپنا زیادہ فصیح ہے مثلاً عزیزیں مُنھ ڈھانپ کے روتی ہیں۔ احمد علی۔ شوق۔ قدوائی۔

رام پور ۶ر ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیزی مولوی محوی صاحب سلمہٗ دعا اور سلام شوق۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ نظر نے اعتراض کیا ہے کہ "سانس اُکھڑنا" محاورۂ زبان کا نہیں ہے اگرچہ بامعنی ہے مگر زبان دوسری چیز ہے۔ میں نے نظر کی تحریر نہیں دیکھی۔ خیر آپ کا دیکھنا کافی ہے۔ آپ دیکھئے مرزا دبیر صاحب مرحوم مرثئے کے جیسے مسلم الثبوت اُستاد ہیں ویسے ہی زبان کے بھی۔ اور پھر خاص لکھنؤ کے۔ ان کا مرثیہ ہے جس کا سر نامہ یہ ہے۔

جب رن میں اہل بیت کی بستی اُجڑ گئی

اس میں فرماتے ہیں ؎

زین العبا کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی
پیدل جو چند گام چلے سانس اکھڑ گئی

اب کوئی پوچھے کہ مرزا دبیر صاحب مرحوم زبان جانتے تھے یا لالہ لطف بہرحال لطف کو آگاہ کر دینا چاہیے۔ وہ غریب کالیتھ بھا کھا زرا موزون کرنے لگا تو زبان کا مدعی بھی ہو گیا۔ اب بھی لطف کی سانس اکھڑنے سے بچے تو غیرت!

آج مین نے پانچ بالکل نئی غزلیں "مشرق" کو اور بھیجی ہیں۔ دیکھنا ایک غزل کے اس شعر پر خود مین رو دیا۔ دو منٹ تک میرے آنسو بہے۔ خدا جانے کیسا اثر خود بخود میرے دل پر پڑا۔ شعر ذیل مین ہے اب بھی اس سے میرے قلب پر اثر پڑتا ہے ؎

رونے سے میرے کھل گیا ظالم پہ درد عشق
ہچکی جو آئی منھ سے کلیجا نکل پڑا

رونے کی ہچکی نے کلیجا ہی تو نکال لیا ہے۔ پانچون غزلیں عجیب رنگ کی ڈوبی ہوئی اور نئی نئی زمینوں مین ہین۔ مین اپنے دیوان کو مرتب کر رہا ہون نئی نئی غزلیں لطیف رنگ اور دلکش پیرائے کی جم رہی ہیں۔ پرانی غزلون کو تمام چھانٹے ڈالتا ہون مجھے اب اُن پرانی غزلون کی پروا بھی نہیں جو نہین ملی ہین۔ ملین چاہے نہ ملیں مین نے تغزل کا رنگ ہی بدل دیا ہے۔ اُس مین جذبات انسانی کو زیادہ لینا چاہتا ہون اگرچہ لطیف مضمون بھی نہ چھوٹے۔ تم مشرق مین نئی غزلون اور زمینوں کو دیکھ کے اندازہ کر سکو گے

احمد علی۔ شوق۔ قدوائی

رام پور ۲۲ مارچ ۱۹۱۳ء

.... سلام شوق۔ غیاث کیا ہے۔ بہار عجم۔ فرہنگ رشیدی۔ چراغ ہدایت۔ منتخب اور خدا جانے کون کون سے لغت الٹ ڈالے۔ خونابہ کہین نہین ملتا ہے۔ مگر بہار عجم مین خونابہ آشام صرف ایک نون سے لکھا ہے۔ یہ کوئی خاص لغت نہیں ہے۔ خون ناب دو الفاظ سے مرکب ہے ایک نون کو ضم کر دیا صرف ایک نون سے خونابہ رہ گیا۔ املا بہار عجم مین یون ہی ہے۔

ایک فرمایش پر پانچ پانچ شعرون کی دو غزلین مین نے کہی ہین نقلین بھیجتا ہون لکھ لو مخھین بھیج دینا۔ اس رنگ سے ملتے ہوئے اشعار منتخب کرنا۔

دیکھ نارین ترے دلگیر لئے بیٹھے ہین — دل پہ لے زلف گرہ گیر لئے بیٹھے ہین
صرف ماتھے پہ شکن ہے مگر اللہ رے رعب — مین یہ سمجھا کہ وہ شمشیر لئے بیٹھے ہین
کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ لکھین کیا اُن کو — کب سے کاغذ پہ تحریر لئے بیٹھے ہین
یہ غلط ہے کہ پری پر ہے ہمارا قبضہ — ہاتھ مین ہان تری تصویر لئے بیٹھے ہین

اور سب پر نگہ لطف ہے لیکن اے شوق
ایک میرے لئے وہ تیر لئے بیٹھے ہین

دیگر

روٹھا مین مگر اُس کی ادا بھا گئی مجھکو — منھ اُس نے چڑھایا تو ہنسی آگئی مجھکو
کس کس کو مین روؤن نہ بچا دل نہ بچی جان — آخر ترے آنکھون کی نظر کھا گئی مجھکو
کھویا ہوا بیٹھا ہون مگر دل مین کھٹک ہے — کس کی نگہ ہوش ربا پا گئی مجھکو
ٹک کرکے پتا لون مین ترے نقش قدم سے — افتاد تری چال یہ سکھلا گئی مجھکو

جھوٹھی ہی سہی ہان اُس کی یہ مانا مگر اے شوق
اتنا تو کیا اُس نے کہ بہلا گئی مجھکو

احمد علی۔ شوق۔ قدوائی

رام پور۔ ۴ ر فروری ۱۹۱۴ء

بندہ نواز سلام شوق۔ آپ کا خط ابھی مجھے ملا۔ مین نظمین کل بھیج چکا ہون۔ ابھی ابھی ایک صاحب کی نظم دیکھ رہا تھا۔ اُن سے دو لفظون مین دھوکا ہوا۔ مین نے مناسب خیال کیا کہ آپ کو بھی لکھ دون۔ اکثر الفاظ اُردو مین ایسے مروج ہین جو دراصل فارسی نہیں ہیں بلکہ فارسی ہونے کا شبہہ دیتے ہیں۔ اس نظم میں ایک لفظ "شکر رنجی" تھا۔ جس کی یاے معروف کو اضافت دے دی تھی۔ یہ لفظ اہل ہند کا ہے۔ فارسی میں اس کی جگہ "شکرآب" کہتے ہیں۔ اگر بغیر اضافت کے یا بغیر کسی فارسی ترکیب کے یہ محاورہ اُردو میں کہا جائے تو ہرج نہیں۔ مگر جب فارسی ترکیب سے کہا جائے گا۔ تب غلط قرار پائے گا۔

دوسرا لفظ "دوشنبہ" تھا۔ اس کی ہائے موحدہ کو مفتوح کہکے گرہ کے ساتھ قافیہ کیا تھ
حالانکہ دوشنبہ کے اوپر "روز" کا لفظ باضافت رائے معجمہ لایا گیا ہے۔ یہ ترکیب غلط ہوئی یک شنبہ

دوشنبہ - سہ شنبہ - غرض دنون کے نام جو شنبہ کے ساتھ ہین سب مین بائے موحدہ مکسور ہی حضرت نظامی ہفت پیکر مین فرماتے ہین - ؎

از دگر روز ہفتہ آں بہ بود
نام نیکش مگر سہ شنبہ بود

اس قسم کے بہت سے الفاظ ہین جو اُردو مین دوسرے معنی پر بولے جاتے ہین مگر فارسی ہونے کا دھوکا دیتے ہیں - مثلاً عادی یہ عام زبان پر عادت رکھنے والے کے معنی مین ہے - لیکن اِس معنی میں ہندی ہے جب اس معنی مین کہا جائے گا تب فارسی ترکیب اضافت کے ساتھ یا کسی دوسری طرح سے ناجائز ہوگی -

آپ کی ایک غزل "مزاج" کے قافیے کی میرے بکس میں تھی - اُسے دیکھ کے بھیجتا ہوں آپ کی نظمین اب اس قدر سنبھل چلی ہیں کہ شاعرانہ عیوب تو ہوتے ہی نہیں البتہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ شاعری کی سطح سے گزر کے نگاہ عمق کو دیکھے آپ اس بات کو خوب سمجھ لیجئے کہ ناواقفان فن کی واہ واہ اور سبحان اللہ کچھ نہیں ہے - واقف فن کی نگاہ سے جہاں کسی نظم میں سخن کا اصلی عیب گزرا اور نفرت ہوگئی -

رسالوں ہی کی جانب آپ کو اپنے مذاق سخن کا حصر کرنا مناسب نہیں ہے - آپکے اپنی ہر نظم کے کہنے پر یہ خیال کرنا چاہیئے کہ جب وہ سب مجموعہ کی صورت میں چھپیں گی تب اُن پر غائر نگاہیں پڑیں گی - آپ چونکہ خود ذی علم ہیں - جہلا کی تنقیص یا تعریف پر آپ کو کچھ خیال ہی نہ کرنا چاہیئے - جن کی نظریں صرف سطح تک رہ جاتی ہیں اور سطح کو بھی فہم صحیح کے ساتھ نہیں دیکھ سکتیں - اُن کا خیال ہی کیا وقیع ہو سکتا ہے سطحی شاعری بہت آسان ہے مگر وہ دراصل ڈھول کے اندر پول سے زیادہ نہیں ہو سکتی -

احمد علی - شوق - قدوائی -

حضرت نیر دہلوی کے نام

بھوپال اسٹیٹ ۲۵ مارچ ۱۹۱۲ء

کریم فرمائے بندہ - سلام شوق - آپ کا خط پہلے بھی آیا تھا اور پوسٹ کارڈ اب آیا ہے - میری حالت اچھی نہیں رہی - میں بیمار ہوا - اب تک ضعیف ہوں - میری پنشن ہوگئی

وطن میں سخت پلیگ ہے میری بیوی پلیگ کے احاطے میں گھری ہوئی ہیں - مگر نہیں ہٹتی ہیں - میں ضغطے میں ہوں - نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن -

اعزہ کی یہ شکل ہے کہ محاورۂ عرب میں زیادہ تر ہائے ہوزہی کے ساتھ ہے - اگرچہ الف کے ساتھ بھی صحیح ہے مگر رائج نہیں - عزیز ہے تو باب فعیل سے مگر اس کی جمع ہائے ہوز کے ساتھ افعلہ کے وزن پر آئی ہے - زے کی تکرار جمع میں ہوئی تھی یعنی اعززہ - ایک ساقط ہو گئی - یوں ہی لفظ حبیب بھی ہے - اس کی جمع بھی افعلہ کے وزن پر احببہ آئی تھی ایک بے ساقط ہو گئی - اب احبّہ ہے - احبا الف سے جو لوگ لکھتے ہیں بہتر نہیں - بہرحال "اعزّہ" ہے کے ساتھ صحیح ہے اور یہی محاورہ عرب میں ہے - جمع الف کے ساتھ بھی آسکتی ہے - مگر کوئی لایا نہیں -

احمد علی - شوق - قدوائی -

حضرت عزیز لکھنوی کے نام

رام پور سٹیٹ - موتی مسجد ۶ / اگست ۱۹۱۴ء

مکرمی حضرت عزیز صاحب سلام شوق - میرے ایک عزیز دوست نے یہ شعر مجھ تک پہونچایا ہے اور خط میں لکھا ہے کہ اس کے متعلق میں آپ کے ذریعے اُن کے پاس جواب بھیجوں، کس کا شعر ہے؟ یہ میں نہیں جانتا شعر یہ ہے ؎

دل سمجھتا تھا کہ خلوت میں وہ ہوں گے تنہا
میں نے پردہ جو اُٹھایا تو قیامت دیکھی

اس شعر کے معنی میری سمجھ میں دو صورتوں سے ٹھیک ہوتے ہیں -

(۱) میرا دل یہ سمجھتا تھا کہ وہ خالی مکان میں اکیلے ہوں گے (یعنی مجھے تنہا ملیں گے) مگر میں نے پردہ اُٹھایا تو بجائے اُن کے قیامت نظر آئی -

یہ نہایت عمدہ طریقے سے معشوق کی تعریف کی گئی ہے - گویا وہ مجسم حسن مجسم شوخی اور مجسم آفت کا پرکالہ ہے -

(۲) میرا دل اُنھیں خالی مکان میں سمجھ رہا تھا - مگر میں نے پردہ اُٹھایا تو قیامت نظر آئی - اس کا مفہوم معنوی یہ ہوگا کہ دوسری وہاں قیامت موجود تھی -

حُسن - کرشمے - شوخیاں - غرض تمام معشوقانہ ادائیں قیامت میں داخل ہیں -

چاہیں آپ یوں سمجھیں کہ معشوق قیامت کو ساتھ لئے ہوئے تھا۔ چاہیں یوں کہ قیامت معشوق کو لیے ہوے تھی۔

"قیامت" کے لفظ سے ذم کا پہلو نکالنا بالکل غلط ہے۔ آج تک ایسے لغو مفہوم سے نہ میرے کان آشنا ہیں نہ آنکھیں۔

قیامت کے اردو میں بھی اتنے ہی مستعمل ہیں جتنے فارسی میں یعنی!

(۱) حشر

(۲) نہایت۔ بے حد۔ مثلاً زید کا لڑکا قیامت کا فتنہ پرواز ہے۔

(۳) معشوق کا قد۔ اُس کی رفتار۔ اور علی ہذا۔

(۴) استعجاب کے محل پر۔ مثلاً زید نے جعلی مقدمہ جیت لیا۔ قیامت کی۔ اور علی ہذا

آپ کا خیر طلب نیازکیش

احمد علی شوق۔ قدوائی

حضرت شہیر مچھلی شہری کا خط

مؤلف کے نام

گو رسم و راہ خنجر قاتل نے قطع کی

پر تھوڑی سی لگاوٹ ابھی تک نظر کی ہے

میرے قدرداں و حبیب شاعر نامور و ماہر سخنور حضرت صفدر مرزاپوری شاد آباد رہیئے۔

برسوں کے بعد آپ کا۔ کارڈ مجھے کل شام کو ملا۔ یاد رکھیے کہ اس کے پڑھنے سے دبی آگ جوش محبت کی پھر بھڑک اٹھی اور آپ کی سلامتی کے مژدہ سے جو بذریعہ تحریر میری آنکھوں نے دل کو پہنچایا۔ خدائے قادر و توانا کا شکر بجالایا۔

الہ آباد کے مشاعرے کے بعد سے جو حضرت لسان (میر علی عبا) صاحب المخاطب بہ جان صاحب کے یہاں ہوا تھا۔ پھر آپکا مجھے کچھ حال نہ معلوم ہوا۔ بار رہا۔ آپ کی یاد آئی

اورجی بیتاب ہوا کہ استدراک عافیت کروں مگر پتا نہ معلوم ہونے سے مجبور ہوگیا میرے خیال میں آپ ہندیلکھنڈ میں تھے۔ ورنہ یہ غیر ممکن تھا کہ مرزاپور میں آپ کا ہونا مجھے معلوم ہوتا اور میں بغیر ترسیل نیاز ایمۂ مزاج پرسی رہ جاتا۔

آپ نے جس باب مین مجھے یہ کارڈ لکھا ہے اُس کے بارے مین صرف اسی قدر کافی ہے کہ بھائی مین نثراً ونظماً دونوں طرح عاری اور مجبور ہوں۔ کچھ تو اصلی اپنی ناقابلیت وکم لیاقتی سے۔ کچھ دل کی پریشانیوں سے پچاس چھپین برس کی عمر ہوئی انحطاط قویٰ نے بوڑھا تو بنا ہی دیا ہے۔ اس پر امراض کے حملوں نے اور ادھ موا کردیا۔ سب پر بالا یہ کہ مرگ اعزہ نے زندہ درگور کردیا ہے۔ ڈو برس میں میرے دونوں چھوٹے بھائی جو قوت بازو تھے۔ دل وجگر پر داغ فراق دائمی دے کر بہشت بریں کو سدھارے ع۔ ہر دم زمانہ داغ وگر بر جگر نہد + اللہ بس باقی ہوس۔

تحریر خط مین رنگینی یا عبارت آرائی کی عادت نہین۔ نہ تکلف اچھا معلوم ہوتا ہے مافی الضمیر الفاظ کے ذریعہ سے تقریراً یا تحریراً جس طرح ہو کافی سمجھتا ہوں۔ طالب علمی کے زمانہ میں سہ نثر ظہوری و پنج رقعہ کے طرز پر فارسی نگاری کا چندے شوق رہا بہت کچھ لکھ ڈالا۔ مگر پھر ایسا جی اوچاٹ ہوا کہ سب جمع کئے ہوئے رقعے ضائع کردیے۔

محاورۂ جدید اہل زبان (مردمان ایران) جس میں شاہ ناصرالدین اعلی اللہ مقامہ کا سفرنامۂ یورپ ہے اور آج کل کی زبان ہے۔ اس میں البتہ دوستان ایران کو لکھتا ہوں ورنہ یہی معمولی ویسی زبان جسے اُردو کہتے ہیں۔ لکھنے بولنے مین کام آتی ہے چونکہ طبیعت میں موزونیت فطری ہے۔ اس سے نظم مین وقت فکر سے کبھی کبھی چارہ نہیں۔ مگر اب تو برسوں سے اُس کا بھی یہ حال ہے کہ غزل تو کہتا ہی نہیں۔ احباب کی فرمایش سے قطعات۔ مادۂ تاریخ یا اپنے شوق سے کبھی کبھی حسب حال رباعیاں کہتا ہوں۔ مذہبی اعتقاد سے۔ سال میں ایک قصیدۂ میلاد جناب امیرالمومنین سلام اللہ علیہ کی مدح وذکر ولادت میں ۱۳ رجب کے لئے پرتاب گڈھ کی صحبت کی طرح میں کہتا تھا۔

اس وقت ان قصائد میں سے جو دو تین چھپے ہوئے ہیں سے میرے پاس موجود ہیں۔ آپ کو ہدیۂ تحفۂ دوستانہ کے طور پر بھیجتا ہوں۔ چوتھا قصیدہ ''معراج خیال'' ہے جو نعتیہ ہے اور جسے میں نے کمال جوش عقیدت سے نظم کیا ہے۔ وہ لایق ملاحظہ ہے

میں خاص طور پر اس کی داد چاہتا ہوں۔
دوراز حال میں ایک مصیبت میں پھنس گیا تھا اس سے نجات پاتے ہی مین نے مجلس میلاد جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ منعقد کی اور اس مین یہ قصیدہ صرف دو دن کی فکر میں کہہ کر خود پڑھا جو بہت زیادہ مقبول ہوا اور امید سے زیادہ مجھے احباب سے داد بھی ملی لکھنؤ میں میرے ایک معزز دوست نے چھپوا کر چند کاپیان مجھے بھی بھیجی تھیں۔ جن مین سے یہ ایک آپ کو بھیجتا ہوں۔ افسوس ہے کہ چھاپے والے اس قدر غلط چھاپتے ہیں کہ جس کی شرح نہیں ہو سکتی۔ ان قصائد مطبوعہ مین بھی یہی ظلم ہوا ہے مگر مین نے سرسری طور پر کسی قدر تصحیح کر دی ہے۔ امید ہے کہ آپ پسند کریں گے۔ رسید سے اطلاع دیجئے گا۔
دو رباعیاں جو اس وقت یاد آگئی ہیں اپنی لکھے دیتا ہوں۔

رباعی

ہر چند ضعیف و ہیچکارہ ہوں میں
احباب کو اپنے پھر بھی پیارا ہوں میں
مٹنے کو ہے یہ نمود بے بود میری
پیری میں صبح کا ستارا ہوں میں

دیگر

تا عمر نباہنا ہنسی کھیل نہیں
پیری میں کسی کو ہم سے میل نہیں
اعضا سے شہیر کیا ہو چشم امید
آنکھوں کے تلوں میں بھی تو اب تیل نہیں

حقیر شہیر۔ از مچھلی شہر۔ ۲۰ فروری ۱۹۱۳ء

خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کا خط
حضرت انجم نیشاپوری کے نام

مخدوما محترما دامت معالیکم۔ تسلیم بعد شوق آپکا گرامی نامہ ایک ہفتہ ہوا کہ میں نے پایا۔ شکر گزار احسان ہوں۔
میرا ایک ہی لڑکا ہے۔ سات لڑکے پیدا ہو کر ایام شیر خوارگی مین یکے بعد دیگرے چل بسے یہ آٹھواں ہے۔ ایک دن کا تھا ماں ہی نے رحلت کی جب سے ایک لمحہ کے لئے بھی مین نے اس کو ساتھ سے جدا نہ کیا۔ خلقت دقوی حد سے زیادہ کمزور اور دائم المرض

اورجی بیتاب ہوا کہ استدراک عافیت کروں مگر پتا نہ معلوم ہونے سے مجبور ہوگیا میرے خیال میں آپ ہندیلکھنڈ میں تھے۔ ورنہ یہ غیر ممکن تھا کہ مرزاپور میں آپ کا ہونا مجھے معلوم ہوتا اور میں بغیر ترسیل نیاز نامہ مزاج پرسی رہ جاتا۔

آپ نے جس باب مین مجھے یہ کارڈ لکھا ہے اُس کے بارے مین صرف اسی قدر کافی ہے کہ بھائی مین نثراً ونظماً دونوں طرح عاری اور مجبور ہوں۔ کچھ تو اصلی اپنی ناقابلیت وکم لیاقتی سے۔ کچھ دل کی پریشانیوں سے پچاس چھپین برس کی عمر ہوئی انحطاط قوی نے بوڑھا تو بنا ہی دیا ہے۔ اس پر امراض کے حملوں نے اور ادھموا کردیا۔ سب پر بالا یہ کہ مرگ اعزہ نے زندہ درگور کردیا ہے۔ ڈیڑھ برس میں میرے دونوں چھوٹے بھائی جو قوت بازو تھے۔ دل وجگر پر داغ فراق دائمی دے کر بہشت بریں کو سدھارے ع۔ ہر دم زمانہ داغ دگر بر جگر نہد + اللہ بس باقی ہوس۔

تحریر خط مین رنگینی یا عبارت آرائی کی عادت نہین۔ نہ تکلف اچھا معلوم ہوتا ہے مافی الضمیر الفاظ کے ذریعہ سے تقریراً یا تحریراً جس طرح ہو کافی سمجھتا ہوں۔ طالب علمی کے زمانہ میں سہ نثر ظہوری و پنج رقعہ کے طرز پر فارسی نگاری کا چندے شوق رہا بہت کچھ لکھ ڈالا۔ مگر پھر ایسا جی اوچاٹ ہوا کہ سب جمع کئے ہوئے رقعے ضائع کردیے۔

محاورۂ جدید اہل زبان (مرومان ایران) جس میں شاہ ناصرالدین اعلی اللہ مقامہ کا سفرنامۂ یورپ ہے اور آج کل کی زبان ہے۔ اس میں البتہ دوستان ایران کو لکھتا ہوں ورنہ بھی معمولی دیسی زبان جسے اُردو کہتے ہیں۔ لکھنے بولنے مین کام آتی ہے چونکہ طبیعت میں موزونیت فطری ہے۔ اس سے نظم مین دقت فکر سے کبھی کبھی چارہ نہیں۔ مگر اب تو برسوں سے اُس کا بھی یہ حال ہے کہ غزل تو کہتا ہی نہیں۔ احباب کی فرمایش سے قطعات۔ مادۂ تاریخ یا اپنے شوق سے کبھی کبھی حسب حال رباعیاں کہتا ہوں۔ مذہبی اعتقاد سے۔ سال میں ایک قصیدہ میلاد جناب امیرالمومنین سلام اللہ علیہ کی مدح وذکر ولادت میں ۱۳ رجب کے لئے پرتاب گڈھ کی صحبت کی طرح میں کہتا تھا۔

اس وقت ان قصائد میں سے جو دو تین چھپے ہوئے ہیں سے میرے پاس موجود ہیں۔ آپ کو ہدیۂ تحفۂ دوستانہ کے طور پر بھیجتا ہوں۔ چوتھا قصیدہ "معراج خیال" ہے جو نعتیہ ہے اور جسے میں نے کمال جوش عقیدت سے نظم کیا ہے۔ وہ لایق ملاحظہ ہے

میں خاص طور پر اس کی داد چاہتا ہوں۔

دو راز حال ہیں ایک مصیبت میں پھنس گیا تھا اس سے نجات پاتے ہی مین نے مجلس میلاد جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ منعقد کی اور اس مین یہ قصیدہ صرف دو دن کی فکر ہیں کہہ کر خود پڑھا جو بہت زیادہ مقبول ہوا اور امید سے زیادہ مجھے احباب سے داد بھی ملی لکھنؤ میں میرے ایک معزز دوست نے چھپوا کر چند کاپیاں مجھے بھی بھیجی تھیں۔ جن مین سے یہ ایک آپ کو بھیجتا ہوں۔ افسوس ہے کہ چھاپے والے اس قدر غلط چھاپتے ہیں کہ جس کی شرح نہیں ہو سکتی۔ ان قصائد مطبوعہ میں بھی یہی ظلم ہوا ہے مگر مین نے سرسری طور پر کسی قدر تصحیح کر دی ہے۔ امید ہے کہ آپ پسند کریں گے۔ رسید سے اطلاع دیجئے گا۔

دو رباعیاں جو اس وقت یاد آگئی ہیں اپنی لکھے دیتا ہوں۔

رباعی

ہر چند ضعیف و ہیچکارہ ہوں میں　　احباب کو اپنے پھر بھی پیارا ہوں میں
مٹنے کو ہے یہ نمود بے بود میری　　پیری میں صبح کا ستارا ہوں میں

دیگر

تا عمر نہ با ہنسی کھیل نہیں　　پیری میں کسی کو ہم سے میل نہیں
اعضا سے شہیر کیا ہو چشم امید　　آنکھوں کے تلوں میں بھی تو اب تیل نہیں

حقیر شہیر۔ از مچھلی شہر۔ ۲ فروری ۱۹۱۳ء

خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کا خط

حضرت انجم نیشا پوری کے نام

مخدوم محترم دام ہمت معالیکم۔ تسلیم بعد شوق آپکا گرامی نامہ ایک ہفتہ ہوا کہ میں نے پایا۔ شکر گزار احسان ہوں۔

میرا ایک ہی لڑکا ہے۔ سات لڑکے پیدا ہو کر ایام شیر خوارگی مین یکے بادیگرے چل بسے یہ آٹھواں ہے۔ ایک دن کا تھا ماں ہی نے رحلت کی جب سے ایک لمحہ کے لئے بھی مین نے اس کو ساتھ سے جدا نہ کیا۔ خلقتہ قوی حد سے زیادہ کمزور اور دائم المرض

اور وہی مزاج ہے بغیر استخارہ کے قدم نہیں اُٹھاتا۔ اب بفضل خدا بائیس برس کا ہوا جب سے پیدا ہوا آج تک مین آرام سے نہیں رہا۔ دو ہفتہ سے کھانسی وزکام میں مبتلا ہے۔ ڈاکٹر شب وروز پاس ہیں۔ اب خدا کا فضل ہوتا چلا ہے اس سبب سے میں آپ کے عنایت نامہ کا جواب نہ لکھ سکا صرف رسید لکھ رہا ہوں۔

میں نے دوسروں کی تاریخیں فقط اس نظر سے مانگیں تھیں کہ آیا یہ تاریخیں مشتمل بر تقریظ ہیں یا معمولی۔ میں نے اکثر تاریخیں حسب حال نظم کی ہیں۔ مثلاً جس واقعہ کی وہ تاریخ ہے مختصر اُس کا حال واقعی بھی نظم کر دیا ہے۔ مگر ان قطعوں میں معمولی طریقہ ہے۔ ایک مرثیہ میں کہہ رہا تھا کہ دردراز حال لڑکا علیل ہو گیا۔ اُسی تردد مین پا پیادہ ڈاکٹر کے پاس چلا۔ اتفاق کہ رستے میں خلاف ربط جانے سے کتے نے کاٹ لیا۔ یہ بھی علم نہیں۔ کہ سگ دیوانہ تھا یا نہین۔ اس کا بھی تردد ہے خیر جو حکم قضا میں اس پر رضامند ہوں۔ اب حقیقت حال بقول میرے یہ ہے جو مرثیہ کے ایک بند مین۔ میں نے عرض کیا ہے ؎

پیری کی اک امید بندھی تھی وہ آچکی ۔۔۔ موت آکے اپنی شکل بھیانک دکھا چکی
دنداں دہن تو چشم بصارت گنوا چکی ۔۔۔ طاقت مرے بدن سے ہمیشہ کو جا چکی

چُپ ہوکے ہوں گا زمزمہ پرداز حشر میں
سُن لوکہ پھر سنوگے یہ آواز حشر میں

۲۷ ر نومبر ۱۹۱۴ء۔ سید علی محمد شاد

ہز اکسلنسی راجۂ راجایان سر مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر جی سی۔ آئی۔ ای۔ المتخلص شاد کا خط

حضرت شاکر ایڈیٹر "العصر" کے نام

حیدرآباد دکن ۔۔۔ ۶ ر ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ ۔۔۔ ۱۳ ر فروری ۱۹۱۴ء

بخدمت منشی پیارے لال صاحب شاکر

"اکسیر سخن" ملاحظہ سے گذری۔ آپ کی جدت پسندی۔ نغمہ سنجی۔ خیال آرائی کی داد

دیتا ہوں۔

شعرائے سنسکرت میں مہاکوی کالیداس کو میں اس لیئے اور شعرا پر ترجیح دیتا ہوں کہ جہاں کہیں اس کو موقع ملا ہے۔ اس نے قدرتی مناظر کے دلفریبیوں کی ایسی جیتی جاگتی دلکش تصویریں کھینچ دی ہیں کہ بھلائے سے بھی نہیں بھول سکتیں۔ اس نے اپنے شاعرانہ جذبات کے ایک ایک لفظ میں قوت متخیلہ کا ایسا وسیع میدان کھول دیا ہے جو نہایت پرلطف نظاروں سے بھرا ہوا ہے۔ اگر اس امر پر غور کیا جائے کہ کالیداس نے ہر چیز کی تعریف کیسی خوبی سے کی گو اپنے طور پر ہر ایک بے نظیر ہے۔ اگر ایک کا مقابلہ دوسرے سے کیا جائے تو ایک قسم کا خوشگوار اختلاف محسوس ہوتا ہے اور در اصل یہی اُس کا کمال ہے۔ کیونکہ یہ کس قدر مشکل امر ہے کہ باوجودیکہ ہر ایک کو بطور خود منتہائے حسن پر پہنچا دیا ہے لیکن پھر بھی اُس کے معیار حسن کو ترقی دے دی ہے۔ دوسرا کمال اس کا یہ ہے کہ خواہ اُس نے اجمال سے کام لیا ہے، خواہ تفصیل سے، خواہ تشریح سے، خواہ تشبیہ سے لیکن ہر صورت میں جو کچھ بھی حوالۂ قلم کیا ہے، بعینہٖ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا حسن مجسم کی تصویر عالم مثال سے لاکر شہود میں رکھ دی ہے۔

آپ نے ایسے قادر الکلام شاعر کی منظری تصویریں میں اپنی زبان کی لطافت کا ایسا خوشنما رنگ بھرا ہے کہ لائق ستائش ہے۔ سنسکرت کے پیچیدہ اور عمیق جذبات کو نظم کرنے اور سلاست زبان کو ملحوظ رکھنے میں کامیاب ہونا آسان نہیں ہے۔ ... شاد

مجدد السنہ مشرقیہ سید احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی کے خط

حضرت شاکر ایڈیٹر العصر کے نام

عزیز من دعا۔

کیا ادیب پھر دیر میں نکلے گا؟ خیر۔ اس کا اہتمام بھی وسیع پیمانے پر ہے۔ دیر ہو تو موجب شکایت نہیں۔ نظیر اور غالب کی سوانح عمری کب تک چاہیئے۔ جلد مطلع کرو۔ غالب کی سوانح عمری تمہاری خاطر سے۔ تمہارے منشا کے موافق لکھوں گا کسی پر چوٹ نہ ہوگی۔ بہت سیدھا سادا دلچسپ مضمون ہوگا۔ لیکن میرے پاس نہ مولوی

حالی کی "یادگار غالب" ہے نہ موہانی اور طبا طبائی کی شرح . . . . اور غالب کی سوانح بھی مجھے معلوم نہیں - ہاں ان کے فارسی اور اردو طرز کلام کی نسبت بساطت سے لکھ سکتا ہوں -

نظم واپس کرتا ہوں - تم نے یہ شعر لکھا تھا ۔

یہ رت مدار ہے جس پر نظام ہستی کا
یہ رت کہ کیف ہے جس میں فروغ ہستی کا

اس کا دوسرا مصرعہ یوں بنا دو -

یہ رت خمار ہے جس میں مدام مستی کا

مدام شراب کو بھی کہتے ہیں - مدار اور خمار، نظام اور مدام کا تقابل ہوگیا - رباعیاں بہت خوب لکھی ہیں - مرحبا !

مولوی ناصر کا انتقال ہوگیا - میرے سب سے پہلے شاگرد وہ تھے یا آپ ہیں -

احمد حسن شوکت - میرٹھ - ۲۳ جولائی ۱۹۱۱ء

عزیز من - دعا

ایک کارڈ بھیج چکا ہوں - ہاں جولائی کا ادیب - گزشتہ دو نمبروں سے بہتر نکلا ہے اور انشاء اللہ اچھا نکلتا رہے گا، اور تم جب تک ادیب میں ہو کوئی رسالہ ادیب کا مقابلہ نہ کرسکیگا تمہاری یہ نظمیں بہت اچھی ہیں - اسی طرح مشق رہی تو تکمیل ہو جائیگی -

اردو میں "ۃ" بصورت تا واقفی نہیں آتی - کلیجا، دھاگا، چکما وغیرہ ہائے ہوز سے لکھنا بالکل غلط ہے یہ عربی کا اسلوب ہے - اسی طرح ہائے مختفی کو قافیئے کی رعایت سے الف بنانا مستحسن نہیں - ایک جگہ تم نے گرمجوشی وصلت باندھا تھا - لکھنؤ والے وصل کو "وصلت" باندھتے ہیں - یہ بڑی لغویت ہے مجدد کے یہاں یہ متروک ہے - اس سے اجتناب چاہیئے "نہیں" کے ساتھ "ہے" بھی عامیانہ محاورہ ہے - جو زیادہ تر لکھنؤ والوں کا تکیہ کلام ہے -

توراۃ و انجیل مقدس میں حوا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا لکھا ہے اور اسی بنا پر حدیث میں ہے - آریہ کہتے ہیں کہ یہ ان نیچرل ہے - میں تردیدی مضمون لکھ چکا تھا - آپ کے خط سے تامل ہوگیا - بہر حال زبردست تاویل کے سوا چارہ نہیں - چوبیسویں آیت سے تاویل میں اچھی مدد مل سکتی ہے - آپ بھی اپنی رائے لکھیں مگر قرآن پاک میں یہ تصریح کہیں نہیں - حالانکہ قرآن مصدق توراۃ و انجیل ہے اور یہی قرآن کا دعویٰ ہے -

احمد حسن شوکت میرٹھ - ۱۶ اگست ۱۹۱۱ء

عزیزمن۔ دعا۔
شیخ سعدی پر جو نظم لکھی ہے وہ ٹھیک ہے۔ صرف ایک جگہ ہائے مختفی کا اظہار کر یہ معلوم ہوتا تھا وہ بدل دیا ہے مگر "زبان" والی نظم کمزور ہے۔ زبان کے سبجکٹ میں بڑی وسعت ہے۔ آپ دل لگا کر لکھیں گے تو خوب لکھیں گے مصرعوں میں تقابل اور لحنت لحنت ہونا بہت مزیدار ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ کوئی لفظ بحر میں دبنے نہ پائے۔ یہ مجدد کی شان تجدید ہے ترکیب کو اُلٹو پلٹو۔ مترادف الفاظ لاؤ۔ بجلی کی طرح چار طرف نظر دوڑاؤ۔ ایسے استقام خود جاتی رہیں گے۔ کالیداس کا ترجمہ تم نے لاجواب کیا ہے۔ دوسرے کا یہ حوصلہ نہیں۔ اس کو سہل ممتنع کہنا بجا ہے۔ اس کا نام "شمع شبستان" یا "طلق سخن" موزوں ہوگا "طلق" ابرک کے کشتہ کو کہتے ہیں جو اکسیر ہے یعنی کیمیائے سخن۔

ہیمنت والی نظم میں تم نے ایک شعر لکھا ہے ؎

زیر دیوار انھیں پھینک رہی ہو مل کر
پیار جن ہاروں نے چڑھ چڑھ کے کیا چھاتی پر

مجھ سے ایک غزل کے مطلع میں اس مضمون کا توارد ہوا ہے۔ مگر اس میں صنعت تلازم وتجنیس ہے وہ شعر یہ ہے ؎

چڑھ کے چھاتی پر کیا ہو گھر دل دلدار نے
پھول اپنی جیت پر پھولے ہیں کیا کیا ہار میں

تینوں رسالے پہنچ گئے۔ اعتراض وجواب دو تو لغو۔ امیروں میں تو بعض میں لیاقت ہے بھی مگر داغیوں میں بالکل صفایا ہے۔

نظیر کی سوانح عمری بھی پہنچ گئی مضمون لکھوں گا۔ آج کل روزے کے باعث دس بجے کے بعد کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک بات کا جلد جواب دو۔ توراۃ وانجیل میں کتنے روزے رکھنے کا حکم ہے صرف انجیل و توراۃ کا حکم درکار ہے۔ رسولوں اور حواریوں کا نہیں۔ قرآن پاک میں ماہ رمضان کا ذکر ہے ۳۰ روزوں کا ذکر نہیں۔ اس میں جھگڑا ہوا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم توراۃ وانجیل کی پیروی کرو۔ اور روزے جیسے پہلے لوگوں پر فرض ہوا ہے ایسا ہی تم پر۔ اس صورت میں تیس روزے ہوں گے تو انجیل و توراۃ کی نافرمانی ہوگی۔ اس کا جواب جلد دو۔ مولوی ان سے میرا سلام کہئے۔ سید احمد حسن شوکت۔ میرٹھ۔ ۲۷ راگست ۱۹۱۱ء

حضرت شاکر ایڈیٹر "العصر" کا خط مؤلف کے نام

دفتر "العصر" لکھنؤ ۵ ردسمبر ۱۹۱۳ء

محبی جناب صفدر تسلیم۔ مجھے آپ نے کیونکر یاد کیا ہے میں نے تو خیال کیا تھا کہ شاید آپ کو میرا نام بھی یاد نہ رہا ہوگا۔ خیر۔ صبح کا بھولا اگر شام کو آجائے تو اسے بھولا نہ سمجھنا چاہیئے۔

میری حالت کیا پوچھتے ہو سخت پریشان ہوں۔ مسالکہ سرکلر سے واضح ہو جائیگا کہ مجھ پر کیا افتاد پڑی ہے۔ اپنی تو مجھے چنداں فکر نہیں۔ البتہ "العصر" کا بہت خیال ہے۔ دعا کیجئے کہ اس مصیبت سے جلد نجات حاصل ہو۔ اگست وستمبر کے مجموعی نمبر کے بعد ابتک کوئی پرچہ شائع نہیں ہو سکا۔ کوشش میں ہوں کہ جلد اس کی اشاعت کا پختہ انتظام ہو جائے۔

اساتذہ لکھنؤ سے مجھے بہت کم ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس صورت میں بالکل ناممکن ہے کہ میں کسی کے متعلق کچھ لکھ سکوں۔ حسن اتفاق یا سوء اتفاق سے میں یہاں کے بہاریہ مشاعرہ میں بھی شریک نہیں ہو سکا۔ مگر وہاں کی کیفیت سن کر۔ اب مجھے اس کا افسوس بھی نہیں رہا جب سے ہوش سنبھالا یہی سنتے آئے کہ "دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں" اس کا ثبوت اس مشاعرہ سے مل گیا۔ لکھنؤ کے ایک مشہور شاعر نے جن کے نام کے شروع میں جلی قلم سے "لسان القوم" لکھا جاتا ہے۔ اِس قیامت کا مطلع پڑھا کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ لیجئے آپ بھی سنیئے ؎

منھ میں کف، ہاتھ میں سر پاؤں میں زنجیر بہار
در زنداں پہ کھنچی یوں مری تصویر بہار

کہو کیا سمجھے! بہت پُر معنی مطلع ہے!! مشاعرہ میں اسے کئی بار پڑھنے کی فرمایش کی گئی تھی!! ماہرین فن نے ردیف وقافیہ کو شعر کے دو رکن اعظم قرار دیئے ہیں یعنی انھیں سے شعر شعر کہلانے کا مستحق ہوا ہے۔ ردیف ہی پر سارا دارومدار ہوتا ہے۔ اور جب وہی بیکار ہوگئی تو مضمون کا خدا حافظ۔ ردیف کو بیکار رکھنے کے مرتکب بھی زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں جو حشو کو معیوب نہیں سمجھتے۔ ابتک یہ عیب صرف نو آموز اور معمولی شعراء کے کلام میں

پایا جاتا تھا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ نامی گرامی شعرا بھی ٹھوکر کھانے لگے۔ ع

سچ کہا ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہے

اب خدا ہی ہے جو ہمارے اُردو شاعری کی لاج رکھے!

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب غزلیں ایسی ہی تھیں۔ سُنا ہے کہ عزیز اور چکبست کی غزلیں مقابلۃً بہت اچھی رہیں ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ ہماری "ینگ پارٹی" سر بلند رہی

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

منشی محمد کریم الدین صاحب بارسٹر کا خط

مؤلف کے نام

دھام پور۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء

صفدر سلمٗہ تمہاری مزید اور تحریر نے زخمی دل وجگر کے ساتھ نمک بر جراحت کا کام دیا۔

شبِ بندیل کھنڈ۔ شام اودھ۔ صبح بنارس کا لطف بالتخصیص مقام اسکو حاصل ہے۔ ع

جاگزیں ہو جو یار پہلو میں

سید* کے عناصر میں کنعان کی خاک ہے۔ ع

یوسفی و دلِ عالم چو زلیخا داری

کا مصداق ہے۔ ناز و نیاز عاشقی کے معنی ہیں۔ حافظ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُس نے اس ماہ میں بہت کچھ معشوقانہ بے نیازی سے کام لیا ہے۔ مسلمان اعتباری و اقتداری دُنیا میں سب سے بہت پیچھے ہیں۔ بدنصیبی سے شاہدانِ ناز کے طبقے میں بھی ان کی بے اعتباریاں ضرب المثل ہیں۔ الحمد للہ کہ مسلمانوں میں حافظ ایک شخص ہے۔ کہ جس نے پہلے پہل اعتبار کا اعزاز حاصل کیا۔ ہماری طرف سے مبارکباد دیجیئے۔

ہم لوگوں نے مدتوں شب ہم سے روزِ عید کے مزے لیے ہیں۔ تم کو یہ پہلا موقع ہے۔ اُس بزم میں میرا ذکر آجاتا ہے میری عزت افزائی کے لیے بہت ہے۔ ع

*سید حافظ حسین صاحب الہ آبادی

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

میں دوستوں کی خیر خیریت کا مشتاق رہتا ہوں۔ ذکر..... میری مسرت کا سبب نہیں ہے۔ شباب کا جنون افزا زمانہ گزر گیا۔ اب ان اوکار سے بدمزگی پیدا ہوتی ہے۔

بچپن و شباب و پیری ایک رنگ سے گزرے بمقتضائے فطرت انسانی لہو لعب بچپن میں مرغوب خاطر رہا۔ جب اُس میدان سے گزرے تو اپنے کو کسی کیفیت سے مخمور و سرشار پایا۔ نشہ شباب کی حالت میں جو گزری اُس کی ندامت ہے۔ اب کہ وہ سودا سر میں نہیں رہا۔ اچھے خاصے انسان ہیں۔ کردار کے ردوبدل نے حضرت امیر مینائی کا ہمخیال کر دیا وہ کہتے ہیں۔

قابلِ عفو ہیں آلودۂ عصیاں ہو لوں

اے اجل صبر کر اتنا کہ پشیماں ہو لوں

میں کہتا ہوں آمین ثم آمین۔

ہاں۔ گزشتہ صحبتِ احباب البتہ سوگوار و محزوں کرتی ہے۔ لیکن اپنی پچھلی حالت سے ہم کبھی متاثر نہیں ہوتے عشق و محبت کی راہ میں بارہا منزل مقصود تک پہنچے لیکن حافظ کی سی کامیابی ہمیشہ یوسف بننے سے ہو سکتی ہے لیکن حسن کی اعلیٰ نعمت اُسی کی ذات کے لیے ودیعت کی گئی تھی۔ میرے اجزائے عناصر میں کنعاں کی خاک کا کوئی جز شامل نہ تھا۔

"تاج سخن" پہنچا کہیں کہیں سے پڑھا۔ طرز بیان نہایت سلیس و شستہ۔ مضامین کی آمد بے تکلف و برجستہ انیس کی سی سحر آفرینی۔ حضرت آتش کی سی جادو بیانی فصاحت و بلاغت دونوں کا لطف ہے۔

محمد کریم الدین۔

حضرت ضیاء دہلوی کے خط

جناب محوی لکھنوی کے نام

قدر شناس ضیاء سلامت۔ تسلیم۔ محبت نامہ پہنچا۔ ممنون کیا۔ "گلدستۂ لطیف" کی قلمی اعانت کو میں دل و جان سے حاضر ہوں۔ درمی امداد کے لیے لالہ ہرچرن داس سے کہئے درہم و داغ محبت کے سوا خزانۂ دل میں اور کچھ نہیں۔

بیچ سخن کا کوئی نہیں قدرداں ضیاء شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے

دیوانگان محبت قیود شرح وقانون سے آزاد ہیں۔ پھر آپ مجھے کیوں پابند دیکھنا چاہتے ہیں "صلائے عام" نے بھی باوجود پابندی قوانین رسالہ کے مجھے مالی امداد سے مستثنیٰ کر رکھا ہے۔ تعجب ہے کہ آپ اور ایسی درخواست۔ بھائی بقول شخصے۔ ع

چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

قرضداری سے فرصت نہیں ملتی۔ آمدنی کم اور خرچ زیادہ۔ ایک حبّہ بھی اگر جمع ہو تو کفن کو لگے۔ ؎

جنوں میں پیرہن اپنا اُڑا اچکے پُرزے
جو ایک تار بھی باقی ہو تو کفن کو لگے

احباب کو خریداری کا شوق دلانا اور رطب و یابس مضامین سے گلدستہ کو بھر دینا میرا کام ہے اگر یہ خدمت منظور ہو تو زہے نصیب ورنہ خیر۔ ع

القط ہے قلم کی دوستداری

ایک اور شکایت مجھے آپ سے یہ ہے کہ میرے شاگردوں کا کلام میرے کلام سے زیادہ چھپتا ہے۔ یہ انتخاب کرنے والوں کی نگاہ انتخاب کی خوبی ہے۔ بقول شیخ ؎

مشتاق سب ہیں بدر سے افزوں ہلال کے
دُنیا میں قدرداں نہیں صاحب کمال کے

آشیانے کے قافیے یاسؔ و صفیؔ نے تو لکھے ہی ہیں۔ ایک مطلع ایک ذلیل شاعر کا بھی سُن لیجیے ؎

اے برق ڈھونڈھ لے کوئی خرمن زمانے میں
رہنے دے چار تنکے مرے آشیانے میں

جواب آنے پر "گلدستۂ لطیف" کے لیے مضمون و غزل ارسال ہوگی فقط ۱۲ر نومبر ۱۹۱۴ء

نیازمند۔ میر ضیار دہلوی

پیارے محوی۔ نئی دُلھن اور نئی اُمنگیں مبارک ہوں۔ بہار کا طرب انگیز موسم اور مہ جبینوں کی صحبت یہ لطف قسمت والوں کو میسر آتے ہیں۔ مجھے آپ کی خوش قسمتی پر رشک ہے۔ یہاں ایک نیک بخت زندگی بھر کا اجارہ لے کے آئی ہے۔ اجیرن ہو رہی ہے میرا حال پوچھو

جلیل اک حور وش کا فرادا پر مبتلا ہو کر
فراغت پا گئے دُنیا کے جھگڑوں سے بلاؤں سے

لکھنؤ کی سیر۔ احباب کے جلسے اور خصوصاً ... کی یاد دل میں چٹکیاں لیتی ہے۔ مگر وطن کی محبت اور علائق کی گرفتاری۔ دم بخود رہنے کو مجبور کرتی ہے۔ عجب کشاکش میں ہوں۔ بہرحال زیست دوروزہ اس نواح میں بسر کرنے کا ارادہ ہے۔ آیندہ اختیار بدست مختار۔ تنخواہ بھی معقول ہو گئی ہے۔ پچاس روپیہ ماہوار اور عہدہ گارڈ کا۔ سر سیکن پر گاڑی لے کے جاتا ہوں۔ اور تیسرے روز ریواڑی واپس آتا ہوں۔ میں خط و کتابت میں خاموشی پسند نہیں۔ خط آتا ہے جواب لکھ دیتا ہوں۔ کوئی نہ لکھے تو میں بھی چپ لگا جاتا ہوں۔

نئی بھابی صاحبہ کو میری طرف سے دعائے ترقی حسن و شباب و عمر خضر کہہ دیجئے گا۔ خدا کرے وہ بھی آپ کی طرح رنگین طبع اور خواندہ ہوں اور اگر شاعرہ ہوں تو سبحان اللہ۔

زیادہ والسلام
دعاگو
میر ضیا ر دہلوی
از ریواڑی

شاعر نامور حضرت طاہر فرخ آبادی مرحوم کے خط
جناب انجم نیشاپوری کے نام

الٰہی درجہاں باشی با قبال
جواں بخت و جواں دولت جواں سال

دانائے رموز سخن۔ نبض شناس مضامین نو و کہن۔ سرکردۂ سخنوران۔ سرآمد نکتہ پروراں خاقانی مرتبت۔ نظیری نظیر۔ دبیر بیشتاں۔ سحر بیان۔ جادو تقریر۔ یکہ تاز میدان فصاحت شہسوار مضمار بلاغت المعی لوذعی۔ عالیجناب معلی القاب نواب بہادر حسین خاں انجم دامت افضالکم۔

آداب بصد ادب تسلیم۔ بعد از تعظیم آپ کا بہی خواہ۔ خیر سگال۔ طاہر خستہ حال خیریت سے ہے۔ ذات عالی صفات کی عافیت کا جناب احدیت سے خواہاں۔ ہر وقت دعائے خیر

نوٹ۔ حضرت ضیار کے اور بھی پر لطف خط مجھے مل گئے ہیں جنھیں انشاء اللہ در مرقع ادب کے حصہ دوم میں شائع کر سکوں گا۔ مؤلف۔

اور زبان ہے۔ آج اتفاق سے فرصت ملی۔ امور خانہ داری سے مہلت ملی۔ عالی نامہ کا جواب لکھنا مد نظر ہے۔ یہ مطلع حضور کا زبان پر ہے۔ ؎

ترے درد کا دلِ مبتلا شبِ غم علاج میں کیا کروں
نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں

سبحان اللہ سبحان اللہ مطلع ہے کہ مشرق انوارِ فصاحت۔ اللہ اللہ مطلع ہے کہ مطلع سپہر بلاغت لطافت الفاظ سے مالامال۔ نزاکت معانی بیشمار۔ ہزار شعر تصدق۔ ہزار دیوان نثار۔ اس کے علاوہ جو شعر فرمایا ہے۔ نظم پرویں کا ہمپایہ ہے۔ آج کل آپ کا کلام ہے اور دیدۂ مشتاق۔ چشم بد دور کلام بھی کیسا شہرۂ آفاق ہے۔ آنکھوں کو نور دل کو سرور طبیعت کو کیفیت وجدانی ہے ماشاء اللہ کیا طرز خوش بیانی ہے۔ حبذا کیا انداز شیوا بیانی ہے۔ ایسے ہی حضرات وحید العصر یکتائے روزگار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کلام مشہور امصار و دیار ہوتے ہیں۔ چھوٹا منھ اور بڑی بات۔ ع

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تو

دعائے منظوم۔ اشعار متفرقہ۔ غزلہائے مطبوعہ طرحی جلسے کا پرچہ۔ وقتاً فوقتاً دیکھ لیا کرتا ہوں۔ فوٹو جناب کا جان کے برابر ہے۔ میری نسبت۔ جو کلمات تحریر فرمائے۔ ذرہ نوازی ہے شفقت ہے۔ یہی بندہ پروری۔ اسی کا نام عنایت ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ اس موقع پر صائب کا شعر یاد آیا ہے۔ ؎

کردتحسین رسائی ہائے فہم خویشتن
آنکہ صائب کرد تحسین فکرِ تحسینِ ترا

زیادہ سمع خراشی کا موقع نہیں پاتا ہوں۔ آداب بجالاتا ہوں۔

عریضۂ عبودیت آثر ہیچمرز۔ طاہر

بعد تحریر سطور بالا کہ ہنوز شکریہ یاد فرمائی کا حقہ ادا نہ کر سکا تھا۔ ترسیل جواب کی نوبت نہ آئی تھی کہ صحیفۂ عظامی نے مع فوٹو شرف ورود فرما کر مرتبہ سربلندی کو دوبالا فرمایا۔ مسرت بیکراں بہجت بے پایاں حاصل ہوئی۔ حضور والا کو نہیں معلوم اس ناچیز سے کہاں کی محبت ہے کس قدر شفقت ہے کہ بے فائدہ اپنا صرف گوارا کر کے فوٹو کھینچا۔ یہ صورت خاک میں ملنے کے قابل ہے نہ کہ اس آب و تاب رنگ و روغن کے ساتھ فوٹو مرتب کیا جائے۔ بس یہ ہوا۔ ع

بخدا سے درم غلام توام

کیا کہنا ہے جس فن کی طرف میلان خاطر ہوا۔ اُس میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ بجز اس کے کہ اِس قدر افزائی کا شکر ادا کروں اور آپ کی عافیت۔ ترقی عمر و دولت کے واسطے دعا کروں مجھ سے اور کیا ہو سکتا ہے۔

اور سنئے۔ حیدر آباد کی ترغیب سبحان اللہ۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

نہیں تو داغ کے برابر شاعر ہوں نہ ویسا منصب ہے۔ وہاں کون پوچھے گا۔ ہاں اگر آپ توجہ فرمائیں اور وہاں تشریف لے جائیں تو زیبا ہے۔ یہ خیال ہی آپ کی محض شفقت پر مبنی اور نازک خیالی اور علو فکر کی دلیل ہے۔

ایک وقت منشی منیر صاحب و نواب احمد حسین خان صاحب عرف ج۔ جب وہ فرخ آباد میں بتقریب خیر مقدم نواب کلب علی خاں بہادر وارد ہوئے تھے اور نواب صاحب بیت اللہ سے معاودت فرما رہے تھے۔ مجھ سے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ عجب قناعت پسند ہو ہمارے ساتھ چلو۔ ہم لوگ تقریب کریں گے کم از کم پچاس روپیہ ماہوار ملیں گے۔ اطمینان سے شاعری کرنا۔ اس جگہ کاوی کا لطف آ جائیگا ورنہ فرخ آباد میں پڑے پڑے کند ہو جاؤ گے۔ غالبًا نواب صاحب کا ایما ہوگا ورنہ اس شد و مد سے نہ فرماتے۔ میں نے یہی کہا کہ مجھ سے فرخ آباد نہ چھوٹے گا۔ کیونکہ میرے مزاج کے موافق غیر ملک کی آب و ہوا نہیں ہے۔ فرخ آباد۔ کانپور کے سوا کہیں نہیں رہ سکتا۔ ع

اس کو خدا پہ چھوڑ دو بہر خدا جو ہو سو ہو

غرض اس خامہ فرسائی۔ سامعہ خراشی سے یہ ہے کہ یہ خیال آپ کا محض شفقت سے ہے ورنہ آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ جس نے شباب میں نقل و حرکت پسند نہ کی۔ وہ پیرانہ سری میں یہ سفر دور و دراز محض امید انشاء اللہ پر کب اختیار کر سکتا ہے۔ میں نے بہت وقت آپ کا خراب کیا۔ خداوند تعالےٰ آپ کو اور صاحبزادہ بلند اقبال کو عمر خضر عطا کرے۔

ملتمسہ طاہر۔ ۱۴ مارچ ۱۹۰۲ء

مہر سپہر سخنوری آسمان اوج زبان آوری عالیجناب معلی القاب نواب بہادر حسین خان صاحب انجم دام اقبالہ۔ بعد تبلیغ تسلیم بصد تکریم مدعا طراز ہوں۔ نامۂ عنایت موصول ہو کر سربلندی کا سبب مسرت بے پایاں کا باعث ہوا۔

قطعہ تاریخ اپنے ہاتھ سے اس لیے لکھا تھا کہ گو عمدہ نہ ہو گر میرے ہاتھ کی تحریر پیش نظر رہ کر یادگاری کا باعث ہوگی۔ مین نے اسے عمدہ لکھنا چاہا تھا مگر نہ لکھ سکا۔ اس کو کسی خوشنویس سے لکھوا لیجیے گا افسوس ہے بقول غالب ؎

ضعف نے غالبؔ نکما کر دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

جواب کے عرض کرنے مین اور قطعہ تاریخ کے بھیجنے میں۔ اس وجہ سے توقف ہوا کہ میں قائم گنج گیا تھا چار روز رہکر کل واپس آیا ہوں۔ زیادہ تصدیعہ نہیں دے سکتا۔ آداب عرض ہے

آپ کا نیاز مند طاہر

قطعۂ تاریخ معاودت مع الخیر و العافیت جناب نواب بہادر حسین خاں صاحب انجم از کربلائے معلی

للہ الحمد از سفر بوطن   زبدۂ اتقیا بخیر آمد

دلِ احباب شاد و خرم شد   انجم از سینوا بخیر آمد

گفت تاریخ طاہر خوشدل

زائر کربلا بخیر آمد

۱۳۱۸ھ طاہر

عالیجناب فضیلت انتساب سخنور گرامی منظمی جناب نواب سید بہادر حسین خاں صاحب انجم دامت افضالکم کورنش بصد تعظیم۔ ورود نامۂ نامی صحیفۂ عظامی باعث مفاخرت ہوا۔ آپ کی اس یاد فرمائی حوصلہ افزائی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ مجھ سا ناچیز اور آپ کی مہربانی۔ ذرہ نوازی اللہ اللہ سچ ہے۔ اہل کمال منکسر اور خلیق بھی ہوتے ہیں۔ یوں تو جس روز سے میں زیارت سے مشرف ہوا کسی وقت نہیں بھولتا لیکن اس تحریک نے اور بھی بندۂ بیدرم و شرمندۂ احسان بنا دیا اب طبیعت کا ولولہ۔ دل کا شوق یہی کہتا ہے کہ زندگی بخیر جب کبھی کانپور یا ہردوئی جانا ہو تو لکھنؤ میں بھی ایک آدھ روز مقیم رہ کر مستفید خدمت ہوں۔

اب یہاں کا حال سن لیجیے کہ پانچ مہینے ہوگئے وبائے طاعون نے قیامت ڈھا رکھی ہے

گو فرخ آباد پہلے ہی سے ویران ہو رہا تھا مگر اب تو ہُو کا عالم ہو گیا۔ رو پیہ میں ایک آنہ آبادی باقی ہے باشندوں نے شہر چھوڑ دیا۔ جلا وطن ہو گئے۔ اور جو باقی رہے وہ شکار اجل ہوتے جاتے ہیں۔ بازار میں سناٹا پڑا ہے۔ دوکانیں بند۔ سودا نہیں ملتا۔ موسم بھی بدل گیا ہے لیکن یہ بلا ہے بیدرماں نہ ٹلی۔ بلکہ روز افزوں ہے۔ اللہ رحم کرے۔ یہی وجہ ہے کہ میں عجالتاً تعمیل سے متعذر رہا۔ یعنی قطعہ تاریخ۔ اختتام مثنوی منظومہ جناب نہ بھیج سکا۔ ایسے وقت میں فکر سخن بالکل ترک ہے۔ ہر وقت وحشت رہتی ہے۔ ایسے ایسے لوگ مر گئے ہیں جن کا غم اگر جیتے بچے تو عمر بھر نہ بھولے گا اور آیندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے

سبحان اللہ جناب والا اور عالیجناب حضرت افضل کی غزلیں گلدستہ بلکہ جان گلدستہ ہیں۔ باقی سب حضرات کے اشعار مصری کی ڈلیاں ہیں۔ لاجواب ہیں۔ سب نے خوب خوب کہا ہے افسوس کتابت کی غلطی جا بجا ہے۔ پروف اچھی طرح نہیں دیکھا گیا خصوصاً مقطع تو بے لطف کیا بے معنی ہو گیا۔ (طاہر کہیں سر کتے ہیں راہ وفا سے ہم) یہ تھا اور لکھ دیا (طاہر کہیں سر کتے ہیں راہِ فنا سے ہم)

ناظرین کم سمجھیں گے کہ یہ غلطی کاتب کی ہے بلکہ خیال ہو گا کہ شاعر کی غلطی ہے۔ آپ براہ بندہ نوازی میری غزل میں سُرخی سے درستی فرما دیں۔

آپ کا دعاگو۔ خیر طلب طاہر

عالیجناب نواب احمد سعید خاں صاحب طالب دہلوی کا خط حضرت انجم نیشاپوری ساکن لکھنو کے نام

دہلی۔ ۲۶، دسمبر ۱۹۰۷ء

مہرپرور۔ آپ کا دوسرا عنایت نامہ مع تصاویر پہنچا۔ تصویر کے پشت پر نام و نشان لکھنا میں نے مناسب نہ جانا۔ مگر سُرخ سیاہی سے نمبر لگا دیے ہیں۔ نمبر اول تصویر میرے والد ماجد مرحوم نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیّر رخشاں تخلص کی ہے۔ جو غالب مرحوم کے اولیں و ارشد تلامذہ میں تھے اور نمبر دویم تصویر میر مہدی حسین صاحب مرحوم مجروح تخلص کی ہے یہ بھی غالب مرحوم کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ان کے نام کے اکثر خط آپ اُردو ئے معلی

میں پائیں گے۔ مجروح مرحوم کی لوحِ قبر پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

یادگارِ غالبِ معجز بیاں　　میر مہدی سید والا تبار
بر کلاہش سر بسر آہ و فغاں　　چوں تخلص بود مجروح نگار
کرد از دنیا چو آہنگ سفر　　گفت اغفرلی الٰہی چند بار
طالبا دیگر مرنجاں فکر را　　سال فوتش خود از اغفرلی بیار

آپ کی مرسلہ اور مطلوبہ تصویریں بذریعہ پارسل آج یا کل روانہ کردوں گا۔ غزل آپ کونسی طلب فرماتے ہیں؛ قطعہ تاریخ انشاء اللہ العزیز ضرور حاضر کردوں گا مگر چندروز بعد۔ پہلی تحریر کے بعد میری طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ مسہل کے بعد ذرا افاقہ ہوا ہے۔

دہلی میں آج کل شاعر کے نام کی جھنگی بھی نہیں ہے۔ مگر دو صاحب واجب الذکر ہیں جو آج کل باہر ہیں۔ ایک صاحبِ عالم مرزا عبدالغنی صاحب گورگانی ارشد تخلص۔ فیروز پور پنجاب میں مقیم ہیں۔ دوسرے ظہیر الدین صاحب ظہیر تخلص۔ ان کا عرف بھی نواب مرزا ہے۔ یہ دونوں صاحب اصنافِ سخن پر قادر ہیں اور بلحاظ شاعری داغ صاحب سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں

والسلام۔ طالب دہلوی

جناب ظفر الملک صاحب ایڈیٹر "الناظر" کا خط

حضرت عزیز لکھنوی کے نام

دفتر "الناظر" فلاور مانز لکھنؤ　　۴ دسمبر ۱۹۱۲ء

مکرمی۔ تسلیم۔ دسمبر نمبر میں مشہدِ مقدس کا حیرت انگیز نظارہ درج کردیا گیا ہے۔ ملاحظہ عالی سے گزرے گا۔ میں نے آپ سے کئی ملاقاتوں میں یہ ظاہر کیا تھا کہ "الناظر" کے سے علمی رسالہ کی اشاعت آپ لوگوں کا کام تھا جو خاص لکھنؤ کے باشندے اور زبان کے ماہر ہیں۔

ہم دیہاتی لوگ کھیتی باڑی کے کام کے اچھے ہوتے ہیں اور اپنے کام میں اہل شہر کی مداخلت گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ لوگوں کے جو کام ہیں اُن کی طرف آپ کی بے توجہی کیا معنی رکھتی ہے جو لوگ اپنے فرائضِ زندگی اور ان کاموں کی اہمیت سے ناواقف ہیں جیسے ہمارے شہر کے بھولے بھالے نواب زادے اور شہزادے اگر وہ اس قسم کی غفلت کریں تو کچھ شکایت نہ ہو لیکن آپ

حضرات جو ملک کے خیالات میں انقلاب پیدا کر دینے کی قوت رکھتے ہیں اور ضروریات زمانہ سے پورے واقف ہیں کسی طرح اس الزام سے بری نہیں کیے جا سکتے کہ آپ کی بے التفاتی اور بے پہلو تہی سے اُردو علم ادب کو جو منافع ہونا چاہیے تھے وہ نہیں پہنچے۔

میں نے "الناظر" کے اجرا کی ضرورت کو پہلے نمبر میں ظاہر کرتے ہوئے حسب ذیل سطور لکھی تھیں۔

صوبہ اودھ کی تمام تحریکوں کے مرکز لکھنؤ کو زبان اُردو سے جو نسبت قدیم سے ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور جس قدر کوششیں ساکنان شہر لکھنؤ نے اُردو زبان کو وسیع کرنے ترقی دینے۔ پاکیزہ بنانے اور شستہ بولنے میں کی ہیں وہ ارباب سخن سے پوشیدہ نہیں۔ صاحب اختر شاہنشاہی کی تحقیق کے مطابق الحاق اودھ کے بعد سے ۱۸۹۵ء تک تقریباً تیس تیس اخبار اور بیس کچیس رسالے اور گلدستے خاص لکھنؤ سے اُردو زبان کی خدمت گزاری کے لیے جاری ہوئے اور اس بیس سال میں اگرچہ ہماری رفتار ترقی ویسی تیز نہیں رہی۔ پھر بھی متعدد اخبار۔ رسالے اور گلدستے مختلف مقاصد کے لیے جاری ہوئے اور گو ان تمام اخبارات۔ رسائل۔ اور گلدستوں کو۔ زمانہ کی نا قدری اور پبلک کی بے توجہی کی شکایت کم و بیش رہی اور بہتیرے بیقدری اور بے اعتنائی کے باد مخالف کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر قبل از وقت موت کا شکار ہو گئے لیکن اُن میں سے بعضے جو اب تک اپنے چشمہ فیض سے ملکی لٹریچر کی کیاریوں کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اُردو زبان کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوئے ہیں۔

اگرچہ تمام کوششوں میں جو اُردو کی بہی خواہی میں کی گئیں۔ ہم اور ہمارے صوبہ کے لوگ معقول حصہ لیتے رہے لیکن تعلیم کی کمی اور اس صوبہ کے باشندوں کی آرام طلبی کی بدولت ہمارے سروں پر ایک بڑا فرض باقی رہ گیا ہے۔ یعنی اُردو لٹریچر کو علمی اور سائنٹفک خیالات کے اظہار کا آلہ بناتے۔ قدرت کی گوناگوں نیرنگیوں کی تصویروں اور نقشوں سے اُسے مالا مال کرتے تہذیب و اخلاق۔ تمدن و معاشرت کے اعلیٰ مسائل کو اُس کے ذریعہ سے رواج دیتے۔ غیر ملکوں کے لٹریچر۔ آداب معاشرت۔ تاریخ و جغرافیہ اور وہاں کی باشندوں کے عادات و خصائل کے مرقعوں کی اُس میں اشاعت کرتے اور اس کے لئے دنیا کی قدیم و جدید زبانوں کے بیش بہا معدنیات سے علوم و

فنون کے جواہر تحقیق و تلاش کے پُر صدف سمندروں سے ڈرہائے مضامین لانے میں ہماری
کوششیں اُتنی وسیع۔ نمایاں اور مفید نہیں ہوتیں جتنی اس مناسبت کے لحاظ سے ہونا چاہئے
تھیں جو ساکنان لکھنؤ اور صوبہ اودھ کے باشندوں کو اردو سے ہے۔

اس فرض کے ادا نہ کرسکنے کا الزام اگرچہ ایک حد تک صوبہ کے اہل قلم حضرات اور ایڈیٹران
اخبار و رسائل پر عاید ہوتا ہے لیکن اس میں ذرا شک نہیں کہ اہل صوبہ کی بدمذاقی اور علوم
و فنون کی سرپرستی نہ کرنے کی قابل ملامت و اصلاح عادت اس اہم فرض کے پورا نہ ہونے
کی زیادہ تر ذمہ دار ہے۔

غضب خدا کا خطۂ زرّیں اودھ کے دارالخلافہ میں جہاں آتش و ناسخ دو دبیر و میر
حسن و نسیم ایسے باکمال شعرائے اُردو نے اپنے زمانہ میں داد سخن دی ہو جسے فخر الشعرائے
دہلی میرزا غالب نے "مردم چشم جہاں" کے پُرمعنی لقب سے یاد کیا ہے اور اس گئی گذری
حالت میں بھی رئیسوں۔ امیروں۔ نوابوں اور تعلقہ داروں کا مسکن و قیامگاہ ہو۔ وہاں
اہل صوبہ کی بدمذاقی اور ناقدردانی کے بدولت ایک بھی رسالہ ایسا نہ ہو جو بنگال۔ پنجاب
مغربی شمالی ممالک متوسط اور دکن کے معمولی رسالوں کے مقابلہ میں بھی اُردو علم ادب
کے دسترخوان پر علوم و فنون۔ تہذیب و اخلاق اور تمدن و معاشرت کے لذیذ اور مفید
کھانے چن سکے۔

باوجودیکہ ملک بھر میں تنازعہ کی برقی قوت نے وہ ہلچل ڈال رہی ہے کہ ہر صوبہ کے
لوگ شاہراہ ترقی پر صبر و استقلال کے ہتھیار لیے ہوئے علم و عمل کے مضبوط اور تیز رو
گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے ہیں۔ لیکن یہاں یہ عالم ہے کہ ع

چلتے ہیں اس طرح کہ قدم کا نشاں نہیں

"الناظر" کی اشاعت سے میرا مقصد یہ تھا کہ لکھنؤ میں اُس کی عزت اور وقعت اور
گذشتہ عظمت کے مناسب ایک علمی رسالہ قائم ہو جائے جو ایک طرف تو اُردو زبان کو وسعت
اور ترقی دے سکے اور دوسری طرف لکھنؤ اور اُس کے صوبہ کے سر سے جہالت عامہ مراسم قبیحہ
اور اخلاق ذمیمہ کی مصیبتیں دُور کر کے اہل لکھنؤ اور اودھ کو ترقی یافتہ اور سرسبز و شاداب شہروں
اور صوبوں کے لوگوں میں ممتاز بنائے۔

یہ کام اکیلا "الناظر" یا میں نہیں کرسکتا لیکن اگر لکھنؤ کے روشن خیال حضرات پوری

توجہ کریں تو بہت کچھ کامیابی ہو سکتی ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے تمام مقاصد حاصل ہو جائیں اس علم نرسائی سے میری اصلی غرض یہ ہے کہ آپ حضرات "الناظر" کی طرف اپنی خاص توجہ فرما کے اس صوبہ کا وقار قائم رکھیں۔

خادم
اسحاق علی علوی ایڈیٹر الناظر

جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی کا خط مؤلف کے نام

لکھنؤ ۲۳ دسمبر ۱۹۱۳ء

مکرمی۔ السلام بالتحیۃ والاکرام۔ ع

عجب عجب کہ ترا یاد دوستاں آید

آج قبلہ کدھر تھا۔ آپ اور ہجراں نصیبوں کو یاد کریں! آپ اور دور افتادوں کو شاد کریں!! معجزہ یا خرق عادت نہیں تو اس صدی کی نمایاں کرامت تو ضرور ہے۔

اکثر آپ کا خیال آتا تھا۔ بے چین ہو کے رہ جاتا تھا۔ پتا نہ معلوم تھا۔ خط لکھتا تو کیونکر لکھتا لیکن کسی کا صبر رائگاں نہیں جاتا۔ آج میرے جذبات صادقہ نے ایک نامہ کی صورت میں ظہور کیا۔ مدت بعد ہی لیکن خیال تو آیا۔

مجموعہ تو اچھا ہو گا۔ لیکن میرا نام اُس میں ایک بدنما دھبا ضرور ہو گا۔ خیر۔ ع

ہم کو تو کام صرف تمہاری خوشی سے ہے

مجھ سے آپ میرے حالات طلب کرتے ہیں۔ میں کیا اور میرے حالات کیا۔ مگر المامور معذور اس بنا پر مختصر حالت میری یہ ہے۔

۱۲۹۹ھ میں میری ولادت ہوئی۔ ابتدائی کتابیں فارسی کی پڑھ کر۔ عربی میں صرف و نحو کے درسیات مولوی لطف حسین[1] صاحب مرحوم سے پڑھے اور معقولات عبدالحمید صاحب سے اور مولانا مولوی محمد نعیم صاحب مرحوم فرنگی محلی سے۔ ادب میں دیوان متنبی وغیرہ شیخ فدا حسین صاحب اور دوسرے بزرگوں سے پڑھا۔ سلسلہ تعلیم ابھی انتہا تک نہیں پہنچا تھا کہ شاعری کے

---

[1] مولوی صاحب لکھنؤ میں بڑے پایہ کے عالم تھے خاصکر صرف و نحو میں ان کا مثل نہ تھا۔

جذبات دل دیوانہ مزاج میں پیدا ہو گئے۔ زیادہ فارسی کہتا تھا اور حضرت استاد معظم مولانا سید محمد صاحب حاذق ایرانی۔ جو باعتبار اپنی جامعیت کے فرد کامل تھے۔ اُن سے اصلاح لیتا تھا اور پڑھتا بھی تھا مذاق شاعری نے انھیں کے دامن تربیت میں پرورش پائی۔ اور مجھے اس پر فخر ہے۔ اُن کے انتقال کے بعد اکثر احباب سے مشورۂ سخن رہا۔ مگر اصل میں اساتذہ کے کلام اور کتب بینی نے مجھے استاد کا کام دیا۔ دیوان میرا مرتب ہے۔ قصاید کا مجموعہ زیر طبع ہے۔ اصناف سخن میں سے تقریباً ہر صنف میں کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ جو آپ بھی وقتاً فوقتاً رسائل وغیرہ میں دیکھتے ہوں گے۔ اس پر رائے زنی کرنا آپ کی نقادانہ نظر کے محول ہے لک میں اہل فن اچھا نہیں سمجھتے تو بُرا بھی نہیں جانتے۔

نثر میں اکثر کتابیں لکھی ہیں۔ بعض ناتمام بعض شائع نہیں ہوئیں۔ فی الحال حضرت شہید ثالث رح کی ایک سوانح عمری چھپ گئی ہے خدا کا شکر ہے کہ میری طبیعت میں اس وقت تک علم کا ذوق ہے اور فرصت کے وقت کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔

آج کل میرا تعلق ایک ہائی اسکول میں ہے۔ تقریباً میری عمر تیس سال کی ہوگی زمانہ حسب دلخواہ فرصت نہیں دیتا ورنہ کچھ کرتا۔

اگر ایک تذکرۃ الشعرا لکھئے تو بہت مفید ہوگا۔ آپ آمادگی ظاہر کریں تو اُسکی نسبت اپنی رائے دوں۔ امید ہے کہ آیندہ سلسلہ خط و کتابت جاری رہے۔ نیازمند عزیز

حضرت محوی لکھنوی کے نام

حبیب قلبی و طبیب نفسی۔ نامہ گرامی پہنچا۔ تحریر جواب میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ میں عشرۂ محرم میں، کوئی کام نہیں کرتا۔ کربلا کے غریب الدیار مظلوموں کی مصیبت ایسی موثر ہے۔ جس کی یاد کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی عشرۂ محرم ختم ہوا اور سب سے پہلے میں آپ کے خط کا جواب لکھنے بیٹھا ہوں۔

محبت وہ طلسم ہے جو دوست کے معائب پر بھی محاسن کا پردہ ڈالتی ہے آپ کو اسی سبب سے میری بے نظم عبارت بھی لطف دیتی ہے یہ میری خوش نصیبی ہے۔ اور کیا کہوں۔ لکھنؤ آجکل تمام امراض سے پاک ہے۔ سوا مرض الموت کے جس سے دنیا میں مفر نہیں۔ بیشک ”مشورہ“ کی رفتار بہت سست ہے۔

عزیز۔ لکھنوی

جناب مولوی محمد عبد الرزاق صاحب لطف لبر اکمئہ نظام الملک

طوسی کا خط
حضرت محوی لکھنوی کے نام

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
اُن کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

پیارے محوی۔ جمعہ کے دن کسی قدر اطمینان ہوتا ہے۔ آج علی الصباح آپ کو خط لکھنے بیٹھا ہوں۔ تعویق غیر معمولی ہوئی۔ مگر آپ سمجھ لیجیے گا کہ دیر آید درست آید میں کوئی حکمت ضرور ہوگی۔

معمول کے مطابق شام کے وقت تفریحاً نکلتا ہوں۔ مگر تنہا۔ قیصر ارشد۔ حضور علی کبھی کبھی پھیری کرتے ہوئے فتح گڈھ کی گلیوں میں آنکلتے ہیں۔ مگر صدا دیگر چلے جاتے ہیں۔ میں وقت اور ضابطہ کا پابند ملاقات ہو تو کیونکر۔ محوی اکثر یاد آتے ہیں۔ اُن کو دعوے ہے کہ میں بھوپال میں بھی زاہد خشک تھا اور لکھنؤ آکر تو جنید و شبلی کا ہمعصر ہوگیا ہوں مگر امین آباد پارک چوک اور حضرت گنج کے نظارے۔ حسن صباح کی جنت سے کچھ کم دلکش نہیں ہیں۔ بمبئی میں جاکر معمولی آدمی کے بھی جذبات اُبھر جاتے ہیں۔ جو شاعر ہو وہ لکھنؤ میں صوفی نہیں رہ سکتا ہے

مولانا مظہر کی باتوں میں آپ آگئے۔ اگرچہ وہ شاعر نہیں ہیں۔ مگر ظرافت و رنگینی میں مظہر جانان سے کچھ کم نہیں۔ میں اور آپ کو بدنام کروں نعوذ باللہ طبیعت کی شوخی سے نہیں بلکہ تمام دن کی کلفت مٹانے کے لیے خواہ مخواہ کسی مولوی کو چھیڑ دیا کرتا ہوں منجملہ ان کے میرے نہایت عزیز دوست مظہر بھی ہیں۔

اول آپ دوا لناظرہ کے محض ناظر تھے اور اب آپ کو اسسٹنٹ ایڈیٹری اور منیجری کی بھی خصوصیت ہوگئی ہے۔ لہذا آپ مجھ سے مضمون کے طالب ہیں مگر واقعہ نفس الامر یہ ہے کہ میں علمی رسائل اور اخبارات میں مضامین لکھنا پسند نہیں کرتا ہوں۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ جو قومی اور ملکی خدمت ہو سکے۔ وہ مستقل ہو۔ اوقات فرصت کا تمام حصہ تصنیف کے نذر ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کوئی ٹکڑہ قبل از اشاعت دے دیا جائے۔ مگر لوگ سمجھیں گے

کہ اپنی کتاب کا نوٹس دیتے ہیں۔ اس لیے کبھی ایسا نہیں ہوا۔
"الناظر" کی گذشتہ جلدیں میرے لیے محفوظ رہیں۔ انشا اللہ آئندہ مہینہ میں منگا لوں گا
۱۵ اپریل سے قصد سفر ہے۔ علی گڑھ۔ مظفر نگر۔ سہارنپور۔ پانی پت۔ کرنال داخل پروگرام ہیں۔ یہ سفر تحقیقات علمی کے لیے ہے۔ جو تاریخ لکھ رہا ہوں۔ اس کے لیے سرمایہ فراہم کرنا ہے۔
مولانا عبدالحق۔ بی۔ اے۔ حیدر آبادی کو خط لکھ کر نظام الملک کا ریویو طلب کیجیے میں نے بھی تاکید کی ہے۔
نواب عماد الملک نے "نظام الملک طوسی" کی بہت داد دی ہے۔ "البرامکہ و طوسی" کی جلدیں خاص حضور پرنور (نظام دکن) کے واسطے طلب فرمائیں ہیں اور وعدہ ہے کہ حضور قدر دانی فرمائیں گے۔ کتابیں بھیجدیں۔ دیکھیے دولت آصف جاہی نظام الملک کی کیا قدر کرتی ہے
جلدیں تیار ہو جائیں تو ایجنسی کے واسطے روانہ کردں۔
مولانا شبلی سے روزانہ ملنا چاہیے۔ مدت سے میں نے عریضہ نہیں لکھا ہے معصوم علی سلام کہتے ہیں۔ مکان کے قریب ہیں۔
جناب صفدر کے مجموعہ خطوط کے لئے مہدی کے خط عنقریب بھیجوں گا۔ کاغذ ختم ہو گیا ورنہ کچھ اور لکھتا۔ باقی پھر

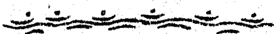
خاکسار۔ عبدالرزاق۔ از بھوپال
۴-۱ اپریل ۱۹۱۳ء

جناب نواب خاقان حسین خاں صاحب عارف کانپوری کا خط
حضرت انجم نیشاپوری کے نام

پیرو مرشد دام لطفہٗ۔ نوازش نامہ مجھے پہنچا۔ ممنون یاد آوری فرمایا۔ یہ کلمات تحسین و آفرین مجھ ننگ آفرینش کے حق میں ارشاد ہوتے ہیں۔ حاشا میں ان کے لائق نہیں۔ بہرصورت۔ بہ دست ادب تسلیم نیاز مندانہ بجا لاتا ہوں۔ تصویر بیشک خراب بنی ہے وقت کا منتظر ہوں۔ ذرا بارش موقوف ہوئی اور میں نے کسی انگریزی کارخانے سے اپنی تصویر زمانۂ حال کی درست کرا کے حاضر کی۔ خاطر مبارک جمع رہے۔ بڑے بھائی صاحب اور میاں مجبور۔ عنقریب اپنی اپنی تاریخیں میرے ذریعہ سے حاضر کریں گے۔ راقم دہلوی کا پتا یہ ہے۔ در شہر جبل پور۔ محلہ باند چاہ۔ رسیدہ۔ بخدمت جناب قمرالدین خاں صاحب راقم دہلوی مترجم "بوستان خیال" معزز باد۔ میں خود آج قمرالدین خاں کو ایک خط لکھتا ہوں اور .... تاریخ مثنوی کے واسطے آمادہ کرتا ہوں۔ آدمی خلیق ہیں۔ فوراً تاریخ حاضر کرینگے مگر آپ بھی مندرجۂ بالا پتے پر انھیں ضرور لکھیے گا۔

میں اصل میں مبداء فیاض کا شاگرد ہوں۔ مگر اہل ظاہر کے خیال سے ابتدا میں منشی محمد رضا مرحوم معجز لکھنوی شاگرد خواجہ وزیر مرحوم سے کچھ دنوں اصلاح لی آخر منحرف ہوا۔ پھر لوگوں کے کہنے سے کچھ غزلیں داغ دہلوی کو دکھائیں سچ یہ ہے۔ کہ اُن کا انداز اصلاح کچھ دلپسند نہ ہوا۔ صاف آدمی ہوں۔ بے تکلف لکھ بھیجا کہ مجھے آپ کا انداز اصلاح ہرگز پسند نہیں اب خود کہوں گا۔ خود دیکھوں گا۔ بیچارے خاموش ہو رہے۔ چنانچہ ایک مدت دراز سے کسی کا شاگرد نہیں ہوں۔ یہ حقیقت ہے میری شاگردی کی۔ پھر صاحب مطلع بیچارہ مجھے کس کا شاگرد لکھتا اُس کے فرشتے بھی اس راز سے واقف نہیں۔ رہا عمر کا معاملہ وہ کچھ تصویر دیکھنے سے آپ سمجھ گئے کچھ میں عرض کرتا ہوں اس وقت سن میرا چھتیس سال کا ہے۔ آئندہ کس قدر ہو خدا جانے۔ زیادہ والتسلیم۔

ملتمسۂ نیاز
نواب خاقان حسین خاں عارف



جناب قیصر بھوپالی کا خط
حضرت محوی لکھنوی کے نام

بھوپال۔ موتیا پارک۔ ۲۰ فروری ۱۹۱۳ء

کتابِ مجمعِ احباب کردی چرخ نے ابتر
ورق جو چند باقی ہیں پریشاں ہوتے جاتے ہیں

جناب محوی صاحب السلام علیکم۔ والانامہ مع نظم کے آیا۔ کافر ہو جس نے آپ کے خط کا جواب نہ دیا ہو۔ میں خود دو تین خط بھیجکر اپنی قسمت کو بیٹھا رو رہا تھا کہ آج آپکا شکایت نامہ آیا مجھے آپ سے جس قدر دلی انس ہے۔ خدائے عزاسمہ اس کو جانتا ہے۔ میں آپ کی دوستی اور مہربانی پر فخر کرتا ہوں اور آپ کی علمی اور ادبی خدمات کا دل سے معترف ہوں۔

مولوی ابوالحسن صاحب سے دوسرے تیسرے ملاقات ہوجاتی ہے۔ آٹھویں نویں روز حضور احمدؐ بھی تشریف لاتے ہیں۔ مولوی صاحب بھی کرم فرماتے ہیں جب بھی ہماری انجمن پر اداسی چھائی رہتی ہے۔ کوئی لطف نہیں۔ شمع انجمن تو بزم احباب لکھنؤ پر روشنی ڈال رہا ہے یہاں اندھیرا نہ ہو تو کیا۔ بخدا بھوپال کا لا پہاڑ نظر آتا ہے۔ میرا قاعدہ تھا کہ چاہیے پھرتا پھرتا آپ کے مکان پر آجاتا کچھ دیر لطف سے بسر ہوتی۔ ایک دو مرتبہ اُدھر سے گزرا آپ کا اڈا خالی دیکھ کر نہایت قلق ہوا۔ اب یہ حال ہے کہ آج دس گیارہ دن ہوگئے گھر سے نہیں نکلا صبح سے شام کے بارہ ایک بجے تک اپنے مرگ چھالے پر بیٹھے رہنا اور پھر جاکر سو جانا۔ مولوی صاحب نہ معلوم کہاں اپنی کہنہ مشقی کے جوہر تیلنے چلے جاتے ہیں۔ حضور احمدؐ کا گھونسلا کاٹے کو دوڑتا ہے ارشد سے رہائی ہوگئی۔

ایک دن ہاف بوٹ پہنے فرش پر چڑھ دوڑے۔ جہاں میں بیٹھتا ہوں (بال) آئے۔ فقیر کا کمبل پڑا تھا اُس پر مع بوٹ سوار ہوگئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ہماری تہذیب و تمدن کو ٹھکرانے آئے ہیں۔ ہماری مشرقیت کی اس درجہ توہین کرتے ہیں۔ غصہ ہوگئے۔ ارشاد ہوا کہ یوروپین فرنیچر اپنے مکان میں رکھو ورنہ ہم سے دوستی نہ رکھو اُسی وقت تشریف لے گئے اور آجتک نہیں آئے۔

آپ کا خادم قیصر

جناب میر مہدی حسین صاحب ماہرؔ لکھنوی کا خط

حضرت انجمؔ نیشاپوری کے نام

مشفق مکرم و محترم زاد لطفہٗ - پس از تسلیم آنکہ - عنایت نامہ موصول ہوا - میں آپ کی یاد کا پہلے شکریہ ادا کرتا ہوں - ثانیاً بجواب امر دریافت طلب رقعہ مطبوعہ مجلس جو ابھی صاحب مجلس کو بلا کے حاصل کیا ہے ملفوف نیاز نامہ ہذا ارسال خدمت ہے اُس کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ میرے پڑھنے کی مجلس بتاریخ ۲۷ روز دوشنبہ کو ہوگی - روز یکشنبہ غلطی سے عرض کیا تھا - ثالثاً جو نام آپ نے تاریخی اپنی مصنفہ مثنوی کا قرار دیا ہے یعنی "درپرستان خواب" پہلے میں اُس کے نام ہی کی خوبصورتی خوش سیرتی کی بلاتصنع تعریف کرتا ہوں - اگرچہ مثنوی دیکھ کے زیادہ تر امید ہے کہ نام کے محاسن اور بھی کھلیں گے - جن کو فقط قرائن سے خیال کر کے اس نام کی میں نے تعریف لکھی ہے -

سید مہدی حسین ماہرؔ عفی عنہ

مکرر یہ کہ مراسم و محبت آخر کو عذاب جان ہو جاتے ہیں - یہ رقعہ لکھ ہی چکا تھا کہ اتفاقی نور چشم سید علی گوہر سلمہ بانیِ مجلس ثانی آئے چنانچہ اس مجلس کا رقعہ بھی ملفوف رقعہ ہذا حاضر خدمت ہوتا ہے - جہاں ۲۷ کو آپ نے اپنی محبت سے یاد رکھا تھا ۲۸ روز سہ شنبہ کو اور زیادہ یاد رکھئے گا بلکہ ضرور ضرور -

علاوہ میرے مراسم دیرینہ کے آپ کی قابلیت فن جس کو میں شاید خوب جانتا ہوں وہ خود بھی آپ کی زحمت دِہ ہے - میں ایک تنہا نہیں - نہ آپ ایسے ہوتے نہ اس قدر زحمت دی جاتی - اگر خیال منصفانہ فرمایئے تو زیادہ تر آپ کی تکلیف میں قصور آپ ہی کا ہے اسلئے کہ بحمد اللہ بعض دوست بلکہ اکثر ایسے بھی ہیں کہ میں اُن کو زحمت ایسی نہیں دیتا - باوجود علم دوستی کے اسی کو سمجھ لیجئے کہ یہ کیا معاملہ ہے -

مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

سید مہدی حسین ماہرؔ عفی عنہ

مسٹر ایم۔ مہدی حسن افادی الاقتصادی کا خط مولف کے نام

تحصیل ہنڈیہ الہ آباد   ۲۲ر جنوری ۱۹۱۳ء

پیارے جناب۔ آپ کے لطیف نکتہ خیز عنایت نامہ کی تعریف کروں تو ہم دونوں حاجی ہوئے جاتے ہیں۔ لیکن آپ کے خلوص کا اعتراف نہ کرنا میرے خیال مین لائق افسوس ناشکری ہوگی۔

کئی دن سے سوچ رہا تھا کوئی اچھا سا نام مل جائے تو آپ کی نذر کروں ملک میں فارسی کے ساتھ عربیت بھی باقی نہیں رہی۔ جن دنوں رواج تھا اس وقت بھی صرف و نحو تک توجہ محدود رہتی تھی۔ لٹریچر کے جاننے والے کم تھے۔ ان میں بھی تھوڑے ہی ایسے تھے جو اہل زبان کی طرح دو سطریں لکھ پڑھ سکیں۔ اس لئے اردو کی کم مائیگی۔ چنداں تعجب خیز نہیں۔ کیونکہ اس غریب کے پاس صرف مانگے تانگے کی چیزیں تھیں۔

لیکن میں نہایت خوش ہوں کہ مصری لٹریچر اس ناداری کی تلافی کی پوری قابلیت رکھتا ہے مغربی خیالات کے اظہار کے لیے اردو کو بہتر سے بہتر ذخیرۂ الفاظ و اصطلاحات مل سکتا ہے اگر مصر کے موجودہ لٹریچر پر ایک نگاہ ہو۔

مثلاً انگریزی میں۔ کلاسیگل لٹریچر یا کلاسیکس کے لیے کوئی لفظ نہیں تھا۔ عرب اسکی جگہ ادب القدما لکھتے تھے۔ اب ادب العالیہ۔ کلام الاساتذہ وغیرہ نہایت خوش ترکیب الفاظ ملتے ہیں۔ اسی طرح اکیڈیمی کے لیے جس کا مفہوم لٹریری جماعت ہے کوئی موزوں لفظ نہیں تھا۔ اب "مجمع الفصحا" "مجمع الحکما"۔ اور اسی سے ملتی جلتی بہتیری ترکیبیں ہیں۔ جو موقع کے لحاظ سے معمولی تصرف کے ساتھ کام میں آسکتی ہیں۔ آپ کے خاص مرقع انشاپردازی کے لیے "خیالات اساتذہ" یا کچھ اور بڑھیے تو تحریر اساتذہ میرے خیال میں بہت موزوں ہوگا۔ میں نے عربی ترکیب نظر انداز کی ہے۔ کیونکہ شاید آپ کی لطافت طبع "ال" کا ثقل نہ برداشت کرسکے۔

میں چاہتا ہوں مجھ میں آپ میں جلد سمجھوتہ ہو جائے۔ میں نثر کا دلدادہ آپ نثر کے ساتھ شائق نظم بھی ہیں۔ لیکن میں سننا چاہتا ہوں کہ ملک کے حکمائے ادب میں سے آپ سب سے

زیادہ کسے پسند کرتے ہیں۔ شعرا اس دائرہ سے علیحدہ ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ چلی جائے۔

آپ کا مہدی

جناب مولوی محمد سعید صاحب انسپکٹر پولیس مرزا پور کے نام

ہنڈیہ الہ آباد ۱۲ر جنوری ۱۹۱۳ء

پیارے سعید۔ مدت کے بعد یاد فرمائی کا شکریہ۔ لفافہ کھولا تو سواد خط آشنائے نگاہ معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے نام نہیں دیکھا۔ کیونکہ خیال تھا کہ لٹریچر خود ہی لکھنے والے کی غمازی کریگا۔ آشفتہ رفتہ تحریر کی برجستگی سے بمشکل لطف اٹھانے پایا تھا کہ دفعۃً آنکھوں کے سامنے ایک نام آیا جسے اب بھی مرحوم لکھنا نہیں چاہتا۔

بھائی تم نے اپنی معرفی کی تکلیف کیوں اٹھائی؟ میں جیتے جی تم کو بھول سکتا ہوں پچھلے "مشرق" میں مولانائے عصر کی وفات دیکھی اور سوچ رہا تھا کہ تعزیت کا خط کسے بھیجوں۔ جہاں تک تمہارے خاندان کا تعلق ہے ایک ایک نے ترک رفاقت کی صرف "یاد ایام" رہ گئی! شکر ہے کہ تم بچ نکلے۔ اچھا میری طرف سے بوڑھے بادا کا پرسا دو اور میری بہترین ہمدردی اپنے بچے کھچے خاندان تک پہنچاؤ۔

تم نے ریاض کا نام لے کر میرے دل پر دوسری چوٹ لگائی ؎

وہ گلیاں یاد آتی ہیں جوانی جنمیں کھوئی ہے

بڑی حسرت سے لب پر ذکر گورکھپور آتا ہے

پچھلی صحبتیں خواب و خیال ہوگئیں۔ ملنے والے نہیں رہے جو ہیں وہ ملنے کے قابل نہیں ہیں۔ کہاں وہ گذشتہ چہل پہل دنیا قدموں کے نیچے تھی۔ خدا بخشے یٰسین۔ طٰہٰ۔ شفاعت۔ کس کس کو گناؤں۔ بڑے بوڑھے بھی سر سے اٹھ گئے۔ مسجد رہی نہ میکدہ رہا۔ میرے تمہارے حصہ میں صرف فاتحہ خوانی رہ گئی۔ اس کے لئے بھی اطمینان نہیں رہا۔ ضرورتوں نے گھر سے باہر نکالا۔ اور ٹوٹے ہوئے شیرازے کی طرح بکھرے اور اس طرح بکھرے کہ خدا ہی ملائے۔ ع

دوستاں رفتند و من ہم میروم

بس یہی باقی ہے۔

ہمیشہ آپ کا

مہدی

جناب مولوی عبدالرزاق صاحب مولفؔ البرامکہ کے نام

مرزاپور۔ ۱۵ر فروری ۱۸۹۹ء

مکرمی۔ میں نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے امور مستفسرہ سے متعلق مجھ کو تفصیلی اطلاع دی۔ میں آپ کی علمی کوششوں کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ملک میں ایسے لکھنے والے پیدا ہو جائیں گے جو وسعت نظر اور مذاق تالیف کے اعتبار سے یورپ کے بڑے بڑے مورخین سے پہلو بہ پہلو ہوں۔ میرا خیال ہے ملکی لٹریچر کی ترقی صرف اس اصول پر ممکن ہے کہ زمانہ کی روز افزوں ترقی کے لحاظ سے اس میں وہ وسعت پیدا کی جائے جو قوم فاتح کے لٹریچر اور اُس کی مختلف شاخوں میں ہو یعنی زبان کو فلسفہ اور علوم نظری کے اکثر نہیں تو بعض اجزا سے مانوس کیا جائے اور گو ابتداً یہ ممکن نہیں ہے کہ مساوی طور پر علم کی اکثر شاخوں میں ہم متوازی ترقی کر سکیں تاہم بعض اجزا جن سے فطرتاً یا اکتساباً قوم کے افراد کو مناسبت ہو۔ اس قابل ہیں کہ ہمارے لٹریچر میں جذب کر لیے جائیں۔

بوجوہ تاریخی فلسفہ پر ترتیباً میری نگاہ سب سے پہلے پڑتی ہے اور شکر ہے۔ جہاں تک آپ لوگوں کی کوششوں کا دخل ہے بعض نہایت مفید پیش قدمیاں ہوئی ہیں۔

آثار العجم کے لئے موقعے نہایت ضروری تھے۔ اب آپ اس پیمانے پر اس کو تکمیل کہ کسی وقت میں مستقل آرٹیکل کی حیثیت سے ایک جداگانہ رسالہ شائع کرنا ممکن ہو۔

نظام الملک طوسی کی لائف ترتیباً میرے خیال میں مناسب ہو گا اگر آپ پہلے شائع کریں۔ وزراء اسلام کے سلسلہ کی تکمیل ہو گی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ ایک صحیح مذاق تالیف کے ساتھ یورپ کے سرمایہ سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ آج کل کے تاریخی فلسفہ کے لیے لازم سا ہے کہ مشرقی زبانوں کے ساتھ ہی مغربی طرز خیال سے ایک مورخ مذاق آشنا ہو۔ ورنہ تالیف میں مورخانہ رنگ نہ ہو گا۔ بہر حال آپ کی نہایت اہم اور وسیع کوششوں کے لیے میری بہترین خواہشات آپ کی شریک ہیں۔

"تمدن عرب" پر ضرور ایک غائر نظر ڈالیے۔ میں بہت ہی گرویدہ ہوں اور چاہتا ہوں اور بھی ہم خیال ہوں۔

آپ کا خادم

مہدی حسین

چنار — یکم مئی ۱۸۹۹ء

میرے پیارے۔ تکرر یاد فرمائی کا شکریہ۔ میں آپ کے پہلے خط کا جواب اس سے پیشتر صرف اس لیے نہ لکھ سکا کہ حمید[۱] کا پرسا دینا تھا اور میری طبیعت کی خاص حالت کے لحاظ سے ایک ایسا غیر خوش آیندہ فرض تھا جس سے آج تک سبکدوش نہ ہو سکا۔ حوادث سب ہی اپنی اپنی جگہ غیر متوقع ہوتے ہیں مگر بعض نوعیت کے دیکھتے کسی طرح لایق صبر نہیں۔ لیکن غور کیجیے تو دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت اُسی وقت تک ہے کہ پیش نہ آئے جب گزر گئی تو کچھ نہیں! میں اس وقت تجدید غم کرنے نہیں بیٹھا۔ مگر یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ میری بہترین ہمدردی جہاں ہوں جس حالت میں ہوں۔ آپ کے ساتھ ہے۔ امید ہے وقت نے آپ کے افکار رفتہ رفتہ گھٹائے ہوں گے۔ اور آپ کے تمام جذبات اُس اعلیٰ ہستی کی مرضی کے تابع ہوں گے۔ جو میرے آپ کے وجود کی مصنف ہے۔ اگر بقائے روح کوئی چیز ہے تو فنائے ظاہری صرف نقل مقام یا فلسفیانہ طور پر دیکھئے تو محض تبدیل ہیئت ہے۔ ایک چیز آج آپ کے پاس ہے کل کہیں اور ہوئی۔ کچھ اور ہوئی مگر ہو گی! اور یہی خیال ہے جو ٹوٹی کمر کو خدا سہارا دیتا ہے ہم پھر اس سے مل لیں گے جو بے پوچھے ہم سے ذرا پہلے آگے گیا۔ میں یہاں پلیگ کا مارا ہوا نہیں مگر ستایا ہوا پڑا ہوں وطن (گورکھپور) اور پردیس (مرزاپور) ایک سے ایک بدتر۔ نہایت کثرت سے روانگیاں جاری تھیں۔ اور میں اپنی خواہش کے خلاف کسی قدر قبل ازوقت دھکے کھا کر نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی اس طرح کہ

پا بدستے دگرے دست بدستے دگرے

سچ یہ ہے کہ پلیگ میں مرنا آسان ہے۔ مگر اُس سے بچنا بچانا۔ رکھ رکھاؤ سوز ندگیاں چاہتا ہے یہ تقریب ہے میرے قیام چنار کی۔ سنتا ہوں کانپور میں بھی کچھ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی اس لئے خلش ہے۔

دیوان حافظ کی ایک جلد ضرور بھجوایئے۔ مگر خوش وضع۔ خوش لباس اور نہایت صاف ستھری جو اوروں میں انتخاب ہو حسنُ سیرت کا کیا کہنا۔ مانی ہوئی بات ہے۔ مگر منشی رحمت اللہ رعد سے کہئے میں ذرا صورت کی اچھی بھی چاہتا ہوں! بڈھا بھی ہو کر جوان ہی رہوں گا۔ یعنی خیالات شاید ہی بدلیں۔ گو الفاظ بدل جائیں گے۔

---

[۱] ۔ مولانا عبدالرزاق صاحب کی اولاد نرینہ میں صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ جس کا عبدالحمید نام تھا اُس کے انتقال پر یہ تعزیت نامہ لکھا گیا۔ مولف ۱۲

یہ خیابانِ فارس کیا چیز ہے۔ میری بے خبری دیکھیے گا۔ نام تو شاعرانہ ہے۔ کہاں ہاتھ آئیگی۔ مول تول کس سے ہوگا؟ الغزالی کے ہاتھوں سے بہت خوش ہوا۔ یہ کا پیاں "لاعین" کی مصداق ہوں گی۔ اُن میں سے ایک میرے لیے محفوظ کر لیجیے۔ رکھی تو خوب ہوگی؟ موضوع دلچسپ ہی نہیں بلکہ وسیع بھی ہے۔ لیکن ایک بات ہے وہ ساتھ ہی ساتھ علم کلام پر مستقلاً بھی کچھ لکھ رہے ہیں۔ جس کا ایک حصہ غالباً تیار ہے۔ ایک مشترک موضوع پر دو جگہ قلم آزمائی۔ پہلی تالیف کا نقصان نہ کردے۔ یعنی غزالی کو لکھتے ہوئے کچھ چھوڑتے جاتے نہ گئے ہوں۔ کہ دوسری تالیف کے لئے لگا رکھو کہ وہاں زیادہ پھیل پڑیں گے۔ بہرحال! اپنی رائے لکھئے جس سے کچھ اندازہ کرسکوں گا۔ میں آج کل کے مصنفین میں اس شخص کے خاص طرز تحریر اور ظریفانہ زبان کا اسقدر شایق ہوں کہ جی چاہتا ہے کسی ایک موضوع پر کم سے کم ہزار صفحے دیکھتا! مگر افسوس وہ مطمئن نہیں معلوم ہوتے۔ سید علی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دوستاں رفتند من ہم مے روم"

حیدرآباد سے نفرت ہوگئی۔ وہاں چوڑی۔ مہندی۔ کاجل مسّی کی مانگ ہے۔ اور یہ متاعِ بازاری غریب شبلی کے پاس کہاں؟

میں نہایت خوش ہوا کہ آپ نے میرے مضمون کو دلچسپی سے دیکھا۔ پروفیسر شبلی نے بھی بہت ہی فیاضانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سچ یہ ہے قاموس الاسلام اور اورنٹیل لائبریری کی تدوین ایک سے ایک ضروری ہے۔ اس لیے نہیں کہ ابتدائی تحریک میری طرف منسوب کی جاتی ہے۔ بلکہ فی نفسہٖ

اکبر نورتن کے مقابلہ میں پنجتن آصفی جن کے نام گنا تا رہتا ہوں بہت کچھ کرسکتا تھا۔ مگر کوئی ایسا نہیں جو ان سب کی تکمیل ہاتھ میں لے۔ سب نمک خوار ریاست تھے۔ جان لڑا دیتے ورا نگاہ اُٹھ جانے کی ضرورت تھی بہرحال سبجکٹ کے وقیع ہونے میں شک نہیں۔ رہی میری تحریر اگر اصلاح و ترمیم کی نظر سے دیکھ لیجیے تو رسالہ کی صورت میں شائع کردون کانفرنس میں شائع کرنے سے پہلے "البشیر" میں چھیڑ چھاڑ جاری رکھنے کی ضرورت تھی۔

جس دلچسپی سے میں آپ کی تحریریں دیکھتا اور بار بار پڑھتا ہوں اُس کے لحاظ سے مجھے ہمیشہ مفصل لکھئے میں آئندہ جلد جلد لکھتا رہوں گا۔

فدائی مہدی

مرزاپور ۱۶ جون ۱۸۹۹ء

میرے پیارے جناب۔ باوصف اس قوی تعلق کے جو مجھ کو آپ سے ہے مجھے افسوس ہے کہ آپ کو جلد جلد نہیں لکھ سکا۔ کچھ مطالب کی خبریں سنائیے۔ ...... فرمایئے ناگری کی مشق شروع کردی ؟ میں بہت خوش ہوں کوئی فرزند نہیں رکھتا۔ ورنہ آپ ایسے مولویوں کے مقابلے میں ہماری دوسری نسلیں "رہما اوپدھیا" ہوں گی۔ افسوس! ستم ظریفی دیکھیے ہم سے پاجامے اُتروائے جاتے ہیں۔ گر اصرار ہے کہ دھوتی باندھو۔ حالانکہ پتلون کہیں زیادہ نٹ کرتے۔ ناگری سے رومن کیریکٹر پھر بھی وقعت کی چیز تھے !! افسوس۔

فدائی مہدی

مرزاپور ۱۱ر جولائی ۱۸۹۹ء

پیارے جناب۔ آپ کے مفصل والا نامے کا جواب اتنے دنوں کے بعد آپ کو تعجب ہوگا لیکن سچ یہ ہے کہ میں اس درمیان میں زیر رخصت تھا اور بہت زیادہ مطمئن نہیں رہا۔ تاخیر کی معافی چاہتا ہوں بہت خوش ہوا آپ نے قیمتی تالیف (حیات جاوید) کے لیے قیمتی رائے کا اظہار کیا۔ خدا کرے جلد شائع ہو اور میں آپ کی عالمانہ تقریب کے بعد حالی کے دل و دماغ کے نتائج سے مستفید ہو سکوں۔ ہاں۔ میں البرامکہ کی طبع ثانی کے لیے آپ کی خدمت میں اپنے نوٹ بھیجوں گا یہ ایک خوش آیند فرض ہوگا۔ اور امید ہے آپ ایک نوعمر شخص کی مبتدیانہ کوشش کو چنداں غیر وقیع نہ سمجھیں گے۔ البرامکہ کی جلدیں صرف اس لیے یہاں نہ نکل سکیں کہ پڑھنے والوں کا توڑا ہے۔ مسلمان تھوڑے ہیں ان میں بھی تھوڑے ایسے ہیں جو علمی مشاغل کو سرمایۂ زندگی سمجھتے ہوں۔ اس لیے آپ ایسوں کی طرف سے کوئی شغلہ علمی آپ کی فیاضی ہے ورنہ ہم (یعنی بدنصیب مسلمان) کہیں سے اس کے مستحق نہیں۔ جو لوگ برف کے ٹکڑے دن بھر سلگائی جائے وہ جل چکی! تاہم اپنی سی کیے جایئے ..... مہدی

مرزاپور ۷ نومبر

پیارے مولانا رزاق۔ مدت ہوئی مراسلات کا سلسلہ کچھ منقطع سا ہو گیا ہے۔ اور گو میں ہمیشہ سبقت کا عادی ہوں۔ تاہم افسوس ہے کہ آپ کو خود کبھی لکھنے کا خیال نہیں آیا۔ میری خاموشی غالباً اس وجہ سے تھی کہ سردست کوئی غرض باقی نہیں رہی تھی۔

حیات جاوید میں نے پڑھی اور بہت خوش ہوا کہ اشاعت سے پہلے جن الفاظ میں آپ نے اس تالیف کی فیاضانہ تقریب کی تھی۔ میں صرف متفق ہی نہیں بلکہ آپ کی رائے کو عزت کی

نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ آپ کی طرح ملک میں اور اہل قلم اگر شریف النفس ہوتے تو حالی کو اپنی کاوش کی داد مل جاتی۔ متعدد ریویو اس وقت تک نکل گئے ہوتے۔ خود علی گڈھ میں میں نے دیکھا۔ بڑے لوگوں کو حیات جاوید کی طرف جوش التفات اس لیے نہیں ہے کہ وہ اُنکے دماغ کی پیداوار نہیں ہے۔ سلیم کا ریویو کچھ پسند نہیں آیا۔ فرصت ہو تو کچھ لکھ ڈالیئے۔

مہدی

تحصیل منجھن پور الہ آباد ۲۱ر دسمبر ۱۹۰۵ء

پیارے مولانا۔ کچھ یاد ہے؟ جان نثاروں میں ایک مہدی بھی تھا۔ جسے آپ مرزا پور کے پتے سے کبھی کبھی لکھتے رہتے تھے۔ قریب قریب دو سال ہوئے قطع تعلق سا ہو گیا ہے۔ جس کا غالباً آپ سے زیادہ میں ذمہ دار ہوں لیکن میں آج کل اسکا مصداق ہو رہا ہوں ؂

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
ہو گئے خاک انتہا یہ ہے

میری نہایت پیاری بیوی نے چند روزہ علالت کے بعد ترک رفاقت کی اور میں دنیا میں گویا تنہا رہ گیا۔ وہ بلحاظ اوصاف میری انتہائی تخیل کی تصویر مرقع تھی بعض حادثے کسی طرح لایق صبر نہیں ہوتے اس لیے بہت افسردہ رہتا ہوں۔ کل ایک دوست سے دفعتہ معلوم ہوا کہ آپ کی دوسری تالیف نہایت اہتمام سے شائع ہو گی۔ اپنی بیخبری سمجھ میں نہ آئی اور نہ کوئی اطلاع کسی اخبار میں نظر سے گذری۔ اس لیے تعجب ہے۔ خدا کرے صحیح ہو۔ آپ کے گذشتہ خطوں کا فائل نکالا جو میری زندگی کا تاریخی سرمایہ ہے۔ سب سے پہلی تحریر ۸ر مئی ۱۹۰۳ء کی ہے جس میں آپ نے امید دلائی تھی کہ اکتوبر تک نظام الملک کی لائف ختم ہو جائیگی۔ قیاس چاہتا ہے یہی شائع ہو۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں تقریظ مثنوی روم دو سال سے رعد کے قبضۂ غضب میں ہے۔ کچھ آپ فرما سکتے ہیں کب تک شائع ہو سکے گی جواباً ذرا تفصیل سے یاد فرمایئے۔

ہمیشہ آپ کا مہدی حسن

منجھن پور الہ آباد ۵ر جنوری ۱۹۰۶ء

پیارے مولانا رزاق۔ آپ نے میرے خط کے جواب میں ایک حد تک معشوقانہ کج ادائی برتی۔ اور گو زری پابندی کسی امر کی ہو صرف بھدی طبیعتوں کا خاصہ ہے۔ تاہم اتنی بے پروائی ٹھیک نہیں کہ کہنے کو ہو۔ ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری، جب تک خط نہیں طرح طرح

مرزا پور ۱۶ جون ۱۸۹۹ء

میرے پیارے جناب۔ با وصف اُس قوی تعلق کے جو مجھ کو آپ سے ہے مجھے افسوس ہے کہ آپ کو جلد جواب نہیں لکھ سکا۔ کچھ مطالب کی خبریں سنایئے۔...... فرمایئے ناگری کی مشق شروع کر دی؟ میں بہت خوش ہوں کوئی فرزند نہیں رکھتا۔ ورنہ آپ ایسے مولویوں کے مقابلے میں ہماری دوسری نسلیں "رمہا اوپدھیا" ہوں گی۔ افسوس! ستم ظریفی دیکھئے ہم سے پاجامے اُتروائے جاتے ہیں۔ مگر اصرار ہے کہ دھوتی باندھو۔ حالانکہ پتلون کہیں زیادہ فٹ کرتے۔ ناگری سے رومن کیریکٹر پھر بھی وقعت کی چیز تھے!! افسوس۔

فدائی مہدی

مرزا پور ۱۱ جولائی ۱۸۹۹ء

پیارے جناب۔ آپ کے مفصل والا نامے کا جواب اتنے دنوں کے بعد آپ کو تعجب ہو گا لیکن سچ یہ ہے کہ میں اس درمیان میں زیر رخصت تھا اور بہت زیادہ مطمئن نہیں رہا۔ تاخیر کی معافی چاہتا ہوں بہت خوش ہوا آپ نے قیمتی تالیف (حیات جاوید) کے لیے قیمتی رائے کا اظہار کیا۔ خدا کرے جلد شائع ہو اور میں آپ کی عالمانہ تقریب کے بعد حالی کے دل و دماغ کے نتائج سے مستفید ہو سکوں۔ ہاں۔ میں "البرامکہ" کی طبع ثانی کے لیے آپ کی خدمت میں اپنے نوٹ بھیجوں گا یہ ایک خوش آیند فرض ہو گا۔ اور امید ہے آپ ایک نوعمر شخص کی مبتدیانہ کوشش کو چنداں غیر وقیع نہ سمجھیں گے۔ البرامکہ کی جلدیں صرف اس لیے یہاں نہ نکل سکیں کہ پڑھنے والوں کا توڑا ہے۔ مسلمان تھوڑے ہیں ان میں بھی تھوڑے ایسے ہیں جو علمی مشاغل کو سرِ زندگی سمجھتے ہوں۔ اس لیے آپ ایسوں کی طرف سے کوئی مشغلۂ علمی آپ کی فیاضی ہے ورنہ ہم (یعنی بدنصیب مسلمان) کہیں سے اس کے مستحق نہیں۔ جو لوگ برف کے ٹکڑے دن پر لگائی جائے وہ جل چکی! تاہم اپنی سی کیے جایئے...... مہدی

مرزا پور ۷ نومبر

پیارے مولانا رزاق۔ مدت ہوئی مراسلات کا سلسلہ کچھ منقطع سا ہو گیا ہے۔ اور گو میں ہمیشہ سبقت کا عادی ہوں۔ تاہم افسوس ہے کہ آپ کو خود کبھی لکھنے کا خیال نہیں آیا۔ میری خاموشی غالباً اس وجہ سے تھی کہ سرِ دست کوئی غرض باقی نہیں رہی تھی۔

حیات جاوید میں نے پڑھی اور بہت خوش ہوا کہ اشاعت سے پہلے جن الفاظ میں آپ نے اس تالیف کی فیاضانہ تقریب کی تھی۔ میں صرف متفق ہی نہیں بلکہ آپ کی رائے کو عزت کی

نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ آپ کی طرح ملک میں اور اہل قلم اگر شریف النفس ہوتے تو حالی کو اپنی کاوش کی داد مل جاتی۔ متعدد ریویو اس وقت تک نکل گئے ہوتے۔ خود علی گڈھ میں میں نے دیکھا۔ بڑے لوگوں کو حیات جاوید کی طرف جوش التفات اس لیے نہیں ہے کہ وہ انکے دماغ کی پیداوار نہیں ہے۔ سلیم کا ریویو کچھ پسند نہیں آیا۔ فرصت ہو تو کچھ لکھ ڈالیے۔

مہدی

تحصیل منجھن پور الہ آباد ۳ر دسمبر ۱۹۰۵ء

پیارے مولانا۔ کچھ یاد ہے؟ جان نثاروں میں ایک مہدی بھی تھا۔ جسے آپ مرزا پور کے پتے سے کبھی کبھی لکھتے رہتے تھے۔ تقریب قریب دو سال ہوئے قطع تعلق سا ہو گیا ہے۔ جس کا غالباً آپ سے زیادہ میں ذمہ دار ہوں لیکن میں آج کل اسکا مصداق ہو رہا ہوں ؎

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
ہو گئے خاک انتہا یہ ہے

میری نہایت پیاری بیوی نے چند روزہ علالت کے بعد ترک رفاقت کی اور میں دنیا میں گویا تنہا رہ گیا۔ وہ بلحاظ اوصاف میری انتہائی تخیل کی تصویر مرقع تھی بعض حادثے کسی طرح لائق صبر نہیں ہوتے اس لیے بہت افسردہ رہتا ہوں۔ کل ایک دوست سے دفعتہً معلوم ہوا کہ آپ کی دوسری تالیف نہایت اہتمام سے شائع ہو گی۔ اپنی بے خبری سمجھ میں نہ آئی اور نہ کوئی اطلاع کسی اخبار میں نظر سے گزری۔ اس لیے تعجب ہے۔ خدا کرے صحیح ہو۔ آپ کے گزشتہ خطوں کا فائل نکالا جو میری زندگی کا تاریخی سرمایہ ہے سب سے پہلی تحریر ۸ مئی ۱۹۰۲ء کی ہے جس میں آپ نے امید دلائی تھی کہ اکتوبر تک نظام الملک کی لائف ختم ہو جائیگی۔ قیاس چاہتا ہے یہی شائع ہو علامہ شبلی لکھتے ہیں تقریظ مثنوی روم دو سال سے رعد کے قبضہ غضب میں ہے۔ کچھ آپ فرما سکتے ہیں کب تک شائع ہو سکے گی جواباً ذرا تفصیل سے یاد فرمائیے۔

ہمیشہ آپ کا مہدی حسن

منجھن پور الہ آباد ۵ر جنوری ۱۹۰۶ء

پیارے مولانا رزاق۔ آپ نے میرے خط کے جواب میں ایک حد تک معشوقانہ کج ادائی برتی۔ اور گورنری پابندی کسی امر کی ہو صرف مجدی طبیعتوں کا خاصہ ہے۔ تاہم اتنی بے پروائی ٹھیک نہیں کہ کہنے کو ہو۔ "ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری" جب تک خط نہیں لکھا طرح طرح

کے وسوسے گزرے آپ کی خاموشی کو دُور از حال میں قریب قریب دائمی سکوت سمجھنے لگا تھا کیونکہ ظاہراً مولف البرامکہ و نظام الملک کی نسبت یہ احتمال نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ جینیٹی گلیڈ اسٹون کی طرح بواپسی ڈاک نہ سہی میرے سے جواب لکھنے میں پہلو تہی کریگا۔ بہرحال اب پھر آپ میری گرفت کے زیر اثر ہیں۔ اور میں اس دفعہ آپ کو جلد چھوڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے تین صفحہ کی تحریر میں اپنی تالیف موعود سے متعلق صرف تین سطریں لکھیں۔ میرے لئے یہ کافی نہیں ہے مفصل لکھیئے کتنے اجزا تو یہ صفحے چھپنے کے لیے باقی ہیں (اجزا کا حساب میری سمجھ میں نہیں آتا) الکلام کی جلد ثانی قسم اول مجلد آپ نے دیکھی ہوگی۔ پورے کپڑے میں طلائی حاشیوں کے ساتھ ٹائپ میں نام بھی تھا اگر یہ کانپور کا اہتمام نہ ہو تو میں اپنی کتاب غیر مجلد پسند کروں گا۔ یعنی وہ دوشیزہ کاغذی دست غیر کی مس کردہ نہ ہو اور بالکل قدرتی حالت میں میرے پاس آئے۔

الندوہ تو آپ ضرور دیکھتے ہوں گے کیونکہ آپ لوگوں کا پرچہ ہے مجھے بھی خریداری کا شرف حاصل ہے۔ پرچے پر تو مٹا ہوا ہوں مگر نام پسند نہیں جس سے غیر ضروری سنجیدگی کے ساتھ ایک ساکن اور غیر متحرک شے خیال میں آتی ہے۔ بہرحال یہ نام کھٹکتا ہے۔ شبلی کے تعلق سے الجامع زیادہ موزوں ہوتا۔ تب بھی ندوہ ہی کا پرچہ رہتا۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ گول گول ندوہ کہے گا الندوہ کے ساتھ شبلی پر ریویو کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ تاہم میں نے مفت جرأت کی ہے۔ سولہ صفحے ہو گئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہاں بھیجوں۔ البشیر کمبخت بہت بے قاعدہ ہو گیا ہے۔ میرے طفلانہ خیالات سے شبلی اور آپ دونوں ہنسیں گے تاہم شائع کر دینا چاہتا ہوں۔

دیکھئے پھر آپ نے سکوت اختیار کیا تو اس تحریر کو میری طرف سے الٹی میٹم سمجھئے۔ اس لفظ کی اردو تو سرسری بھی معلوم نہیں۔ میں گو دائرہ مصنفین میں داخل نہیں ہوں۔ تاہم حاشیہ نشینوں میں ہوں۔ آپ کی دلچسپی کے لئے اس قدر کافی ہے۔ کبھی کبھی یاد کرنا ہوگا۔

آپ کا ہوں مہدی

منجھن پور الہ آباد ۲۶/ اپریل ۱۹۰۶ء

مکرمی۔ جلد یاد فرمانے کا شکریہ۔ یہ تو آپ نے بری سنائی کہ کاتب علیل ہے۔ خدا کرے جلد سنبھل جائے۔ اور کام چل نکلے۔ اس سے خوش ہوا کہ آپ نے خیام کو اپنی جدید کلاسکل تالیف میں جگہ دی۔ آپ کا ضمنی اظہار خیال بالکل وقت کی چیز ہوگا۔ ہاں یہ مانے لیتا ہوں کہ ریویو کرتے وقت آپ نے ؛ —

(۱) فٹزجرالڈ کے ترجمہ کا نوٹس لیا ہوگا جس کے ترجمہ منظوم نے یورپ میں ہل چل ڈالدی ہے خیام کی مختصر لائف جو اُس نے لکھی ہے وہ بھی پیش نظر ہوگی۔

(۲) بوڈلین لائبریری کا قدیم نسخہ بھی پیش نظر ہوگا جس میں اصلی مسودات کا فوٹو اور ترجمہ کے ساتھ نوٹ اور حواشی وغیرہ ہیں۔

(۳) خیام کے فلسفہ زندگی کے تحت میں آپ نے ہستی انسانی کے فلسفہ منفی اور اثباتی پر یعنی یسیمی مسلک اور آپٹی مسلک حیثیت سے بھی ایک نظر ڈالی ہوگی جس کے دائرہ میں تصوف بھی آجاتا ہے۔ میری غرض تفصیلی انتقاد سے نہیں ہے۔ نہ ایک ضمنی تذکرہ میں اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ مگر خیام کو پیش کرتے وقت کم سے کم یہ مسائل جو شاعر کے خیالات سے لگے لپٹے ہیں گنانے ہوں۔ یہ ناگزیر سا ہے۔ کہ چشم سخن ان باتوں کی طرف اشارے کرتی جائے چند سطروں میں سہی۔ اور میں کچھ عذر نہیں سنوں گا! بیشک میں اپنے حدود سے باہر ہوتا جاتا ہوں۔ مگر کیا کروں جی نہیں مانتا۔

ایک دوست جو اتفاق سے یہاں ہاتھ آگئے ہیں اور نہایت صحیح مذاق تاریخی رکھتے ہیں۔ میرے سر ہیں کہ تصریحات ذیل سے آپ کو اطلاع دی جائے۔ اُن کا خیال ہے کہ آل سلجوق کی لائف اگر مستقلاً لکھی جائے تو ایک ذمہ داری کے لحاظ سے بار زیادہ پڑتا ہے دوسرے نرے روکھے پھیکے تاریخی سلسلے کے علاوہ وہ دلچسپیاں پیدا کرنی ہوں گی جو البراِمکہ اور (انشاءاللہ) نظام الملک طوسی کا خاص حصہ ہیں لیکن اگر یہی آل سلجوق ضمیمہ کی حیثیت سے آپ کی تالیف ثانی کا ایک جزو ہو جائے تو "وضع الشئے فی غیر محلہ" کا مصداق بھی نہیں ہوگا اور ساتھ ہی کتاب نہایت جامع اور وزنی ہوتی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے سو ڈیڑھ سو صفحے تیار ہوں گے جن کا شمول ترتیباً آسانی سے ہوسکتا ہے۔ یہ خیال نیا نہیں آپ خود بھی ادھر متوجہ ہو چکے ہیں اور گو اب وقت شاید نہیں رہا۔ تاہم یہ تحریک اس لائق بھی کہ کم سے کم آپ سے تذکرہ ہو جائے۔

ہاں "تہدیہ" بے تکلف منظور کر لیجیے۔ ڈیڈیکیشن صرف اُس کی بگڑی ہوئی صورت معلوم ہوتی ہے خفیف اختلاف صوت سے قطع نظر کر لیجیے۔ تو مادہ لسانی دونوں کا مشترک اور یہ خود ایک کافی سفارش ہے......

آجکل قحط کے دورہ میں پریشان ہوں۔ چار دن کی اجازت مانگی تھی نہیں ملی کاش کہ

"دارالاسلام" نہ دیکھ سکوں گا۔ جس کا افسوس ہے معلوم نہیں کچھ ممبری کی فیس بھی ہے یا نہیں "بوسہ بہ پیام" ہی کی حیثیت سے شریک ہوجاتا۔ فارسی شاعری کی قدرتی تاریخ سے متعلق جس "مبسوط لکچر کی امید دلائی گئی ہے۔ اگر اُس کا وجود صرف "متوج ہوائی" (یعنی تقریر) تک محدود نہ ہو تو اور کوئی چھپی چھپائی چیز بھی لائق حصول ہو تو بھجوا دیجیے گا۔ علمی نمایش کی خوش قسمتی کہ شبلی سا سکریٹری ہاتھ آیا ورنہ نئے عالم کسی پلپے کے ہوں میرے منھ میں خاک! ڈھاک کے تین پات سے زیادہ آج کل وقعت نہیں رکھتے مجھے رشک ہے کہ آپ اُن خوش نصیبوں میں ہوں گے جن کا دپیمانہ دماغ فارسی شاعری کی محققانہ تاریخ اور فلسفۂ شاعری کے دقیق رموز سے لبریز ہو گا" ایک دوسرے موقع پر کہا گیا ہے کہ "دنیا کو موازنۂ دبیر و انیس کا انتظار کرنا چاہیے" یہ فقرے چونکہ شاعرانہ تعلّی نہیں ہیں بلکہ استحقاق معلّم اول کے قلم سے نکلے ہیں جو ہزار ہا تربیت یافتہ دماغوں کا حکمراں ہے۔ اس لئے خاص کیفیت سے خالی نہیں آپ بھی انھیں کے خلیفہ ہیں۔

آثار العجم! خوب یاد آیا۔ الندوہ کے ہاں تصویریں داخل شرک ہیں۔ البیان بھی اسی ہ میں ہے ؎

بار عصیاں ہے سر پہ واعظ کے

یا عمامہ ہے کئی من کا

اور پرچے طالبعلمانہ! آپ کے لئے موزوں نہیں۔ ختم کر لیجئے تو ایک مستقل رسالہ شائع کر دیا جائے دیوان شبلی کی قطع اور موزونیت کا!

حضرت رعد کہیں ملیں تو میری تسلیم۔ تقریظ مثنوی کتنی چھپی اور کتنی باقی ہے؟

آپ کا فدائی مہدی

منجھن پور الہ آباد ۱۱ رجون ۱۹۱۶ء

مگر فلسفہ تاریخ کی ایک شاخ یہ بھی ہے کہ لائق لوگوں کے خطوں کے مجموعے شائع کئے جائیں۔ جن سے انسانی فطرت کے رازہائے سربستہ کی عقدہ کشائی ہوتی رہتی ہے یورپ میں اس کا رواج ہے۔ یہاں تک کہ دوستوں کے پرائیویٹ اور دلچسپ مراسلات بھی چھاپے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں تو شاید ہی اس کی نوبت آئے لیکن اگر کبھی ایسا ہوا اور مؤلف البرامکہ کے خطوط کی مانگ ہوئی تو میں سمجھتا ہوں میرا ذخیرہ لٹریری حیثیت سے بہت دلچسپ ہو گا یہ خیال مجھ کو آپ کی سب سے پچھلی تحریر سے پیدا ہوا۔ شبلی کو میں نے قصداً اس سلسلے سے خارج رکھا ہے۔ وہ بڑی چیز ہیں! اور گو بہ دیر ڈاک جواب دینے کے عادی ہیں۔ تاہم اکثر کارڈ

پر ٹلتے رہتے ہیں۔ لیکن کارڈ میں گنجایش بہت ہوتی ہے جیسے چنے کی ایک دال پر قل ہو اللہ لکھی ہوا......

وقار الامرا کی موت ایک قومی نقصان ہے جس کی تلافی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جبتک سر سالار جنگ کے خاندان میں کوئی ہوش نہ سنبھالے۔ کیا معلوم تھا۔ البرامکہ کی قدردانی قوت سے فعل میں نہ آسکے گی " اے بسا آرزو کہ خاک شدہ " لیکن ہر فعل خود اپنی مکافات ہے۔ جو کچھ آپ کر رہے ہیں کیے جایئے۔

آپ میری باتوں میں آگئے۔ لگے خلوت آرائی کا انتظام کرنے۔ بس اتنے ہی پانی میں تھے۔ میں جو کچھ لکھتا ہوں۔ صرف مذاقیہ۔ ورنہ " دامن نچوڑ دوں تو فرشتے وضو کریں "۔ مقصود اصلی صرف اتنا ہے کہ دور زریں یعنی عہد عباسیہ کے مستقل عنوان سے اس وقت کے ہر قسم کی ادبی اور اخلاقی ترقیات کو گنایا جائے۔ امید ہے ہارون رشید کی لائف میں کھل کھیلنے کا آپ کو موقع ملے گا.......

گرمی بہت پڑ رہی ہے۔ اس لیے قلم کا چور ہو رہا ہوں۔ تقریظ مثنوی کے لیے لکھنؤ فرمایش کب تک بھیجوں؟

مہدی

تحصیل الہ آباد ۱۴ نومبر ۱۹۱۵ء

پیارے جناب۔ آپ نے اپنی رسید نہیں بھیجی۔ لیکن پہنچے ضرور ہوں گے۔ براؤن کی لٹریری ہسٹری کی دوسری جلد آپ کی واپسی کے دوسرے روز مل گئی۔ آپ کے ہیرو نظام الملک کے متعلقات پر خاندان سلجوقیہ کے سلسلہ میں ایک پورا باب ہے جس سے آپ کی تحقیقات کی جانچ کا مجھے موقع ملے گا۔

براؤن لکھتا ہے کہ سب سے قدیم اور لائق وثوق مجموعہ رباعیات عمر خیام وہی ہے جس کا ایک عمدہ ترین نسخہ آپ کے پیش نظر ہے۔ اس لئے نظام الملک میں جہاں آپ نے رباعیات کے نمونے دکھائے ہیں۔ متن یعنی ٹکسٹ وہی ہونا چاہئے۔ جو میرے پیش کردہ نسخہ میں ہے۔ اس میں مولویت کی ذرا گنجایش نہیں۔ ایک دم بدل دیجیے اور کچھ پروا نہ کیجیے۔ ہندیوں کی زبان پر جو چوپے چڑھے ہوے ہیں وہ کہاں تک مانوس اسلوب بیان کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ یہ زیادہ تر بازاری ایڈیشن سے ماخوذ ہیں۔ سمجھئے دیوانہ ہی لیکن بات ایسی کہتا ہوں جس کا اثر سو دو سو برس کے بعد ظاہر ہو گا۔

رعد کی تیار کردہ بعض لوحیں مخزن کے شیخ اکرام کے پاس دیکھیں۔ مصباح الکلام کی طرح اسقدر پسند آئی کہ جی چاہتا ہے کہ پوری ایک مہینے کی تنخواہ نذر کروں۔ وی۔ پی بھجوا دیجئے۔

سید کرار حسین صاحب کی فرقانی۔ شاکی اور باکی دیکھی۔ ضخامت دیکھ کر بیساختہ خیال آیا کسِ کا مولف البرامکہ کا۔ اور دل سے دعا نکلی کہ خدایا مولانا رزاق کی کتاب کو یہ موٹا پا دیجو۔ مصروفیت کی انتہا نہیں اس لئے ختم کرتا ہوں۔

مہدی

منجھن پور۔ الہ آباد ۸ / جولائی ۱۹۰۶ء

مکرمی۔ آپ کو جواباً لکھ رہا ہوں اور آپ کی قیمتی کتاب کے چند صفحے پیش نظر ہیں۔ اس خاص عنایت کا شکریہ۔

کتابت میرے خیال میں بہت اچھی ہے۔ خاصکر باریک حاشیوں نے جان ڈال دی ہے اور غور کے بعد بھی کوئی بات لایق تحریک معلوم نہیں ہوتی جو اعتنائی طور پر پیش کی جاسکے۔ لٹریچر کی داد اس وقت دینا نہیں چاہتا۔ ابھی تو آپ نے ایک جھلک دکھا کر میری تڑپ اور بڑھا دی۔ لیکن ایک وقت آئیگا جب میں یہ دکھانے کے لایق ہوں گا کہ تاریخ میں گو مورخ واقعات کے قبضہ میں ہوتا ہے تاہم انشاپردازی کے جائز تصرفات جو لٹریچر کی جان ہوتے ہیں ایک روکھے پھیکے سلسلۂ بیان کو "فسانہ" "دلچسپ" بنا سکتے ہیں۔ اور ثبوت میں آپ کی فانی زندگی کے "غیر فانی اجزا" کو پیش کروں گا

صفحہ ۱۶۲ میں "اصول عامہ" کی تحت میں آپ نے جو تمہید لکھی ہے اُس سے قیاس ہوتا ہے کہ جعفر برمکی کی طرح نظام الملک کا قتل بھی سیاسی اسباب پر مبنی تھا اور خون کی چھینٹیں اڑ اڑ کر ملک شاہ کے دامن پر پڑتی نظر آتی ہیں۔

پروفیسر براؤن نے اجمالاً اور سید امیر علی نے تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے کہ ملک شاہ کے آخر دور سلطنت میں ایک فرقہ جسے نہلسٹ آف اسلام کہہ سکتے ہیں۔ ماژندران کے قرب وجوار میں ظہور پذیر ہوا۔ جس نے ایک زمانہ میں بایک کو بھی ستا رکھا تھا۔ اس خفیہ سوسائٹی کا مقصد نظام سلجوقیہ کا درہم برہم کر دینا تھا جس کا بانی حسن بن صباح تھا۔ بہرحال یورپ کے انارکسٹ اور نہلسٹ فرقہ کی طرح یہ فرقہ باطنیہ بھی ایک راز خسترک رکھتا تھا۔ اُن کے ہاں بلحاظ فرق مراتب مختلف درجے تھے جن کے لیے اصطلاحات ذیل استعمال میں تھیں داعی۔ رفیق۔ فدائی۔ سیدنا۔ شیخ الجبل لیتی؟ وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال نظام الملک کا خاتمہ

اُن لوگوں کی راے کے مطابق ایک "آسیسین" کے زہر آلود خنجر نے کیا اور گو ملک شاہ نے دو موقعوں پر اُس گروہ کا استیصال قطعی کرنا چاہا لیکن موت نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا۔ آگے چل کر فخر الملک کی موت کا باعث بھی اسی فرقہ کا کوئی فدائی ہوا۔ آپ کی تحقیق کے مطابق کیا سیاسی وجوہ بھی تھیں تہیں سے مجھے خلش ہوگئی ہے۔ گو آپ نے دوسرے حصہ میں بلکہ شاید حصہ اول ہی میں اس بحث کو طے کر دیا ہوگا

ہمیشہ آپ کا مہدی

منجھن پور ۱۱ر جولائی ۱۹۰۶ء

پیارے جناب۔ آج موسم بہت خوشگوار ہے اور جی چاہتا ہے۔ بے ضرورت آپ کو خط لکھوں۔ اچھا ایک بات بتایئے۔ البرامکہ۔ الفاروق۔ الغزالی۔ الکلام۔ اور دوسری مطبوعات نامی پریس کا کاتب ایک ہی ہے؟ میں تالیفات بالا میں ایک خاص طرح کی "بستعلیقیت" پاتا ہوں جو مثلاً حیات جاوید میں نہیں ہے۔ کیا اس خیال کی کوئی اصلیت ہے کہ شبلی کی کتابوں سے ایک طرح کا اہتمام پایا جاتا ہے۔ جیسے حُسنِ کتابت میں خود کاتب کی مرضی بھی شریک ہوا الکلام کے دیباچہ اور ابتدائی صفحوں کو دیکھیے یا دور کیوں جایئے تقریظ مثنوی اور نظام الملک طوسی کا مقابلہ کیجیے۔ اور دیکھیے کہ قلم کی رفتار نے جو نقوش حرفی پیدا کیے ہیں کیا وہ بالکل ایک ہی سانچے کے نہیں۔ وہ کون کاتب صاحب ہیں جو الفاروق میں شبلی کے طریق املا سے متفق نہ ہو سکے؟ وہی جو آپ کی دعاؤں کے اثر سے جاتے جاتے کچھ رُک سے گئے۔

بھئی پروفیسر براؤن عجیب چیز ہے۔ تصوف پر اس نے جو کچھ لکھا ہے دُنیا کے مختلف سلسلہ اشراقی پر ایک ارتقائی نظر ڈالی ہے اور ون کریمر کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ مسلمانوں کا تصوف ہند کی ویدک فلاسفی کا پیدا کردہ ہے۔ بحث نہایت دلچسپ ہے۔ ہمارے ہاں بھی اس موضوع پر کچھ کہا سُنا جاتا ہے۔ الغزالی میں موقع تھا شبلی گول کر گئے معلوم نہیں تقریظ مثنوی میں کچھ کھلے یا نہیں۔ ہاں ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ براؤن کو اصرار ہے کہ یہ لفظ صوف سے نکلا ہے جس کے معنی وہ خود تسلیم کرتا ہے کہ پشمینہ کے ہیں۔ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اس لفظ کو سوفسٹ سے جو یونانی ہے کچھ تعلق نہیں! شبلی نے یہ بحث خوبصورتی سے طے کر دی ہے اور میں سمجھتا ہوں براؤن کی یہ صرف مغربیت ہے آپ کیا فرماتے ہیں؟

پچھلی تحریر میں آپ کو یہ لکھنا بھول گیا کہ نظام الملک کے لیے میں نے ضمیر و فعل واحد بہت پسند کئے جیسے حبیب الرحمٰن شروانی "پہاڑی بولی" لکھتے ہیں۔

ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہمیشہ آپکا مہدی توبہ ہادی

منجھن پور الہ آباد ۶ر ستمبر [illegible]ء

پیارے مولانا۔ عنایت نامہ مل گیا تھا۔ کارڈ بھی پہنچا۔ تحقیق لفظی کے لیے بہت بہت شکریہ "زندہ باشی و جان من باشی"، ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہوا کہ میں نے سواد السبیل منگوالی۔

آپ میری تحریرات خط عارض کی حیثیت سے مختصر چاہتے ہیں لیکن یہ مشکل ہے اور آپ کو مخاطب کر کے موسیٰ کی طرح سلسلہ کلام کی طوالت ناگزیری معلوم ہوتی ہے۔

تقریظ مثنوی دیکھی "عروس جمیل و لباس حریر" شبلی سچ یہ ہے بہت خوش نصیب ہیں کچھ سرسری خیالات عنقریب دیکھیے گا۔

ہاں صاحب میں تصرفات کا آدمی ہوں۔ آپ چاہتے ہیں ہاتھ سے کام لوں! توبہ! اردو میں ایک دوسرا ہمقافیہ لفظ قلم سے نکلا ہی چاہتا تھا) بات یہ ہے ابھی بہت سے زینے طے کرنے ہیں آج کل خلاقین سخن یعنی آپ کے طبقے پر نگاہ رکھتا ہوں یہی بہت ہے۔ اردو لٹریچر کا سلسلہ نظام الملک کی اشاعت کے بعد جاری ہوگا۔ ایک دوست کو لپیٹے میں لینا چاہتا ہوں

آپ کا مہدی

تحصیل الہ آباد ۲۳ر اکتوبر [illegible]ء

پیارے مولانا رزاق۔ آپ معاف فرمائیے۔ آپ کے عنایت نامہ کا جواب جلد نہ دے سکا احمد اب بالکل اچھا ہے۔ اس کی علالت تقریب تبادلہ ہوگئی۔ اور گو آپ نے کانپور نہیں دیا تاہم غنیمت ہے کہ الہ آباد مل گیا جس سے بہت خوش ہوں۔ اب تو آپ کی صورت بھی کبھی نظر آجائے تو تعجب نہیں۔

سید کرار حسین صاحب سے ملا۔ خاص اوصاف کے ساتھ ایک بات میں نے اور پائی یعنی وہ میرے رقیب نکلے۔ مجھ سے زیادہ آپ کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ فرماتے تھے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھیں گے لیکن میں کچھ ایسی بجھی ہوئی طبیعت کا آدمی ہوں کہ جلد شگفتہ نہیں ہوتا جدید توقعات پیدا کرنا گویا مایوسی کو بیٹھے بٹھائے نیوتہ دینا ہے۔۔۔۔

ہمیشہ آپ کا مہدی

تحصیل الہ آباد ۵ مارچ ۱۹۰۵ء

پیارے مولانا رزاق۔ آپ کی تحریر پاکر بہت خوش ہوا مدت سے آپ نے کچھ لکھا نہ تھا۔ اس لیے خلش سی تھی۔ آپ بنارس آئے اور بچ کر نکل گئے میں دیکھتا رہ گیا۔ لیکن یہ دس پندرہ گھنٹے غالباً شہر کے کسی ایسے دلچسپ حصہ میں آپ نے صرف کیے جو آج کل کے دائرہ تہذیب کے حدود سے خارج ہے۔ میں وہاں کہاں؟ چھاؤنی میں مل سکتا تھا اقرار کیجیے کہ آپ اس طرف نہیں آئے۔

مولویوں کے کیرکٹر کا ایک حصہ نہایت دلچسپ ہوتا ہے۔ یعنی یہ باطن کے بہت زیادہ رنگیلے ہوتے ہیں۔ زندگی کے دو حصے کیجیے۔ مقتضائے نفس اور شایان حال تو آپ پائیں گے کہ پہلی چیز صرف اس پاک فرقہ کا حصہ ہے! تھوڑی دیر کے لیے مان لیجیے کہ آپ میری نکتہ چینی کی زد سے علٰحدہ ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو مجھ سے اتفاق رائے میں پس و پیش ہوگا۔ صرف واقعات سے بحث کیجیے۔ آپ یہاں آئیے اور جب تک رہیے حزیں کے ہم خیال ہو کر رہیے!

خوش ہوا کہ نظام الملک سے آپ جلد ملائیں گے نقش ثانی ہے اس لیے جس قدر اہتمام مدنظر ہے صرف موزوں ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ رہی کاوش اس کی تلافی اس وقت ہو جائے گی۔ جب آپ انشاءاللہ کامیابی کے ساتھ کتاب کو شائع کر سکیں گے۔ صلاح المعیر رشید اعظم ایک سے ایک بڑھ کر تحقیقات کے نتائج وسیع کرتے رہیے۔ خدا مبارک کرے جی چاہتا ہے عباسی یا اموی دور کی کسی خاتون کو آپ لیجیے محض جذبات کے خیال سے نہیں بلکہ زمانہ کے معاشرت کا خاکہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک آپ یہ نہ بتا سکیں کہ حرم سرا کے شبستان عیش میں شب خوابی کا لباس کیا ہوتا تھا مقیاس الشباب .... کو قابو میں رکھنے کے لیے اس وقت کے چھوٹے کپڑے کی تراش خراش اور فیشن بتائیے۔ یہ رکیک امور نہیں ہیں اور آپ سے زیادہ کون نہیں جانتا کہ تاریخ محض اندراج واقعات کا نام نہیں ہے جیسا کہ متقدمین کرتے رہے۔ بہرحال کسی لیڈی کو ہیروئن بنائیے اور چپے چپے کی لکھ جائیے۔ .... مہدی

تحصیل الہ آباد ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۵ء

پیارے جناب۔ آپ برسوں کچھ نہیں لکھتے۔ آپ کی خودداری کے مقابلہ میں کچھ

رکھو رکھاؤ تو آخر میری طرف سے بھی ہونا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ اپنی خواہش کے خلاف اسقدر تاخیر کے ساتھ آپ کو جواباً لکھ رہا ہوں۔ ایک زمانہ تھا جب آپ کو مجھ سے دلچسپی تھی۔ مراسلات نے ایک نیا لٹریچر پیدا کر دیا تھا۔ آپ کا خط نہیں ملتا تھا تو میں کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ اب صرف یاد ایام رہ گئی۔

البشیر من البیان کے عنوان سے میں نے پچھلے ہفتہ میں کچھ لکھا تھا۔ آپ پر بھی نوک جھونک تھی۔ اور سچ یہ ہے کہ میں اس قدر مایوس ہوگیا ہوں کہ نظام الملک کی نسبت کچھ آپ سے پوچھنا نہیں چاہتا۔ لیکن دل کا چور چھپانا نہیں چاہتا۔ اس وقت بھی یہی خیال پیش پیش ہے۔ اب آپ تحصیلدار ہو گئے۔ اسلاف کے کارناموں کی جگہ کاغذات پٹواری پیش نظر رہتے ہوں گے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ زندگی کے اصلی مقاصد کچھ اور ہیں۔ خیر آپ جہاں جس طرح رہیئے اچھے رہیئے۔ میری بہترین خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔

مہدی

تحصیل ہنڈیہ۔ الہ آباد   یکم اپریل ۱۹۱۳ء

پیارے بھائی۔ مدت کے بعد یوسف گم گشتہ ملا۔ عنایت نامہ کو بار بار پڑھتا ہوں یہ توقطعی ہے کہ آپ شبلی کے جانشین ہوں گے لیکن میں ابھی مدتوں آپ کو ولیعہد دیکھنا چاہتا ہوں۔ خلافت نہیں چاہتا۔ شبلی کی سب سے جامع اور غالباً آخری تالیف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی لائیف ہوگی جو تقریباً دو ہزار صفحوں پر قابض ہوگی لکھنو کی پچھلی صحبتوں میں بھی ذکر مذکور رہے! ابوالکلام آزاد بھی تھے بہت کچھ اہتمام ہے۔

اس کا افسوس ہے کہ شعر العجم کا پانچواں حصہ اب رہا! چوتھا حصہ آپ نے دیکھا ہوگا شاعری کی گویا سائیکلو پیڈیا ہے میں اس شخص کے سلیقہ تحریر پر بس مرتا ہوں سچ کہئے گا حالی کا مقدمہ شاعری آپ کی نگاہ میں کچھ پھیکا ہو چلا یا نہیں!

حسن وعشق پر آپ کی رائے الناظر کی بازاریت کے زیر اثر معلوم ہوتی ہے۔ اپریل کے ادیب میں ا سہروردی کی مزاج پرسی کی گئی ہے۔ آپ کو لطف آئیگا۔ میں آپ کی تجویز کردہ سزا کے لیے ہر وقت تیار ہوں لیکن! ایسے دیوانے ریاض اور کہاں نازک طبع" کہ جو دو پھول سے بھی ماریں تو فریاد کریں۔

میں نے عورت کو مرقع جذبات بنا کر پیش کیا تھا جس میں اس کی اخلاقی اور جذباتی کیفیات

کے ساتھ لایق رشک مادیت بھی دکھائی گئی تھی اس پر بعضوں نے کان کھڑے کیے بہت خوش ہوا کہ آپ آج کل مطمئن ہیں۔ دلی آرزو تھی کہ "پیشہ ور" کو صیغہ کا کام ملتا۔ خاصکر پچھلے دنوں آپ کی بیکاری مجھے بلاے جان معلوم ہوتی تھی۔

کچھ تو گھونگھٹ سے باہر نکلئے کہ معلوم ہو اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔

آپ کی بھاوج تسلیم عرض کرتی ہیں۔ اور نظام الملک سی نفیس کتاب لکھنے پر اظہار رشک! یہ بہت ہوئی۔

ہمیشہ آپ کا مہدی

تحصیل ہنڈیہ الہ آباد ۲/ اپریل ۱۹۱۳ء

پیارے۔ کل آپ کو مفصل لکھ چکا ہوں آج پھر اُسی سلسلہ میں چند سطریں لکھیے۔ ذرا آپ پر مدت کا اُکھڑا ہوا رنگ جانا ہے کہ آگے کو اعتبار قائم ہو جائے۔

نثر نے نظام الملک طوسی پر دلگداز میں ریویو کیا ہے اور گویہ تنقید عالیہ یعنی ہائی کرٹی سزم کی حیثیت سے نہیں ہے جو نہایت مشکل کام ہے تاہم میں اس سے خوش ہوا کہ جو کچھ لکھا ہے دل سے لکھا ہے اور مولف کے مقابلہ میں اپنا درجہ قائم رکھنے کے لیے (ا) قلم رُک رُک کر نہیں چلا یہ خلوص مجھے بہت پسند آیا۔ نثر نے دیباچہ کے اُردو لٹریچر کی تاریخ کی بھی تعریف کی ہے۔ کیا میں اپنے خیال سے اب دست بردار ہو جاؤں؟ ہو نہیں سکتا۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ سلسلہ سخن سے یہ بحث الگ جا پڑتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے جیسے دماغ میں ایک بات بھری ہوئی تھی آپ نے نکال پھینکنے کے لیے خواہ مخواہ موقع پیدا کر لیا۔ یہ بحث جہاں اپنے اضافی متعلقات کے ساتھ دفعتاً ختم ہوئی ہے۔ آپ نے "آئین وزارت پر سرسری نظر" ڈالی ہے یہ حصہ دیباچہ کی ابتدائی ترتیب اور "اردو کے دخل در معقولات" کی وجہ سے آخر میں کچھ بیگانہ سا معلوم ہوتا ہے۔ کم سے کم یہ کہ ایک بھولی ہوئی بات تھی جو یاد آگئی اس سے دیباچہ کی موزونیت پر کچھ اثر پڑتا ہے اگر آپ کو اتفاق نہ ہو تو مجھے اصرار نہیں لیکن اسے "در طالبعلمانہ" اُپچ نہ سمجھیے گا۔ نیز سے بہت لطیف مذاق لٹریچر رکھتا ہوں اور اتنی تنگ بھی برداشت نہیں کر سکتا اور یہ امر آپ کی عظمت کے ثبوت میں ہے۔

مہدی

جناب منشی خورشید علی صاحب مہر دہلوی کے خط مؤلف کے نام

از دفتر ہمدرد- کوچہ چیلاں دہلی ۴؍ فروری ۱۹۱۴ء

مہربان من تسلیم- یہ صحیح ہے کہ اُردو زبان اب وہ زبان نہیں ہے۔ جس کی اوّلیت اور افضلیت کا سہرا لکھنؤ اور دہلی کے سر رہے۔ زمانہ جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر زبان کا رنگ بھی بدلتا جاتا ہے لیکن ابھی تک ٹکسالی زبان دہلی اور لکھنؤ ہی کی زبان مانی جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں اُردو زبان کی ترقی کا مرکز پنجاب ہے اور جس طرح اوّلیت کا فخر دکن کی سرزمین کو حاصل ہے اسی طرح پنجاب یا کوئی اور صوبہ اس کا انتہائی مرکز بنے گا لیکن اس کے لیے ابھی عرصہ چاہیے۔ ریتیلی بھوڑ زمین کو کہتے ہیں! کہتے ہوں گے! لکھنؤ کا مجھے علم نہیں لیکن دہلی میں اسی کا نام ریتلی ہے رہی یہ بات کہ ریت سے ریتلی کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے ابھی تک مجھے کسی قاعدہ استخراج کا علم نہیں ہوا البتہ زباندان اشخاص خصوصاً مستورات دہلی کی زبان پر یہی لفظ جاری ہے۔ قلعہ برباد ہو چکا اور اسی کے ساتھ دہلی کی ٹکسالی زبان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ لیکن جس طرح قلعے کی چہار دیواری قائم ہے۔ اُسی طرح قلعہ معلی کی زبان کے بہت سے خط و خال اُس اجڑی بستی کے بہت سے پرانے گھرانوں میں اب تک نظر آتے ہیں اور اُنھیں کو ہم اُردوئے قلعہ معلی کی زبان کا محافظ کہتے ہیں۔ شاید آپ جانتے ہوں دہلی میں ثریا جاہ ایک شاہزادے تھے جن کا ابھی تھوڑے دن ہوئے انتقال ہوا ہے۔ اُن کے گھرانے کی زبان دہلی کے موجودہ اُردو دانوں کے لیے مایہ ناز ہے۔ وہیں میں نے اس لفظ کو بھی سنا تھا۔

اس کی نظیر میں فی الحال جو میرے ذہن میں آئی ہے لفظ "پتیلی" کو پیش کر سکتا ہوں جو دیگچی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ ہندوستان میں قدیم زمانہ ہندوؤں کا ہے اور ان کے ہاں عام طور پر تمام برتن پیتل کے ہوتے ہیں۔ غالباً اوّل اوّل جب انھوں نے پیتل کی ہانڈی بنائی تو اس کا نام پتیلی رکھا ہوگا۔ اس کے بعد مسلمان آئے اُنھوں نے دیگچی اسی ظرف کا ترجمہ بھی وہی کیا جو قدیم سے ہندوستان میں ایک اسی شکل و شبیہ پیتل کے برتن کا نام تھا گو یہ

مانتا ہوں کہ یہ میرا اجتہاد ہے لیکن اگر انصاف سے دیکھئے تو کوئی غلط اجتہاد نہیں۔ "مشتاق" کے متعلق مجھ سے اور میرے دوست محوی سے ایک طویل مکالمہ خطوط کے ذریعہ ہو چکا ہے گو یہ لفظ عربی زبان میں معشوق کے معنوں میں ضرور آتا ہے مگر جب اُردو دان حضرات اسے مشتاق کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ تو میرے خیال سے ان معنوں میں اب اس کا استعمال نہ کرنا صریحی غلطی ہے۔ لیکن میں بھی اسی غلطی کا مرتکب ہوں۔

عربی میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو کسی معنی کے لئے وضع کئے گئے تھے لیکن بعد میں انکا استعمال دوسرے غیر شعی۔ معنوں میں کیا گیا اور اب لنا سعا میں وہی مروجہ معنی سمجھے جاتے ہیں اور ایسے الفاظ منطقیوں کی اصطلاح میں مترادف کہلاتے ہیں۔

خود عربی کے بہت سے لفظ اُردو میں ایسے مستعمل ہیں جن کے معنی عربی زبان میں کچھ اور ہیں اور اُردو میں کچھ اور یہ الفاظ بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی طرح بھی اُردو میں داخل ہوئے ہوں لیکن اُس کے تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہ ہوگا کہ عربی میں انکے وہ معنی نہیں ہیں جو اُردو میں ہیں جیسے مشاطہ خاطر وغیرہ۔ بعض حالت میں تو اُردو نے ان پر اتنا تصرف کیا ہے کہ اُن کی صورت تک بدل دی۔ چنانچہ تو ج اور افراتفری کو ملاحظہ فرمایئے جو عربی زبان کے نفوذ اور افراط اور تفریط صحیح لفظ ہیں۔

کسی لکڑی یا ایسی ہی کسی شے کے دو حصوں کو باہم ملا کرنے کے لیے خط ڈال کر جو بندش کی جاتی ہے اُسے کیا کہتے ہیں؟ خط کا لفظ تو آپ نے خود ہی استعمال کیا ہے جو عربی ہے لیکن دہلی میں عام طور پر اُسے چیر اکہتے ہیں۔ زبان دان حضرات اس کے لیے قشقہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ عام پبلک اور قلعہ معلی دونوں کی زبان کے الفاظ میں نے لکھ دیے ہیں اب یہ آپ پر منحصر ہے۔ خواہ اُردو کو قلعہ معلی تک محدود رکھئے یا اس میں ایک اور لفظ کا اضافہ کر دیجیے میری دانست میں چیرا بھی کوئی بُرا یا ثقیل لفظ نہیں ہے اور اگر طبیعت گوارا نہ کرے تو میں تو بھی نہیں دیتا۔

"فکر" کے متعلق گو مرحوم داغ نے اس کو مونث لکھ کر فیصلہ کر دیا تھا چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

ہائے اُس کی فکر اسکی بیقراری اس کی یاس
خلق کے جب نامۂ اعمال وا ہونے لگے

لیکن دہلی والے نہیں مانتے وہ ابھی تک مذکر ہی استعمال کرتے ہیں۔ بلبل کے متعلق

سودا مرحوم نے فرمایا تھا کہ نوع انسانی میں سے جس کے ایک ہوتی ہے وہ مؤنث ہو جاتی ہے۔ اب یہاں تو ڈبل تانیث موجود ہے (دیکھو تذکرہ آب حیات مصنفہ آزاد) مجھے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا خصم مرد ہوتا ہے اور مرد کا خصم فکر لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اس کی ڈبل تذکیر میں کسی قسم کا شک کیا جائے (دیکھو خصم بھی عربی کا لفظ یعنی دشمن ہے۔ اہل فارس بھی اسے دشمن کے معنے میں استعمال کرتے ہیں لیکن اُردو میں آکر اس کے معنی خاوند۔ شوہر ہو گئے۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ والسلام

خورشید علی مہر

از دفتر عدد کوچہ چیلاں دہلی　　۷ / نومبر ۱۹۱۴ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم و علی من لدیکم۔ آپ نے جو دریافت فرمایا ہے کہ آج کل رائٹر کے تاروں میں ضمنی واقعات مراکش۔ اکثر ارجیلا یا ارزیلا یا ارسیلا یا عرزیلا کا ذکر آتا ہے جسے الوید میں ارجیلا اور الشعب میں ارزیلا۔ الرای العام میں عرزیلا اور بعض دیگر عربی جراید میں ارسیلا لکھا گیا ہے اس کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ اور اہل مراکش اب اسے کس نام سے پکارتے ہیں۔

اب جواباً گزارش ہے کہ اس کے مختلف ناموں نے جو عربی جرائد میں آپ کی نظر سے گزرے ہیں۔ آپ کو اس کا صحیح تلفظ معلوم کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں اس کی تشریح کروں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ اس تلاش میں بعض خوبی دیگر معلومات بھی مجھے حاصل ہوئیں اور اب طبیعت یہ گوارا نہیں کرتی کہ ان معلومات سے اپنے محسن دوست کو مطلع نہ کروں اور واقعات کو تاریکی میں رکھوں۔ وھو ہذا۔

یہ شہر مغرب اقصےٰ (مراکش) کے شہروں میں سے ایک شہر ہے جس کا صحیح نام اصیلہ یا اصیلا ہے۔ شریف ادریسی نے اس کا تذکرہ "نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق" میں کیا ہے اور یعقوب حموی نے معجم البلدان میں اور وزیر ابو عبید البکری نے اپنی کتاب مسالک والممالک میں ان کے علاوہ اور بہت سے اسلامی علمانے بھی اس کے حالات لکھے ہیں جن کا نام آگے چل کر آئے گا۔

الغرض مورخین اسلام نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا لب لباب یہ ہے۔

"اصیلہ" ایک نہایت ہی مختصر اور چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے جو خلیج زقاق کے کنارے جسے آج کل آبنائے جبل الطارق یا جبرالٹر کہتے ہیں آباد ہے شہر کے باہر نرم زمین میں ایک قسم کا اور ہلکے پانی کا چشمہ بہتا ہے جس کو چاروں طرف سے ایک خوش سواد مرغزار اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے یہی چشمہ باشندگان شہر کے لیے مایۂ حیات ہے۔ شہر کی غربی (جنوبی) سمت سمندر سے

گری ہے جس وقت سمندر میں جوار آتی ہے۔ تو پانی کی موجیں جامع شہر کی دیوار سے جاکر ٹکراتی ہیں۔ اسی کے قریب ایک دوسرا موضع ہے جس کا نام ریوٹ کے تار میں قصر درج ہے مگر اس کا پورا نام قصر عبد الکریم ہے بیرونی چشمہ ایک نہر کاٹ کر لائی گئی ہے جو دونوں شہروں کے درمیان ہوکر گزری ہے اور جسمیں تجارتی کشتیاں چلتی ہیں آگے چلکر یہ نہر ایک دوسری نہر سے مل کر بڑی ہو گئی ہے اور یہاں سے ان دونوں نہروں کے مجموعے کا نام ستیو ہے۔ فرنچ میں اس کو اس کے قدیمی نام لوکس [illegible] سے یاد کرتے ہیں۔ اکثر آدمی اسی نہر سے کشتیوں میں سوار ہو کر بحر اطلانٹک میں پہنچتے اور وہاں سے جہازوں پر سوار ہوتے ہیں۔ شہر کے چاروں طرف ایک پرانی فصیل ہے جس کے پانچ دروازے ہیں اور بیچ شہر میں ایک نہایت وسیع بازار ہے جہاں جمعہ کے روز پینٹھ لگتی ہے۔ اس شہر کے چند آدمی بہت نامی گرامی گزرے ہیں جن کا نام ذیل کے نقشہ سے بخوبی معلوم ہوگا۔

نمبر شمار	نام مع کنیت و اسم مشہور	حوالہ کتاب جس میں اُس کا ذکر آیا ہے	کیفیت
١	مغیرہ کنانی در اصل اصیلی	نفح الطیب	مشہور علامہ ابن جبیر الرحالہ اندلسی نے آپ سے سماعت حدیث کی ہے۔
٢	ابو عبداللہ	نفح الطیب	
٣	احمد بن عبداللہ ابن موسیٰ کنانی	ترجمہ ابن بشکوال فی کتاب الصلہ	یہ بھی اصیلی ہیں عرفی نام ابن عجوز ہے
٤	عبداللہ بن ابراہیم ابن محمد اصیلی	ترجمہ فرضی فی تاریخ علماے اندلس	یہ شخص مشہور ظالم گزرا ہے خلق خدا کو بہت پریشان رکھتا تھا
٥	محمد ابن عبداللہ ابن ابراہیم ابن محمد ابن عبداللہ اصیلی	ترجمہ ابن الدبار فی کتاب التکملہ لکتاب الصلہ	
٦	عبداللہ ابن ابراہیم ابن محمد ابن عبد اللہ ابن جعفر اموی مشہور اصیلی	بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اہل الاندلس	آپ اصحاب فقہ حدیث اور رجال کے مشہور علماء میں سے ہیں امام محمد اسمٰعیل بخاری نے بھی آپکی روایت کی ہے

صاحب نزہۃ الحافظ نے گیارھویں صدی کے واقعات میں اس شہر کا نام "ثغر اصیلہ" بیان

کیا ہے اور لکھا ہے کہ بنی وطاس اس میں آباد تھے جو آفرنجیوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے اور دوسری جگہ اس کا نام "رباط اصیلہ" لکھا ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ یہاں کے مسلمانوں نے دین کی حفاظت کے لیے باہم اتحاد کیا تھا اور اس کی سرحدوں کو اغیار کے حملوں سے محفوظ رکھنے پر متفق ہوئے تھے لیکن بالآخر دوسری اسلامی جگہوں کی طرح یہاں بھی اندرونی فتنوں اور ذاتی جھگڑوں نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا اور باہمی شورشوں نے ان بلاد کی کنجی شاہ پرتگال کے ہاتھ میں دے دی۔ صرف ایک سلبتیاں باقی رہ گیا تھا جسے ۹۸۳ھ میں مولائی محمد یحییٰ بن عبداللہ نے شاہ پرتگال کے حوالہ کیا۔

علمائے مغرب اقصےٰ نے اس کا ایک لمبا چوڑا مرثیہ لکھا ہے جسے محمد الصغیر وفرانی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

جس زمانہ میں غالب باللہ نے اپنے چچا ابی العباس منصور شاہ مغرب اقصےٰ سے بغاوت کی تو وہ اپنے چچا کے مقابلہ میں شکست کھا کر اسی اصیلہ کی طرف بھاگا تھا اور یہاں آکر اپنے آفرنجی دوستوں سے درخواست کی تھی کہ وہ اُسے بحری راستہ سے جزیرہ اندلس اور وہاں سے ارض روم پہنچا دیں۔

ابی العباس سے مغلوب ہو کر ۹۹۶ھ میں آفرنجیوں کو پھر اُسے خالی کرنا پڑا۔ اُنھوں نے قبل اس کے کہ شہر کو خالی کریں ایک سُرنگ لگا کر اُسے اڑا دینا چاہا مگر اتنی خیر گذری کہ سُرنگ چھٹتے وقت تک اسلامی افواج شہر میں داخل نہیں ہونے پائی تھیں۔ اس سے بجز چند عمارتوں کے انہدام کے اور کسی قسم کا نقصان نہیں ہونے پایا۔ یہ زمانہ مغرب اقصےٰ میں مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا اور قدرت کی رحمتوں نے ابی العباس منصور جیسے بادشاہ کو جسے تاریخ میں منصور ذہبی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہاں کا والی بنا کر اُسے اور بھی چار چاند لگا دئے تھے۔

جب مسلمانوں کی قسمت کے ساتھ زمانہ کا ورق اُلٹا تو یہاں کے مسلمان بھی اپنی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ پرتگال نے پے در پے حملوں کے بعد اسے پھر فتح کر لیا جس کے بعد سے آج تک پھر کبھی یہاں کے مسلمان آزاد نہ ہو سکے۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہاں تک تاریخی واقعات بیان کر دینے کے بعد اب پھر میں اپنے اصلی موضوع کی طرف لوٹتا ہوں۔

لوگوں نے اس کے اصلی نام میں تخفیف کرنی چاہی اور ازیلا یا ازیلی کہنے لگے مگر صحیح نام اُس کا وہی اصیلہ یا اصیلا ہے جیسا کہ علمائے منسوب کی نسبت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ضبی نے اپنی کتاب بغیتہ الملتمس میں لکھا ہے کہ اصیلا وشمون کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے جو طنجہ کے قریب ہے یہ شہر آج کل ویران پڑا ہے۔ اعداء اپنی زبان میں لسے ارزیلا زا کے ساتھ کہتے ہین اب یہ بتانا باقی رہ گیا ہے کہ مسلمانوں سے لینے کے بعد اہل ہسپانیہ نے اس کا تلفظ کیا کیا۔ چنانچہ وہ اسے ارزیلا (Arzila) ہی کہتے ہیں اور یہ نام پڑنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ جب ہسپانیہ والوں نے عربی نام کو اپنی زبان میں نقل کرنا چاہا تو سہولت کے لیے نیز اصل سے دور نہ جا پڑنے کے باعث عربی حروف کو اپنی زبان کے قریب المخرج حروف سے تبدیل کرلیا۔ مثال کے طور پر لیجئے عربی میں رملہ شام کے ایک شہر کا نام ہے جو ساحل بحر روم پر واقع ہے اور یہ لوگ اُسے الرمبلہ (Arrambla) اور الحمرا (غرناطہ کے قصر حمراء) کو الحمرا (Alhamra) اور قاضی کو الکالدی (Alcalde) اور القائد کو (Alcaide) کہتے ہیں اسی طرح اصیلہ کا تلفظ انھوں نے اپنی زبان میں ارزیلا (Arzila) کیا ہے۔

موضوعات فرانس اعظم (Le grande Encyclopedie Francaise) میں جہاں اس کا ذکر آیا ہے وہاں مصنف نے اس کا صحیح نام اصیلہ (Asilah) ہی لکھا ہے اور بتایا ہے کہ وہ بحر اطلانتک کے ساحل پر بلاد مراکش میں ایک چھوٹا سا شہر ہے جو عرائش (Larache) اور طنجہ (Tangier) کے درمیان واقع ہے اور دوسرے شہر یعنی طنجہ سے اس کی مسافت ۸ کیلومیٹر ہے۔ یہ چھوٹا سا شہر قدیم زمانہ میں بڑی اہمیت رکھتا تھا مگر آج کل نہایت خراب حالت میں ہے بمشکل ایک ہزار آدمیوں کی بستی ہوگی جن کی بسر اوقات صرف مچھلیوں کے شکار پر ہے۔ یہ شہر رومانیہ کے قدیم شہر زلیا (Zilia) یا زلیس (Zilis) کی جگہ بسایا گیا تھا اس مختصر سے شہر کی یہ سوانح عمری ہے جس سے مسلمانوں کو عبرت ہونی چاہئے۔ والسلام

خورشید علی مہر

حضرت محوی لکھنوی کے نام

دہلی ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مرسلہ خط مع "نامہ شادی" موصول ہوکر افسوس ہوا کہ آج ۲۹؍ کو یہ خط ملا ہے اور ۲۹؍ کو آپ کے ہاں ولیمہ ہے نہ شریک عقد ہو سکتا

ہوں نہ دعوت ولیمہ کھا سکتا ہوں۔ بہرحال اپنی اس بدقسمتی پر متحیر ہوں اور شریک نہ ہو سکنے کی وجہ سے معافی کا طالب۔

اتنوں وہلی کی جمع ہی۔ لیکن حضرت یہ تو فرمایئے کہ اُردو شعرا جب فارسی کے مقلد ہیں۔ تو فارسی شعرانے کہاں۔ کب کس جگہ۔ عرصہ کو عرصے لکھا ہے اور ذرا طبع الفاف سے ملاحظہ فرمایئے کہ عرصہ لفظ ہے یا عرصے۔ اب اگر اُردو شعرا یائے مجہول کے ساتھ لکھتے اور بولتے ہیں تو کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ آپ چاہے کچھ کہیں لیکن میں تو نہ مانوں گا کہ عرصہ کے بجائے عرصے صحیح ہے۔ اسم جنس کے جمع کی بھی ایک ہی کہی۔ انسان اسم جنس ہے جمع انسانوں آتی ہے۔ حیوان اسم جنس ہے جمع حیوانوں آتی ہے اب آپ کا یہ فرمانا کہ عرصہ کو عرصے لکھنا اساتذہ کا اصول ہے۔ حضرت یہ حضرات لکھنؤ کہتے ہوں گے دہلی میں تو کوئی بھول کر بھی نہیں لکھے گا اور اُن کی سند آپ کے لیے کورانہ تقلید ہے ورنہ یائے مجہول کے ساتھ اسے لکھنے کا کوئی قاعدہ مقتضی نہیں۔

اعزہ اور اذلہ کے بابت آپ کی تحریر کہ اعزہ کے معنی اشداء اور اذلہ کے عاطفین بصیغہ جمع معنی لیے گئے ہیں۔ اول تو اشداء و عاطفین معنی نہیں ہیں۔ دوسرے اعزہ علی المومنین اذلہ علی الکافرین میں عطوفت کافروں کے لیے فرمائی گئی ہے اور شدت مومنین کے لیے اور دُنیا کے متعلق یہ کل بحث ہے یعنی دُنیا سخت ہے مومنین کے لیے اور نرم ہے کافروں کے لیے۔ واحد کے لیے جمع کا استعمال آپ ہی کے ہاں صحیح ہو گا ورنہ اور کوئی نہیں بولے گا کہ دُنیا سختیاں ہیں مسلمانوں یا مومنوں کے لیے اور نرمیاں ہیں کافروں کے لیے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے جب یہ ترجمہ فرمایا ہے تو اُنھوں نے اُس کی عبارت سے لا دیا ہے۔ یہاں لفظی بحث ہے نہ محاورہ کی اُنھوں نے معنے عادۃً لیے ہیں۔ رہا یہ کہ احبار و اعزاء صحیح نہیں ہے دیکھو غیاث اللغات بحث جمع اُس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ وزن فعیل سے صفت شبہ کی جمع بروزن افعال آتی ہے۔ جیسے شریف سے اشراف و فعلاء آتی ہے جیسے صدیق سے اصدقاء اور بروزن افعلہ آتی ہے جیسے حبیب سے احباء غیاث اللغات والے کا یہ کہنا کہ بروزن افعلہ آتی ہے جیسے حبیب سے احباء یہ قول کلام اللہ کی اس آیت سے غلط ثابت ہے

واذ قالت الیھود والنصریٰ نحن ابنٰوا اللہ و احباءہٗ لاکیب اللہ ھدکوع ہفتم۔

اب آپ ہی فرمایئے کہ صاحب غیاث اللغات کو صحیح مانوں یا کلام الٰہی پر اعتقاد قائم رکھوں

اسی ... نات کو میں نے افسانہ کہدیا تو کوئی جرم نہیں کیا۔ میرے خیال میں عزیزے اعزہ حبیب سے احباب فصیح ہے کلام اللہ میں آیا ہے نحن ابنواء اللہ و احباء۔ یہ بحث غور طلب ہو صرف لغات پر صحت کا دارومدار کر لینا نازیبا بات ہے۔ جبکہ ہمارے لیے صرف و نحو کا وسیع میدان عربی الفاظ کی جستجو کے لیے کھلا ہوا ہے۔ شائق کے متعلق حضرت اسیر کا فرمان آیت و حدیث نہیں ہے۔ آپ کی تحریر کہ شائق اسم فاعل ہے مگر متعدی یا یوں کہیے کہ مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہ جب کہ شوق کے معنی میل کردن بچیزے لیے جائیں اور جب بقول منتخب اللغات آرزومند گردانیدن اس کے معنی ہیں تو فاعل کو مفعول کے معنی میں لینے کی تاویل بیکار ہے مہربان سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ دو متضاد امر میں شک ہوتے ہیں۔ شوق کے معنی میل کردن بچیزے بھی ہیں اور آرزومند گردانیدن بھی۔ پس یہ معنی بھی محتمل ہیں اور وہ بھی یہ ایک شک ہوا اور اصول مناظرہ سے ہمیشہ شک کا فائدہ مدعا علیہ کو پہنچتا ہے پہلے یہ قول آپ کا میرے مؤید ہے۔ دوسرے یہ بات کہ فاعل کو معنی مفعول میں لینے کی حالت میں فاعل اپنے معنی سے مستغنی نہیں ہو جاتا ہے بلکہ فاعل بمعنی فاعل بھی آتا ہے اور بمعنی مفعول بھی۔ ورنہ آپکا یہ کلیہ قواعد نحوی سے بالکل غلط ثابت ہوگا۔ ہاں موقع استعمال شرط ہے اگر قرینہ مقتضی معنی فاعل کا ہوگا تو معنی فاعل لیے جائیں گے ورنہ معنی مفعول یا اس کے برعکس کہیے شیق لفظاً و معناً شائق نہیں ہو سکتا یا فاعل فعیل بمعنی مفعول سیکڑوں جگہ ہے۔ ہوگا گر صاحب کشاف معمولی آدمی نہیں ہیں اگر فاعل فعیل بامعنی مفعل آتا تو وہ اس دریدہ دہنی سے نہ کہدیتا کہ ان یفعیل المفعل لم یثبت۔ شارح کے قول کی متابعت قواعد سے کرنا ضروری ہے یہ آپ کے جوابات کا مختصر جواب ہے اس وقت فرصت مطلق نہیں ہے۔ تمہاری بھاوج یا میری بیوی تم کو اور تمہارے گھر میں ما دجب کہتی ہیں۔

میری غزل "جب سے اُن کی آنکھ دورِ شیشہ و ساغر بنی" کے ماتبقی شعر ملاحظہ ہوں۔

دیکھنے والوں کی نظر پر رخنہ پڑے آگئیں ۔۔۔ بے حجابی تیرے حق میں نور کی چادر بنی
وہ عمارت تیرے رہنے کی جسے کہتے ہیں دل ۔۔۔ تیرے پہلو میں میرے سینہ میں خوش منظر بنی
مہر سلگاتا تھا مجھ کو جس میں کچھ عود شباب ۔۔۔ اُف اِدہ سینہ کی انگیٹھی عشق کی مجمر بنی

والسلام
خورشید علی مہر

دہلی ۱۳/جون ۱۹۱۴ء

محب قلبی دوست دلی زید اللہ اشفاقکم۔ ہدیہ سلام السلام قبول باد۔ مرسلہ عنایت نامہ پہونچا۔ مسرت حاصل ہوئی۔ اضطراب۔ کرب بےچینی وحشت ہجوم افکار کے لیے استغفار کا ورد لازمی ہے یعنی استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ کی کثرت فائدہ بخش ہے۔ قرض سے سبکدوشی کے لیے بعض ضروری امور کی پابندی شرط ہے۔ بعد نماز صبح قبلہ رو بیٹھ کر پہلے چوبیس مرتبہ استغفر اللہ اور پچیسویں مرتبہ پوری استغفار مرقومہ بالا پڑھ کر ایک بار سورۂ فاتحہ تین بار قل ہو اللہ یعنی سورہ اخلاص پڑھ کر بزرگان نقشبند رحمہم اللہ علیہ اجمعین کی روح کو ایصال ثواب کیجئے اور بعدہٗ ایک سو مرتبہ مندرجہ ذیل دعا پڑھئے مع اول آخر سو سو مرتبہ درود شریف کے یا اللہ یا رحمن یا رحیم برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد۔ انشاء اللہ مطلب حل ہوگا۔

اخبار کے نکالنے کا خیال ایک سودا ہے جس کو جنون ثانی کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کثرت افکار نے آپ کو اس درجہ کمزور کر دیا ہے کہ پولٹیکل اہمیتوں کو بچوں کا کھیل سمجھ لیا ہے۔ جانتے ہو کہ آجکل اخبار کیا رنگ اختیار کر رہے ہیں اور پبلک کا رجحان کون سے مرکز کی طرف ہے۔ کیا پبلک پالیٹکس آپ نباہ سکتے ہیں؟ اور اگر نباہ سکتے ہیں تو اس کے لیے قربانی کرنے کو کس قدر روپیہ آپ نے فراہم کر لیا ہے میرے خیال میں ایک اخبار اُس وقت کسی کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے جبکہ بیس ہزار روپیہ پیشگی اُس کے نام سے سیونگ بنک میں جمع کر دیا جاوے۔ ورنہ ہوسِ خام ہے۔ مجھ سے پوچھو! کیوں؟ اس لیے کہ دو روزانہ اخبار ایسے ہیں کہ جنھوں نے میرے سامنے اپنی ہستی اختیار کی اور دنیا کی چند روزہ ہوا کھانے کے بعد پھر اپنے مقرِ اصلی کو پہنچ گئے تیسرا اخبار البتہ کچھ سخت جان ہے جو ابھی سسکیاں بھر رہا ہے اور برائے نام صرف اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے وہ کون ہے "ہمدرد"

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ آپ اپنی آزادی کو دوبارہ کھو بیٹھے اور طرفہ یہ کہ ہنوز پہلی اسیری کا تلخ تجربہ موجود ہے۔ سچ ہے۔ اذا جاء الحین لا یبقی عین ولا اذن"۔

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی ؎

آپ کا محب صادق خورشید علی مہر

جناب مولوی مظہر الحسن صاحب مظہر مرادآبادی کے خط

مولف کے نام

بھوپال دفتر معین المہامی ۱۴ر نومبر ۱۹۱۶ء

شفیق مظہر حضرت عمقدر۔ سلام شوق پذیرا ہو۔ صبح وطن کی مسرت۔ شام اودھ کی دلکشی۔ احباب کی ملاقات۔ گلشنِ لکھنؤ کی گلگشت مبارک اور مسعود۔!! اخبار تہنیت یادآوری کا شکریہ بیساختگی تحریر کی داد قبول ہو۔ اب سرگزشت بلاں کشاں سنئے۔ بھوپال کی پچھلی جمعرات کا تصور کیجئے۔ وہ مشرق سے ریل اور مغرب سے تاریکی کی آمد۔ فلک مینائی کے دو آشناؤں کا ایک ساتھ وداع حمن میں سے ایک مغرب کی طرف فلک نورد۔ دوسرا مشرق کی طرف راہِ سپر۔ اس حسرتناک منظر کے نظارے کے لیے ابر کا فضائے آسمان سے سمٹ سمٹا کر بھوپال کے مطلع پر چھا جانا اور اشکوں کا میناباً نہ دل سے امنڈ کر آنکھوں میں آجانا۔ ریل آئی۔ ٹھہری۔ روانہ ہوئی۔ آپ ملے۔ سوار ہوے۔ چلدیے۔ غرض اُدھر آپ کے ساتھ دل نہیں تو خیال ضرور رہا اور ادھر آپ نہیں تو آپکی یاد رہی۔ آپ کی روانگی کے بعد ہی قطراتِ بارش کے ساتھ قطرات اشک کی ترشح شروع ہوئی۔ مگر یہ غنیمت ہوا کہ آنکھیں زمین خشک کی طرح ان قطرات کو پی گئیں۔ اور اشکوں کو غمازی کا موقع نہ دیا۔ بارش تھمی تو شام ہوئی لیکن فرق اتنا ہوا کہ آپ کے لیے ہی شام تھوڑی دور چل کر صبح وطن سے بدل گئی اور ہمارے لیے یہی شام شبِ مصیبت بن کر آئی۔ بخت کی سرد مہری سے کہیئے یا شام کی رطوبتِ اثر ہوا سے جو سبب بھی ہو۔ سر شام سے درد شروع ہوا میں شاعر نہیں ورنہ دردِ دل یا درد جگر کہدیتا۔ لیکن دل کے قریب ضرور تھا۔ درد دل کی ٹیس رعد کی گرج۔ بجلی کی چمک۔ عیاذاً باللہ۔ اب اور سنئے دو روز میں کردی گئی لیکن تین چار روز پیہم بارش ہوئی اس لیے امید نہیں کہ صحیح و سالم رہ سکے۔ بہر حال توکلت علی اللہ۔ میرے نگین خیال دوست حضرت محوی سلمہ اللہ تعالی کی خدمت میں سلام شوق پہنچے۔ یہ خط ابھی پہنچا اور ابھی جواب لکھا تاکہ تاخیر جواب کی شکایت نہ ہو۔ دوسرے خط کا منتظر ہوں۔

مظہر الحسن

بھوپال ۱۳ر جنوری ۱۹۱۱ء

مکرمی و مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ آپ کی خوشدامن صاحبہ کی خبر انتقال سے افسوس ہوا۔ موت کچھ کہن سالی پر منحصر نہیں۔ کسی فرد بشر کو اس سے مفر نہیں۔ اس دارِ ناپائدار میں جو آیا وہ جانے کے لیے آیا ہے اور جو گیا وہ ہمیشہ کے لیے گیا۔ ان امور پر نظر کر کے نہ موت باعث رنج نہ حیات باعثِ مسرت۔ لیکن نظام عالم کا انتظام کچھ اس طریق پر رکھا گیا ہے کہ جس قدر تعلقات جس سے زیادہ ہوں اسی قدر اُس کی مفارقت کا رنج اور مواصلت کی خوشی ہوتی ہے اس اعتبار سے ہر شخص کی وفات علی قدر تعلقات باعثِ حسرات ہوتی ہے مگر جن کے دیدۂ بصیرت وا ہیں وہ راضی برضاء خدا ہیں۔ یہ عارضی تعلقات اُن کی نظر میں وقیع نہیں وہ دُنیا کو سراب اور زندگی کو نقشِ بر آب سمجھتے ہیں۔ موجودات عالم بحر فنا کے حباب ہیں۔ دار عالم کی ہر موج ان کے لیے پیام فنا ہے۔ اور گرداب بلا کا ہر تھپیڑا ان کے لیے ابدی بقا ہے۔ بقائے دائمی سبب مسرت ہے نہ وجہ کلفت۔ اس لیے بجا ہے رونے دھونے کے نامۂ اعمال سے داغ سئیات دھونے کی تدبیر کرنی چاہیے۔ اور وہ ایصال ثواب اور خیرات میں مصروف رہے میں بھی دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ کہ خدائے کریم مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ سے بھی آمین کا متوقع ہوں۔

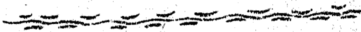
آپ نے اپنے لیے جہاں کوشش کرنا تحریر فرمایا ہے۔ میں اس کو سمجھا نہیں لیکن دست بدعا ہوں کہ خدائے پاک آپ کو کامیاب کرے۔

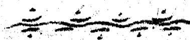
محمد عبد الشکور صاحب اسسٹنٹ معین المہام سخت علیل ہو گئے تھے۔ اب آرام ہوا ہے اگر طبیعت کسی وقت درست ہو تو کوئی قطعہ تاریخ جو مناسب حال ہو تحریر فرما کر بھیج دیجیے۔

میری طبیعت اس درمیان میں صاف نہیں رہی۔ تاخیر جواب کی معافی چاہتا ہوں

نیاز مند

منظہر





جناب مولوی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی کے خط

مولف کے نام

ریاست بھوپال یکم نومبر ۱۹۱۲ء

عزیز مصر سخن شفیق و انیس من۔ تحیتہ والسلام و بعد اشتیاق کے بعد التماس ہے کہ گرامی نامہ مع غزل پہونچا۔ نظم و نثر دونوں نے مل کر دل و جگر کی تسکین کی۔ نثر خط سے پیارے صفدر کی خیریت معلوم ہوکر اور غزل سے روحانی تفریح پاکر میں نے آپ کو ہزار دعائیں دیں۔ یہ آپ نہ سمجھ لیں پوری ہزار بھائی میں ایسا سچا آدمی نہیں۔ تمہاری طرح شاعر ہوں۔ مبالغہ میری طبیعت میں بھی ہے مراد اس سے کثرت دعا ہے آپ کے خط کے ساتھ ہی شیدا کا خط بھی پایا۔ ہائے ظالم نے اس دلکش انداز سے اپنے خط میں لکھنؤ کی پرلطف صحبتوں کا مرقع کھنچا ہے کہ دل بیقابو ہوگیا۔ خدا گواہ ہے بس یہ جی چاہتا ہے لکھنو ہو اور میں۔ میرے ساتھ صفدر۔ و شیدا۔ ہائے لکھنؤ عجب جگہ ہے کیوں پیارے صفدر سچ کہنا تمہیں بھی وہ یاد ہے۔ شیدا تو برسیں گزر جانے پر بھی نہیں بھولے اُمید ہے کہ وہ جلوے تم بھی کبھی فراموش نہ کروگے۔ دیکھو حضرت امیر مینائی مرحوم پیارے لکھنؤ کو کن لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔ ؎

امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں کہاں ہونگی
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

لو میرا جی گھبرایا۔ بھوپال سے اب چلا۔ وہ چلا۔ اے لیجئے وہ لکھنؤ میں پہونچ گیا۔ خواجہ عشرت کی دوکان پر بیٹھا ہوں۔ سامنے چودھرائن کا عالیشان مکان اور امام باڑہ ہے۔ شام اودھ دلکشی کر رہی ہے۔ بیلے کے ہار اور بدھیوں سے دماغ معطر ہو رہا ہے۔ چاروں طرف شاہدان ناز بناؤ سنگار کئے بیٹھی ہیں عجب دلفریبی کا عالم ہے۔ لیکن افسوس میں تنہا ہوں۔ اے لو وہ صفدر آگئے۔ اُن کے ملنے کے لیے اٹھا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ ہائے

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

اجی صفدر وہاں مرزاپور میں پچاس کی جگہ کیا پڑے ہو۔ بھائی اس پچاس سے لکھنؤ کے پانچ بھلے کیوں سچ ہے نا۔ واقعی زندگی اسی کا نام ہے ورنہ بھوپال اور غائبام مرزاپور کی کیا زندگی کیا موت۔ خیر یہ ذکر جانے دیجیے۔ اپنے خط کا جواب سنئے۔ میں ابتک کھانسی زکام

خفیف حرارت میں مبتلا ہوں۔ مگر یہ بات نہیں کہ معذور بن گیا۔ الحمد للہ سب کام کرسکتا ہوں اور کرتا ہوں

بھوپال واقعی چند روز سے نہایت پُرلطف جلسوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ صرف ہمارے لئے کاش آپ بھی ہوتے۔ ہجر صاحب تو گئے۔ خلیق آدمی ہیں۔ میں ان سے ملکر بہت خوش ہوا۔ حضرت بزم اکبر آبادی شاگرد منیر مرحوم تو ہمیشہ کے لیے غالباً بھوپال ہی کے ہو رہے رامپور سے اُنھیں تعلق رہا نہیں۔ اُن سے بھی لطف ہے۔ چند روز سے ایک اور صاحب حضور احمد حضور آئے ہوے ہیں۔ اور مولوی عبد الرزاق صاحب مولف البرامکہ جن کے ساتھ آپ نے ہم نے قیصر کے ہاں الوداعی دعوت کھائی تھی۔ ان حضرات سے بھی لطف صحبت اور ساتھ ہی آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ "مرقع" میں آپ کی غزل دیکھ کر سب نے تعریف کی۔ آج صبح ہاتف بھوپالی اور حضور مراد آبادی آئے میں نے آپ کی تازہ غزل سنائی۔ واللہ لوٹ لوٹ گئے۔ خدا شاہد ہے خوب خوب شعر فرمائے ہیں۔ یوں تو مجھے سب شعر پسند ہیں مگر یہ مطلع ؎

سدھاریں شوخیاں بچپن کی جب اُن کا شباب آیا
خود آرائی کا ساماں لے کے انداز حجاب آیا

اور حسینوں کے شباب والا۔ اور عقدۂ شرم و حجاب والا۔ یہ تینوں شعر دل سے عزیز ہیں۔ یہ اشعار تعریف سے بالاتر آپ نے کہے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ فقط۔

خاکسار محوی۔ لکھنوی

بھوپال ۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء

حبیب قلبی و طبیب نفسی۔ سلام شوق۔ آپ کا مودت نامہ پہونچکر نور افزائے دیدۂ پرشوق ہوا۔ میں اس وقت وادیٔ سخن کی آوارہ گردی میں تھا۔ تخلص کا اثر یعنی طبیعت کی محویت نے خارستان کی گھاٹیوں کے چکر دے دے کر نہ جانے کہاں سے کہاں پہونچا دیا تھا۔ بظاہر منزل المقصود کا پتا نہیں ملا۔ مگر قدم بھی ڈگمگائے نہیں۔ بلکہ جدھر مُنھ اٹھا اُدھر ہی چلا جاتا تھا

پیارے صفدر۔ کیا کہوں ایک مقام پر پہونچکر خود بخود ٹھٹک کر رہ گیا۔ قدم اٹھتے ہی نہ تھے جی ڈرنے لگا۔ اب مجھے خیال آیا کہ کیا اس وادی کے بھولے بھٹکے کے لیے خضر نہیں ہیں۔ بہن ہوں لگے خود اے خدا تو میری رہبری کر اور اے حضرت خضر مجھ گم کردہ راہ کو راستہ پر لگائیے۔ خدا کا بھروسہ بھی عجیب چیز ہے۔ اُس کا نام زبان پر آنا تھا کہ میری پریشانی دُور ہوئی۔ دُنیائے تصور کی اُس

پُر پیچ راہوں والی وادی میں اپنے صفدر کو اپنا جادو نگار قلم لیے ہوئے سامنے کھڑا پایا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ آؤ بھٹکو نہیں ہم تمھاری محنت ٹھکانے لگائیں گے۔ اور جب تم نے اس کوچہ میں قدم رکھا ہے تو انشا پردازی کے جوہر اپنے کلک خوش رقم سے بتائیں گے کہ دوستو اس راہ پر چلو۔ جس وقت میں ان خیالات میں محو تھا۔ آپ کا مجسمہ پیش نظر تھا۔ اور آپ وہ خط لکھ رہے تھے جس کا جواب میں آج لکھنے بیٹھا ہوں۔ جس میں اپنے پیارے طرز تحریر اور دلفریب انشا پردازی کے ثبوت دیے ہیں۔

پیارے صفدر۔ تمھیں خیال ہو گا کہ جس کو میں خط لکھ رہا ہوں وہ عالم تصور میں مجھے اور میری طرز تحریر اور روانی قلم کو دیکھ رہا ہے۔ آپ نے خط لکھا اور لفافہ میں بند کیا اور ڈاک کے نذر کیا اودھر میں جو ہوشیار ہوا تو سوچا کہ اسے ہے یہ صورت واقعی نہ تھی۔ بلکہ عالم خیال کی ایک دلربا جھلک تھی۔ پھر بھی دل مسوس کر اور اس بات پر صبر کر کے بیٹھ رہا کہ اب وہ خط میرے پاس ہی تو آنے والا ہے۔ اگر چہ تین دن کے بعد مجھے ملے گا۔

میرے عزیز دوست۔ جواب خط لکھنے میں اتنی دیر نہ کیجئے۔ دیکھیے مجھے کتنی پریشانی ہوئی اگر چہ آخر میں آپ ہاے آپ نہیں بلکہ آپ کا پیارا خط مل گیا اور تسکین دل کے سامان ہوگئے یہ شعر آپ نے سچے دل سے لکھا ہے۔ ؎

ہم کو تو محوی تمہاری آرزوے دید ہے
تم مزے مجھوپال کے لوٹو تمہاری عید ہے

اس لیے مجھے پسند آیا۔ اب تک کئی بار پڑھ چکا ہوں مگر یہ بے انصافی ہے کہ آپ کی جدائی سے میں فائدہ اٹھاؤں اور مزے لوٹوں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ اطمینان فرمائیں یہ دل کمبخت ایسا سخت نہیں ہے۔

جنگ بلقان کی تصویر آپ نے اس خط میں اچھے الفاظ میں کھینچی مگر میری درخواست ہے کہ آپ ضرور بالضرور اس پر نظم لکھیے ضرور لکھیے نہ لکھیے گا تو مجھے افسوس اور رنج ہو گا۔ آگرہ اخبار میں جنگ کے متعلق آپ کا مضمون بھی نظر سے گزرا۔ آج کل جنگ کی وجہ سے اخبار والد صاحب قبلہ بھی دیکھتے ہیں۔ وہ پرچہ بھی ان کے ملاحظہ میں آیا۔ آپ کا مضمون دیکھ کر اس کی بہت تعریف فرمائی اور واقعی ہے بھی وہ تعریف کا مستحق۔

میں نے بھی حال میں ایک غزل لکھی ہے جس کا صرف ایک شعر لکھتا ہوں ؎

اپنے ہاتھوں سے پلا کر وہ پشیمان ہوئے
زہر کا ہائے مرے حق میں دوا ہو جانا

"نقاد" کے لیے حضرت دلگیر نے مجھے بھی دعوت دی ہے مگر اب تک میں نے کچھ بھی نہیں کہا "مرقع" کو میں نے جواب ہی دے یا "نقاد" کا ایک آدھ پرچہ دیکھ لوں تو رائے قائم کروں حالانکہ انھوں نے بہت زور دیا ہے کہ پہلے ہی نمبر میں میری کوئی نظم ہو۔ بہر حال کوشش کروں گا تنقید دیوان مجنون کے لیے آپ کی رائے تو ٹھیک ہے مگر میں پہلے سے بھی دریافت کرلوں۔ ورنہ "قضیہ زمیں برسر زمیں" والی مثل تو یہ چاہتی ہے کہ آگرہ اخبار میں چھپے۔ عید لضحے یہاں بھی جمعرات ہی کو ہوئی۔

محمد حسین محوی

لکھنؤ ۹ مئی ۱۹۱۳ء

پیارے صفدر۔ تسلیم۔ اپنے محوی سے بگڑ گئے۔ خفا ہوگئے اور ایسے خفا ہوئے کہ اب اُسے خط ہی نہ لکھو گے "القط ہے قلم کی دوستداری" اب کبھی کچھ نہ لکھنا۔ تمھیں میری سچی محبت کی قسم۔ میرے وارفتہ دل کی سوگند۔ بس اب تڑپ تڑپ کے کروٹیں بدلتے بدلتے قفس تن سے میرا طائرِ روح پرواز کر جائے مگر اس تغافل شعار گنہگار کو بالکل دل سے بھلا دو۔ اسکی یاد اپنے قلب سے اس طرح مٹا دو جس طرح کوئی ستم آرا اپنے دہلیز سے عاشق کے نشان قدم یا کوئی کاتب صفحۂ قرطاس سے حرف غلط مٹا دیتا ہے ہاں ہاں بالکل یوں ہی مٹا دو تمھیں میرے ہستی ناپائدار اور زندگی فانی کی قسم مٹا دو! مٹا دو!! اگر یاد رہے تمھیں کو چین نہ آئیگا۔ پھر بھی یہ مجرم الفت اور کچھ سزا کا مستحق رہے گا۔

تو کیا میں سچ مچ آپ کی پیاری تحریر کی دید سے ہمیشہ کے لیے محروم کیا جاؤں گا۔ نہیں اے اثر محبت ایسا نہیں ہو سکتا۔ محوی مرزا پور میں حاضر ہو۔ اور کسی کے قدموں پر گر جائے۔ سر رکھدے میرا دوست ایسا بے رحم نہیں جو اُسے ترس نہ آجائے۔ اور کرم نہ فرمائے۔ میری اس جبین نیاز کو دست ناز سے اٹھا کر کوئی ضرور گلے لگائے گا۔ پھر تو میں بھی خود رفتگی اور مدہوشی کی حالت میں گلے میں باہیں ڈال دوں گا اور منا لوں گا۔ جرم الفت بخشوا لوں گا۔ اگر ایسا ممکن ہے تو پیارے صفدر آؤ تصور ہی میں آگے بڑھو۔ بڑھو! صرف دو قدم۔ بس میں اپنے دوست کو عزیز دوست کو گلے میں باہیں ڈالکر منائے لیتا ہوں۔ وہ دیکھئے میرا دوست مسکرا دیا۔ ہائے یہ تبسم زیر لب کی

ادا دیدنی ہے کیوں سچ کہنا ہنسی آ گئی نا؟ اچھا اس بات پر صرف اس دعوے محبت اور اس انتہائے شوریدگی کا پاس کر کے قصور معاف کر دو۔ بیشک مجھ سے خطا ہوئی۔ میری خطا قابلِ عفو مگر میرا دوست مہربان ہے۔ تم کہتے ہو میں نے خط لکھنے میں تغافل کیا۔ دیر لگائی اور یہ نہ پوچھو کیوں؟ اے بھائی "الناظر" کا دفتر فلاورمل میں امین آباد سے آ رہا ہے۔ مجھے بالکل ۳۱ گڑبڑ میں فرصت نہ ملی۔ ظفر الملک صاحب کل یا پرسوں پٹنہ جا رہے ہیں اخبار "المدبر" کی ایڈیٹری کا کام کریں گے۔ سب کام اُن سے سمجھنا تھے۔ بس اس بے اطمینانی کے سبب تاخیر ہو گئی۔ اس کے سوا کوئی عذرِ معقول نظر نہیں آتا۔ بس اتنی ہی بات پر تم نے جل کر۔ خفا ہو کر غصے سے اور نہ معلوم کس کس خیال سے گرم گرم فقرے لکھ کر مجھے صدمہ دیا۔ رنج پہونچایا۔ اچھا کیا مجھے اس کی شکایت نہیں ہے۔ ہم تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہ آزمایش گاہ ہے خوب ستا لو۔ دیکھو میں اُف نہ کروں گا۔ اچھا میں بڑھا۔ ایک چرکا اور دو۔ چرکا دو۔ بلکہ اپنا جگر دوز تیر کلیجے میں اتار دو۔ میں خوش ہوں اور وہ تیر میرے لیے سرمایۂ نازش ہے حاصلِ زندگی سمجھوں گا۔ تم خود ہی خیال کرو۔ کہ جو شے کلیجے میں رکھنے کے قابل ہو سرمایۂ نازش اور حاصلِ زندگی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ صرف شاعرانہ خیالات نہیں بلکہ میں پھر امتحان گاہِ محبت میں اُترنے کے لیے آمادہ ہوتا ہوں۔ ذرا دل کر کے تیغ بکف آئیے اور تماشائے طپیدن دیکھئے بسمل وہ رنگ لائے کہ دامنِ قاتل پُربہار ہو جائے۔

آپکی تازہ غزل "ادیب" میں نظر پڑی۔ ساری غزل لاجواب ہے لیکن یہ شعر مجھے بہت پسند آیا۔ نیچرل جذبات اور معاملہ بندی کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی آپ بھی ملاحظہ کیجئے ؎

دیکھ لیں تم کو کنکھیوں سے تو مجبوری ہے
ہاں نظر بھر کے جو دیکھیں تو گنہگار آنکھیں

ردیف نے کیا مزہ دیا ہے اور "ہاں" کا کھنچاؤ کس قدر لطیف ہے اور کنکھیوں سے دیکھنا خاص فلسفہ ہے جو محبت شناس نظروں کے سوا اور کہیں نہیں ملتا۔ واللہ ہی مجھے یہ شعر اور مطلع وردِ زبان ہو گیا ہے۔ میں نے بھی ایک سخت زمین میں چند شعر کہے ہیں پھر کسی وقت عرض کروں گا۔ فقط

کمترین محوی

لکھنؤ یکم جنوری ۱۹۱۴ء

پیارے صفدر۔ تسلیم نیا سال مبارک۔ خدا کرے ہم اور آپ اس سال آفاتِ ارضی و

وارضی سے محفوظ رہیں۔ چمنستانِ امید بارور رہو۔ اور بادِ خزاں سے مصئون رہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس تقریب پر ارباب سخن نہیں بلکہ آپ ایسے لطیف الخیال دوست کے لیے بمصداق "برگ سبز است تحفۂ درویش۔" کچھ سامان دلچسپی کلک خوش رفتار سے صفحات کے اسٹیج پر مہیا کروں اور دیکھوں کہ وہ نقش وفا۔ قدر شناسی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اپنا دل ہی پکڑ کے نہ رہ جائیں تو کہئے کا۔ مگر اس کے لیے فرصت اور اطمینان کی ضرورت ہے۔ اور یہاں دونوں مفقود۔ اللہ اللہ ایک زمانہ تھا جب کہ ہم آپ ایک جگہ لطف محبت اور نشۂ الفت سے سرشار اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے تھے۔ اور آج مفارقت نے وہ بُعد پیدا کیا کہ شاید آپ کو میری صورت بھی نہ یاد رہی ہو گی۔

محوی کوئی ایسی چیز بھی نہیں۔ جس کی شبیہ کعبۂ دل کے باب الصدر پر سبعۂ معلقہ کی طرح آویزاں کی۔ جائے یا سرزمین قلب پر اُس کی کوئی زریں یادگار باقی رہے مگر آپ معلوم کس طبیعت اور محبت کے آدمی ہیں جو اس ہستیِ فانی کو نہیں بھولتے۔ سیکڑوں انقلاب ہوئے حالتیں اور صورتیں بدل گئیں۔ مذاق اور زندہ دلی مٹ گئی۔ مگر میں تو اپنی کہتا ہوں کہ آپکا خیال اسی طرح دل میں ہے جس طرح غالب کہتا ہے ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

پیارے صفدر تمہاری بھی خدا کرے یہی حالت ہو جو مجھ آوارہ کوے تمنا کی ہے اور اگر ہے تو اب کوشش کرو کہ اُس میں جلد تغیر آ جائے۔

دیکھو میری پیاری بیوی مرحومہ بیوی نے چھ سال ساتھ دیا۔ اور وہ اب مجھ سے ایسی بیزار ہوئیں کہ میرے پہلو میں رہنے پر گورِ غریباں کو ترجیح دی۔ اور شبستانِ عیش کی رونق پر گورستانِ کی سنسان اور وحشت خیز آبادی کو اختیار کیا اور وہ زندہ تصور آنکھوں میں پھر رہی ہے اور وہ پیاری صورت دل کے مرقع پر نقش ہے۔ پھر جن سے مجھے امید وفا تھی وہی آنکھ چرا گئے تو اور کسی سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بُرا نہ مانئے گا۔ دل شکستہ ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ایسی حالت میں زبانِ قلم سے جو کچھ نکل جائے اُس پر بُرا نہ ماننا ہی مناسب ہے آپ سے بھی متوقع معافی ہوں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ جی بھر آیا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں۔ اچھا رخصت۔

کمترین محوی عفی عنہ

بھوپال ۱۱ جون ۱۹۱۱ء

بھائی صفدر۔ خدا کرے سالہا سال کی عمر ہو۔ بخدا آپ کی غزل نے تڑپا دیا۔ کئی بار پڑھی۔ جو لطف حاصل ہوا وہ بیان سے باہر۔ ع چہ خوش گفتی و دُر سفتی عفاک اللہ نکو گفتی ؛ ہر شعر پر دل سے آہ اور منھ سے واہ نکلتی تھی۔ میں نے تو تہیہ کر لیا ہے کہ خدا نے اگر چاہا تو آپ کا دیوان خود چھپواؤں گا۔ تمام ملک کو آپ کے لطیف اور دلاویز کلام سے محظوظ ہونا چاہیئے اگر صرف میں نے مزہ لیا تو کیا اور میں نے چھوٹے منھ سے داد دی تو کس قابل۔ ہائے اس شعر نے میرے دل و جگر پر نشتر کا کام دیا۔ میر و مرزا کے مزاروں سے اگر آہ نہ نکلی تو میں کہونگا کہ یہ دل مذاقِ سخن سے نا آشنا تھے ہائے کس قیامت کا شعر کہا ہے۔ تعریف کے لیے زبان اور منھ چاہیئے مجھے اپنی داد پر خود خرمندگی حاصل ہوتی ہے کیا خوب کہا ہے۔

چھپائی چوٹ اُلفت کی بہت پر کیا کریں اسکو
جگر کے چند ٹکڑے آنسوؤں میں مل کے آ نکلے

شعر تو سب ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ مگر یہ خاص میرے مذاق کا ہے۔ دکھا ہوا دل جلا ہوا کلیجہ برمایا ہوا جگر۔ بیچین طبیعت۔ اس کی لذت سے خوب واقف ہے۔

بھائی صفدر اس شعر سے آپ کے وفورِ غم اور پریشانیوں کا حال معلوم ہوتا ہے ..... کے ہاں یہ بات نہیں۔ اُن کی شاعری آوارگی کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ وہ اس رنگ سے بالکل بیگانہ ہیں۔ اس مذاق کے لیے پختگی اور بہت سی باتوں کی ضرورت ہے۔ مذاقِ سلیم اور ذوقِ صحیح ایسے ہی اشعار سے پیدا ہو سکتا ہے۔ میں تو اس رنگ سے عاجز ہوں۔

آپ نے "محمڈن یونیورسٹی" پر جو ریویو لکھا ہے "اودھ پنچ" میں کھینچ و تیجیے۔ اس عرصہ میں منشی صاحب قبلہ آپ کو بہت یاد فرماتے تھے۔ "ادیب" اور "زمانہ" پر ایک موازنہ "الناظر" میں منشی صاحب کے قلم سے نکلا تھا۔ اس کا جواب "ادیب" میں لالہ مہیش پرشاد بی اے نے دیا مگر بہت ضعیف۔ جواب الجواب۔ ایک صاحب نے "اودھ پنچ" میں خوب لکھا۔ جواب نہایت دنداں شکن دیا۔ آپ ایسے وقت ہوتے تو ذرا لطف آتا۔

آپ کا محوی۔

لکھنؤ یکم جنوری ۱۹۱۲ء

زمانے کے ستائے ہوئے۔ میرے عزیز اور شفیق دوست۔ تسلیم۔ عین انتظار کی حالت میں عنایت نامہ پہونچا۔ لفافہ پر سُرخ حروف دیکھ کر کچھ مسرت کی امید پیدا ہوئی تھی کہ مضمون پڑھتے

پر حسب معمول غم سے حالت بدل گئی اور معلوم ہوا کہ آپ اپنی قابلیت سے ہر رنگ میں ایک ہی داستانِ غم کو تحریر فرما سکتے ہیں۔ ہائے آپ کے درد انگیز خطوط مجھ پر عجیب پریشانی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن میں اس فلک سے کہنا چاہتا ہوں کہ اے چرخ! اگر یوں ہی برابر غم دیتا رہا تو ہم عادی ہو جانے پر بمصداق العادت طبیعۃ ثانیۃ تیرے جور سے متاثر نہ ہوں گے۔ اب ذرا مہلت دے اور سستا سستا کے جان لے۔ کہ ہم بھی کچھ صدموں کے مزے سے واقف رہیں اور تیرا مشغلہ بھی موقوف نہ ہو۔ کیا عجب کہ پیر چرخ نے میری یہ عرض قابل قبول سمجھی ہو۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ؎

جرّاح میرے زخمِ جگر بھتے ہیں دن رات
ناسُور نہیں ہیں تو یہ بھر کیوں نہیں جاتے

آغوشِ محبت اور کنارِ عاطفت میں پرورش کرنے والی ماں۔ فرطِ الفت اور وفورِ شفقت سے لوریاں دینے والی والدہ۔ چھاتی سے پیار کرنے والی مادر سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جانیکا صدمہ اولاد کو جس قدر ہو کم ہے۔ پھر ایسا ناز اٹھانے والا قیامت تک میسر نہیں آسکتا ایسا چُمکارنے والا۔ دُلار کرنے والا۔ قیامت کے بعد بھی دوسرا نصیب ہونا غیر ممکن ہے۔ ایسی نعمتِ عظمیٰ کے تلف ہو جانے کا غم کیوں نہ ہوگا۔ مگر سچ یہ ہے کہ ایسا جانکاہ صدمہ آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا۔ کیسا ہی پتھر کا کلیجا اور کڑا لٹھور جگر ہو سہج ہی جاتا ہے۔ یہ کب تک ہمیشہ کے لئے۔ مگر ضبط سے اور بھی خوف ہے۔ اِن بخارات دل کے نکل جائیں تو صبر کی امید بندھے

آپ نے بھابی جان کی جو حالت لکھی ہے اس سے دل پر چوٹ لگی۔ مگر کیا کرتا۔ آہ کر کے ٹھنڈی سانس بھر کے کلیجا دونوں ہاتھوں سے تھام کر رہ گیا۔ آپ کے پُر درد اور با اثر الفاظ نے اور بھی طبیعت کو ابھارا۔ غرض واقعہ جانکاہ اور الفاظ با اثر نے مل کر خوب ہی رنج و الم کے تیر برسائے اور خموشی کی حالت میں جان و تن پر تصرف حاصل کر لیا۔ ماتم بے پایاں ہے۔ اس کی انتہا نہیں۔ لیکن آپ مرد ہیں صبر اور ضبط سے کام لیکر اور اپنی حکمت عملی سے اُن کی دل دہی فرمایئے اور اس وقت تمام کوشش اسی پر صرف کیجئے کہ بھابی صاحبہ کا ملال کم ہو جائے۔ گو بغیر میرے لکھے آپ کی توجہ اس طرف مبذول ہو گی۔ تاہم آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک ہم خیال کی تائید مزید تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ ورنہ یوں تو رونے دھونے کو عمر پڑی ہے۔

خدا سے بدل دعا کرتا ہوں کہ وہ کریم رحیم مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور آپ کے تفکرات اور پریشانیاں دُور کرے

آپ کا محوی

بھوپال ۲۷ / جولائی ۱۹۱۱ء

جناب صفدر زاد مجدہٗ تسلیم۔ مدت کے بعد آپ کا محبت نامہ ملا۔ خدا شاہد ہے۔ آپ کی قلمی تحریر دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں تھیں۔ اور کل میں نے کارڈ یاددہانی کا آپ کے نام لکھا تھا کہ اس وقت کی ڈاک سے عنایت نامہ مل گیا۔ مسرت کا اندازہ بیان سے باہر ہے مُنھ مانگی مراد پائی۔

حضرت تسلیم کے انتقال کی تاریخ آپ نے بےمثل لکھی۔ خدا گواہ ہے ایک ایک مصرع اس تاریخ کا قابل داد ہے۔ میں تو آگرہ اخبار میں دیکھ کر پھڑک گیا۔ اور استاد سے بھی میں نے اُس کی بہت تعریف کی۔ یوں تو تاریخ گوئی میں آپ کو ملکہ حاصل ہے اور تمام قطعات تاریخ لاجواب ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ تاریخ خوب رہی۔ ایسا پاکیزہ مادہ تو آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ "ہے ہے زبان کا خاتمہ تسلیم پر ہوا۔"

واللہ آپ نے جو بات پیدا کی دوسرے سے نہیں ہوئی۔ میں نے حضرت شیدا کے خط میں اس کی داد دیکھی ہوں۔

فن تاریخ میں "کہ" کے ۲۰ عدد درست ہیں ۲۵ صحیح نہیں کیونکہ یہ صورت کاف کی اصلی ہے۔ "ہ" کے سات عدد لیے جائیں گے۔ اس لئے کہ اس صورت میں ہائے مختفی شامل ہے اور کاف بیانیہ "کہ" اس طرح لکھا جاتا ہے نہ یوں "ک" لہذا اس میں ہائے مختفی شامل نہیں ہے جو ۲۵ عدد لئے جائیں جہاں تک مجھے یاد آتا ہے حضرت تسلیم سہوانی نے اس کاف کو مستثنےٰ کیا ہے اور یہی مذہب حضرت امیر مرحوم کا ہے کہ ۲۰ عدد "کہ" کے لیتے ہیں۔

حضرت شوق مدظلہٗ جارج پنجم کی ترکیب میں اضافت ضروری سمجھتے ہیں کہ ترکیب عنافی ہے ترکیب توصیفی میں بھی اضافت ضروری ہے۔ اگرچہ زبان پر ثقیل ہوگا مگر بلا اضافت جبکہ شعرا لکھ رہے ہیں تو مضائقہ نہیں۔ یہ صرف میرا خیال ہے۔

مدت سے آپ کی غزل دیکھنے میں نہیں آئی۔ خدا کے لئے جلد کوئی تازہ کلام بھیجئے۔ اس غزل کے دونوں شعر لاجواب اور بےمثل ہیں۔ اول شعر ؎

جو میں نے چوم لیا منہ بہت ہی شرمائے
خطا میری تھی انھیں صفت انفعال ہوا

بالکل جلیل صاحب کا رنگ ہے۔ اور دوسرا شعر تو قیامت کا ہے "قفس میں بند ہوئے مجھکو ایک سال ہوا" سیکڑوں مرتبہ اس شعر کو کل سے ابتک پڑھ چکا ہوں مگر طبیعت سیر نہیں ہوتی میں نے تو وردِ زباں بنا لیا ہے اور ہمیشہ زبان پر رہے گا۔ خدا آپ کے زورِ قلم کو مزید قوت دے۔ اللہ اللہ سہ

اسی بہار میں اگلے برس ہوا تھا اسیر
قفس میں بند ہوئے مجھ کو ایک سال ہوا

آپ کی پریشانیوں نے لٹریچر کو اتنا فائدہ ضرور پہنچایا کہ رنگینی کے علاوہ درد اور اثر کلام میں زیادہ ہو گیا ہے۔ معاف فرمائیے گا اور بُرا نہ مانئے گا۔

کل میں یہ خط لکھ چکا تھا کہ رسالہ "صبح بہار" بابت ماہ نومبر ۱۹۱۱ء موصول ہوا اس میں میری ایک نظم "انتظار یار" کی سُرخی سے اور آپ کی غزل "مسلمان ہوں میں" شایع ہوئی ہے اور قیصر کے الوداعی پارٹی میں جو چند شعر آپ نے فی البدیہ پڑھے تھے وہ بھی ایک شکریہ کے نوٹ کے ساتھ چھپے ہیں۔ سرور۔ ارشد قیصر کا آپ کے ساتھ خلوص ظاہر ہوتا ہے۔ میر ارشد کا اور مولوی عبدالرزاق صاحب مولف البرامکہ کا بھی تذکرہ ہے اس سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر آپ کی تعریف ان لوگوں کے زبان پر نہ آتی ہو۔ مگر دل میں آپ کی قابلیت کے معترف اور قدردان تھے۔ کیونکہ "قدر نعمت بعد زوال" کے بمصداق اب آپ کی جدائی کا ان حضرات کو بہت غم ہے اور انصافاً ہونا بھی چاہیئے۔ ہائے ایسے کاملِ فن پھر کہاں نصیب ہوتے ہیں۔ علیش کو بھی رنج ہو تو تعجب نہیں گروہ بد مذاق ضرور ہے۔
خدا کرے پھر ہم اور آپ بھوپال میں ہوں اور پھر یاروں کا وہی مجمع۔

محوی عفی عنہ

بھوپال ۱۱ راگست ۱۹۱۲ء

بھائی جان۔ آپ کا محبت نامہ کل شام کو مجھے ملا کیا عرض کروں۔ آسمان کی ستم آرائیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ اسے لیجئے جس ننھے معصوم۔ ناسمجھ بچے کے لیے آپ دعا فرما رہے تھے جس کی زندگی سے بہت سے دامنِ امید وابستہ تھے۔ وہ داغ مفارقت دے گیا۔ کل تک

جس کے علاج و معالجے میں سب مصروف و سرگرم تھے۔ آج وہ سب ہاتھ پر ہاتھ دھرے سوگوار بنے بیٹھے ہیں جس دل میں امید و آرزو کے دریا موجزن تھے آج وہاں یاس و ناامیدی کے طوفان ہی اُمنڈتے ہوئے نظر آرہے ہیں جس نودمیدہ پھول کی شگفتگی ہزاروں کے غنچۂ دل کو تازگی بخشنے والی اور کھلانے والی تھی۔ وہی ہمیشہ کے لئے کملا گیا ؎

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بے کھلے مرجھا گئے

افسوس! جس نونہال ریاض محوی کے لیے کل قطعات ولادت لکھنے کی فکریں تھیں۔ آج اُس کی موت۔ خون رُلانے والی موت۔ ظالم موت کے نوحہ جات لکھنے کی ضرورت ہے۔ غرض دنیا کا عجب کارخانہ ہے۔ بہت کم آرزوئیں پوری ہوئیں۔ بہت کم تمنائیں پھولیں پھلیں۔

۶ راگست کا دن مصیبت کا دن تھا اور ۷ راگست کی رات بڑی قیامت کی رات تھی ساڑھے آٹھ بجے ہوں گے کہ اُس جگر کے ٹکڑے کا دم آخر ہوا۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے اس کی ولادت کی اتنی خوشی نہ تھی جتنا غم اُس کی وفات حسرت آیات کا ہوا۔ دعا اور دوا میں نے وہ کوشش کی جس کی مثال مشکل سے ملیگی۔ مگر خدا کو منظور نہ تھا کہ وہ جگر گوشہ آغوش مادر میں کھیلتا ہوا نظر آئے خیر مجھے تو جتنا غم ہے اُتنا ہے۔ مگر اس کی حسرت نصیب ماں۔ ارمان بھری دادی (میری والدہ) کو بیحد صدمہ اور قلق ہے۔ اٹھارہ دن جیا۔ رات بھر جاگتے گزارتیں اور گود میں لئے بیٹھی رہتیں۔ سب محنت اکارت گئی اور ساری کوشش رائگاں۔

بہر حال اب صبر و شکر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ بندہ خدا کی مصلحتیں سمجھنے سے رہا اور قسمت سے لڑنے سے رہا۔ بس اب میں ہوں اور محویتِ غم۔ دل ہے اور کیفیت الم۔

خاکسار دارین۔ محمد حسین محوی لکھنوی

بھوپال ۱۳ استمبر ۱۹۱۱ء

پیارے صفدر۔ پرسوں یا ترسوں آپ کا کارڈ ملا۔ بیحد انتظار کی حالت میں۔ ایک چشم براہ عاشق کو آمد یار کی خبر سنکر یا اپنے محبوب کو دیکھ کر جو خوشی ہوتی ہے وہ مجھے اس کارڈ سے حاصل ہوئی کہتے ہیں۔ وصل کی رات بہت چھوٹی ہوتی ہے اُسی طرح آپکا کارڈ بھی بہت مختصر تھا کئی بار پڑھا مگر سیری نہ ہوئی۔ قاعدہ تو یہ چاہتا ہے کہ آپ کی باتوں سے خوشی ہو مگر کچھ ایسی حسرت آمیزی کا رنگ آپ کے قلم نے اختیار کیا ہے کہ اُس سے کبھی شادمانی کے پھول جھڑتے ہی نہیں

حسب معمول یہ کارڈ بھی واقعات درد انگیز سے بھرا ہے اب تو اس داستان سے بہت جی گھبرا گیا۔ ہائے آپ کا کیا حال ہوگا جن پر یہ مصائب گزر رہے ہیں۔

آپ نے "قیس" والا مضمون بہت خوب لکھا۔ خواجہ صاحب جس قدر اس کی داد دیں کم ہے۔ "کلوپیٹرا" کو میں تمدن میں اس سے پہلے دیکھ چکا ہوں غنیمت ہے ؎

ہم تو دیوانے ہیں مجنوں کی کہے جائیں گے
ہیں حسین آپ طرفداریِ لیلیٰ کیجئے

ہاں آپ کے مضمون میں دو ایک جگہ مجھے شک ہوا۔ اطلاع دیتا ہوں برا نہ مانیگا چھٹی سطر صفحہ ۳ میں جیوں ہی کے ساتھ آپ نے لکھا۔ یہ اب متروک ہے۔ بغیر ہی کے لکھئے۔ دوں دوں کا مقابل ہے ہی کی ضرورت بھی نہیں۔ اسی صفحہ میں بارھویں اور چودھویں سطر میں لفظ گو صحیح مگر لائق کا لفظ میری دانست میں مترادف اچھا تھا۔ اور سترھویں سطر میں "گل رخسار پر آنسو ڈھلک کر" آپ نے لکھا ہے۔ میرے خیال میں آنسو ڈھلک کر چاہئے۔ میری زبان پر آنسو ڈھلکنا ہے۔ اور غالباً یہی صحیح ہے۔ ۲۱ سطر میں "لب خشکیدہ" غیر فصیح اور غلط معلوم ہوتا ہے۔ لب خشک چاہئے۔ خشکیدن میں نے کہیں مصدر نہیں پڑھا آٹھویں صفحہ کے دوسرے کالم میں پانچویں سطر میں شائق کا لفظ مشتاق کے معنی میں آپ نے لکھا ہے مگر یہ شوق دلانے والے کے معنی میں ہے متعدی ہے۔ لوگ مشتاق کے معنی میں غلط لکھتے ہیں۔ گو رند اور آزاد نے آب حیات میں ایک ایک جگہ لکھا مگر استاد کے نزدیک اس سے بچنا اولیٰ ہے۔ میں نے آپ کو بے تکلف دوست سمجھ کر لکھا۔ اگر میری غلط فہمی ہو تو آپ میرا اطمینان کر دیں۔ اور اسی طرح آپ میری غلطی بھی گرفت کریں۔ اس سے تبادلۂ خیالات اور درستی معلومات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کا نام سچی دوستی ہے۔ تاکہ آئندہ پھر ہم کو احتیاط رہے۔

آپ کے کہنے سے میں نے "ندوۃ العلما" کے دارالعلوم پر ایک مضمون آگرہ اخبار کو دیا ہے شائع ہو گیا اب کی چھپ کا حسن اتفاق سے "دیوان قیس" مجھے دیکھنے کو ملا۔ عربی ہے۔ لاجواب اشعار ہیں۔ اور ضخیم ہے۔ صرف ایک ورق کا ترجمہ تمہید آگرہ اخبار میں بھیجوں گا۔ اس سے آپ کے مضمون کا حسن اور بڑھ جائیگا۔ اس کو آپ اپنے مضمون کا تتمہ سمجھیں۔ اور شوق سے اس کا انتظار کریں۔ کل صاف کرکے بھیجوں گا۔ امید کہ خواجہ صدیق حسن صاحب پھڑک جائیں گے

خواجہ صاحب نے جو فقرہ لکھا ہے اُن کے رشک کو ثابت کرتا ہے۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔
صلائے عام، اب کی تو مجھے پسند نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حالت تنزل پذیر ہے
خان بہادر کے مضمون بھی بے لطف تھے۔ شاعری والے مضمون میں ایک فقرہ خوب رہا۔
آپ کے کلام سے یہ پرچہ خالی تھا۔ تعجب ہے!

"دیکھنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں"، یہ فقرہ آپ کے خط کا "صلائے عام" کے تمام مضامین سے فائق رہا۔ مگر اب مصرعہ ہے۔ فقرہ نہیں۔ میری آرزو ہے کہ آپ اس پر ایک غزل لکھ ڈالیں۔ یہ میری فرمائش ہے۔ امید کہ ضرور پوری کی جائیگی۔

حضرت قیصر فرماتے تھے کہ انگلی میں درد ہے جب تو ایسے روشن حروف لکھے۔ اگر درد نہ ہوتا تو صفدر صاحب نہ معلوم کیا غضب ڈھاتے۔ یہ جملہ حوالہ آپ کا قصیدہ کی گریز سے کم نہیں ہے اور جس قدر اس کی داد دی جائے کم ہے۔ قیصر کے مذکورہ بالا فقرے نے بھی اُس وقت عجیب لطف دیا۔

آپ کا خادم محمد حسین محوی عفی عنہ

لکھنؤ ۳۰ رجنوری ۱۹۱۵ء

برادرِ گرامی سلام مسنون۔ کارڈ پہنچا۔ نہایت مسرت ہوئی۔ خواجہ عشرت کے پاس سے ایک خط حضرت شوق مدظلہ کا مل گیا نقل ارسال ہے اسے "مرقع ادب" میں ضرور داخل کر دیجئے

محوی

رامپور ۲۶ رجنوری ۱۹۱۵ء

کرمفرمائے بندہ حضرت خواجہ صاحب۔ سلام شوق۔ آپ کا پوسٹ کارڈ پہونچا شکریہ قبول ہو "کرتا ہوگا"، "اور جاتا ہوگا"، دونوں صیغے ماضی احتمالی کے ہیں۔ ماضی استمراری حالی بھی کہہ سکتے ہیں "آتا" سے استمرار پیدا اور "ہوگا" سے احتمالِ فعلی۔

جملوں کی تفصیل میں مثالوں کے ساتھ لکھتا ہوں۔ ممکن ہے کہ کسی وقت اور جملوں کی ضرورت آپڑے۔

(۱) "جملہ اسمیہ" کی پہچان یہ ہے کہ ابتدا میں نام واقع ہو جیسے "زید تھا"
(۲) "جملہ فعلیہ" کی ابتدا فعل سے ہوگی جیسے "اٹھا خالد"
(۳) "جملہ شرطیہ" کی ابتدا شرط سے ہوگی۔ ایسا جملہ جو دو جملوں سے مل کے بنتا ہے لیکن

حضرت محوی کے بہت سے اعلیٰ درجہ کے خطوط اس حصہ میں درج ہونے سے رہے جاتے ہیں، انشاء اللہ حصہ دوم میں شائع کروں گا۔ مولف

ایک "جملہ شرطیہ" قرار دیا جاتا ہے جیسے "اگر بکر آئے تو بہتر" اگر شرط۔ "بکر آئے"۔ "ایک جملہ"۔ "تو بہتر"
دوسرا جملہ مل کے جملہ شرطیہ بنا۔

(۴) اگر جملے سے زمانہ پیدا ہو تو اُسے "جملہ خبریہ" کہیں گے۔ جیسے "خالد کھاتا ہے" یہ زمانہ حال کی خبر دیتا ہے۔ اور "ہندہ کھائے گی" یہ زمانہ مستقبل کی خبر دیتا ہے۔

(۵) اگر "امر" ہو یا "نہی" یا "ندا" یا "تمنا" تو "جملہ انشائیہ" کہیں گے جیسے "جا ابھی" یا "نہ مار" یا "اے خالد" یا کاش زید آئے"۔ نحو کرنا، "موتنا"، "لکھنا"، "گھنا"، مصادر لازمی ہیں۔ اُنکے متعدی مصادر "تھکانا" "ہگانا" ہوں گے۔

ریویو میں نام کے لکھنے نہ لکھنے کا آپ کو اختیار ہے مگر بے نام دلشان ریویو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ادبی بحث اور علمی مذاق ہے۔ نام کا چھپانا کیوں!

نام کے ساتھ نکلنے میں مضامین کا مجموعہ خود آپ کا ایک مستقل رسالہ ہوگا۔

اگر مل جائے تو ناطق والا رسالہ مجھے ضرور بھجوا دیجئے گا۔ شفیق صاحب سے میرا سلام اور پیام فرما دیجئے۔ کھو گیا ہوگا۔ تو وہ اور تلاش فرما دیں گے۔

آپ کا نیاز مند خیر طلب احمد علی شوق قدوائی

جناب مولوی محمد یعقوب الحسن صاحب ایڈیٹر "مشورہ" کا خط

حضرت عزیز لکھنوی کے نام

پیارے مولانا تسلیم۔ مثنوی "معراج المضامین" میں نے بہت دیکھی ہے اور وہ مجھے بہت مرغوب ہے

مولانا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مثنوی قلق کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ اس نے بعض مناظر بہت محش کر دئے ہیں۔ اگر ان سے قطع کیجئے۔ تو مضامین شستگی زبان اور روانی کی حیثیت سے "طلسم الفت" کے بہتیرے مقامات سحر البیان اور گلزار نسیم سے آپ کو اچھے ملیں گے۔ میں مقابلہ تو ضرور کر دوں گا۔ قلق نے واجد علی شاہ مرحوم کی سوسائٹی کا ایک گروپ لیا ہے اور لکھنؤ کے مذاق کی شاہی زندگی دکھلائی ہے۔ سحر البیان کو نیچر کی تصویر کہنا چاہیے۔ اور

گلزار نسیم کا اختصار و سلاست و آمد مشہور ہے اور قلق کی مثنوی میں یہ دونوں باتیں ملیں گی سے

ناک میں نیم کا نقطہ تنکا
شوخ و چالاک مقتضا سن کا

آپ کو واللہ۔ مولانا انصاف کیجئے کیا کہا ہے "در کنار آب انبوہِ حسیناں" اگر اس سلسلہ سے آپ اس کو دیکھتے تو خوش ہوتے۔ یہ بھی کوئی انصاف ہے۔ گلزار نسیم اور سحر البیان نالہائے محبت ہیں "طلسم الفت" حقیقتاً عشق کی سچی تصویر ہے اور محبت کا باغ ہے۔

عاشق فقیرانہ بھیس میں آتا اور معشوق باوجود بے اختیاری قلب اس طرح خودداری کرتا ہے کہ اللہ اللہ۔ شاہی حکایات سے مادۂ علالت پایا جاتا ہے اور عشاق سے دیوانگی ٹپکتی۔ زبان بعض ضلع و جگت کی وجہ سے چھوٹی نہ ہو جاتی تو "طلسم الفت" بھی ایک چیز تھی۔ میرے مولانا آپ اس کو پھر دیکھیں۔ یعقوب

جناب مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی

پروفیسر عربی نظام کالج حیدرآباد دکن کے خط

مولف کے نام

شکریہ

ہم اپنے مخدوم محترم مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی پروفیسر عربی نظام کالج ریاست حیدرآباد دکن کا کس زبان سے شکریہ ادا کریں کہ آپنے ہماری ناچیز استدعا پر خاص توجہ فرما کر ایک ایسا دلچسپ اور پاکیزہ خط تحریر فرمایا جسمیں تحقیق زبان کا وہ مسئلہ ہے جو مرقع ادب کے لیے نہایت ضروری تھا۔ لہذا اس گرامی نامہ کو ہم اس انشائے لطیف میں نہایت فخر کے ساتھ درج کرنے کی عزت حاصل کرکے دست بدعا ہیں کہ اللہ سبحانہ ایسے باکمال کا سایہ ہماری زبان پر رہتی دنیا تک رکھے جس سے اردو کا خزانہ بے بہا جواہر پارہ ہے۔ ناچیز مولف

سلہ مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ لکھنو کی زبان کا جو خاص لطف اس مثنوی میں پایا جاتا ہے اردو میں یہ بات کہاں مجھے یہ شعر قلق کا کبھی نہیں بھول سکتا سے کر چکے تم تو دشت پیمائی ٭ ہم سے گھر بیٹھے خاک چھنوائی ٭ مولف

خط

حضرت سلامت۔ بھوپال سے جو آپ کو میری تحریریں ملیں اس کا لطف جب تھا کہ مولوی سید مظہر الحسن صاحب کی تحریریں بھی ساتھ ہی اُن کے ہوتیں۔ میں نے بہت ڈھونڈھا میرے پاس سے تو اُن کے سب خطوط تلف ہو گئے۔ اور میں نے اپنی نثر کو کبھی جمع نہیں کیا۔ میں نہ جانتا تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئیگا کہ کوئی اس کا قدردان پیدا ہو جائے گا مگر میں آپ سے کہدوں کہ زمانۂ جاہلیت کا رنگ میری عبارت میں بھی بھرا ہوا تھا فقرے مسجع لکھا کرتا تھا۔ جو لوگ حریری و بدیعی سے استفادہ کریں اور ظہوری و طغرا پڑھیں اور پڑھائیں۔ یہ ممکن نہیں کہ اُن کی طبیعت میں اُن کا رنگ نہ اُتر آئے۔ میرے دانست میں سب سے پہلے جس نے اُردو بے تکلف و بے تصنع عبارت لکھی وہ مرزا غالب مرحوم تھے۔ ساتھ ہی اس کے جس تحریر میں انھیں زیادہ اہتمام مقصود ہوتا تھا۔ اس کو زمانہ کے دستور کے موافق مسجع لکھتے تھے۔

مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی کی کتابوں پر غالب نے جو تقریظیں لکھیں وہ سب مسجع ہیں۔ جناب مفتی میر عباس مرحوم کی خدمت میں قاطع برہان کے ساتھ جو خط بھیجا اس کی عبارت بھی مسجع ہے۔ اس کے علاوہ اکثر تحریریں اُن کی سجع سے خالی نہیں ایک خط میں لکھتے ہیں "مولانا علائی نہ مجھے خوف مرگ نہ دعویٰ صبر ہے۔ میرا مذہب بخلاف عقیدۂ قدریہ جبر ہے تم نے میاں مجی اگری کی۔ بھائی نے برادر پروری کی تم جیتے رہو وہ سلامت رہیں ہم اس حویلی میں اقامت رہیں" سجع کی پابندی سے عبارت میں کس قدر جھول پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر کسی کو اس کا احساس نہ ہوا۔

نابغہ عرب کے بڑے شاعروں میں سے تھے اُس نے بادشاہ حیرہ کو چند فقرے نثر کے لکھے ایسے رکیک و سخیف کہ معلوم ہوتا ہے اسے بات کرنا نہیں آتی۔

الا انعم صباحا ایها الملک المبارک السماء غطاؤک والارض وطاؤک ووالدی فداؤک۔ تیری صبح خوبی کے ساتھ گزرے اے بادشاہ مبارک۔ آسمان تیرا اوڑھنا ہے اور زمین تیرا بچھونا ہے۔ اور میرا باپ تجھ پر فدا ہو۔

ایفاخرک المنذر اللخمی فواللہ لقفاک خیر من وجہہ ولشمالک خیر من یمینہ ولاخمصک خیر من راسہ ولخطاؤک خیر من صوابہ ولصمتک خیر من کلامہ ولامک خیر من ابیہ

منذر لخمی تجھ سے کب برابری کر سکتا ہے۔ واللہ تیری پشت اُس کے رخ سے اچھی ہے تیرا بایاں ہاتھ اُس کے دہنے ہاتھ سے بہتر۔ تیرا پاؤں اُس کے سر سے تیری خاموشی اُس کے کلام سے تیری خطا اس کے صواب سے تیری ماں اُس کے باپ سے بڑھکر ہے۔

فھب لی اساری قومی و اسقھن بذالک شکری فانک من اشراف قحطان وانا من سروات عدنان۔ میری قوم کے لوگوں کو جو آپ کے یہاں قید ہیں مجھے بخش دیجئے اور انھیں میری شکرگزاری سے سیراب کیجئے۔ کہ آپ قحطان کے اشراف میں ہیں اور میں عدنان کے رئیسوں میں ہوں۔"

اخیر میں سجع کی ایسی ہوا بندھ گئی تھی کہ جناب مفتی میر عباس صاحب ادیب مجتہد لکھنؤ اعلی اللہ مقامہ اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں "والمضر من الماء البارد وعند بارد دھکا لایستعملہ فی کل وارد"

جناب نے شریفیہ عوا کے اکثر فقرے مسجع لکھے ہیں۔

بعض اہل ادب اس بات کے قائل ہیں کہ عربی میں سجع اکثر بے تکلف پیدا ہوتا ہے لیکن فارسی و اردو میں سجع ہرگز اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بات زبان کی خصوصیات میں ہے لیکن اہل فارس جب مسلمان ہوگئے تو ہر بات میں عرب کی تقلید کرنے لگے نظم میں عرب کے اوزان کو اور نثر میں عرب کے سجع کو لے لیا اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس میں افراط ہوتی گئی۔

سہ نثر ظہوری و رسائل طغرا۔ دونوں کتابیں طلسم بوقلموں ہیں لیکن یہ دونوں اگر زندہ ہوتے تو درہ نادرہ کے سامنے کان پکڑتے جس میں ایسے فقرات بہت سے نکلیں گے "طبع لبق خلق۔ روزہن ذہن ذلق۔ باکلک زعق تلق۔ از مداد غبق رنق۔ بر بیاض لہق یقق مسطف بتگارگشت"

میں جس زمانہ میں مٹیابرج میں پہنچا ہوں تو واجد علی شاہ طاب ثراہ نثر اردو کی طرف بہت مائل تھے سجع کی پابندی کے ساتھ فارسی کے مشابہ الفاظ اور ایہام و اغراق و تخییل کی پیچیدگیاں۔ معنی کی نزاکت بہت پسند خاطر تھی۔ محلات عالی کو عاشقانہ تحریریں اردو میں لکھتے تھے۔ ایک دلبر کو محبت نامے حسب دستور فارسی میں جایا کرتے تھے اور اس کی عبارت بھی درہ نادرہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ اکثر اُدھر سے شکایت ہوا کرتی تھی کہ محبت نامہ کی عبارت میں بہت اغلاق ہوا کرتا ہے۔ آسان عبارت لکھا کیجئے۔

غرض اُردو میں ظہوری و طغرا کی سی نثر لکھنے کا مٹیابرج میں بہت چرچا ہوا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ زبان نے نیا جنم لیا اور بدن بدلا۔ میں اپنے چند فقرے نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں اور لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ اس زمانہ کے انشا پرداز ہنسیں گے۔ ملکہ سیمتن کی طرف سے

اِن دنوں قوتِ نامیہ کو گلکاری کی تاکید ہے۔ اور دولتِ چمن کو بیداری کی تہدید۔ صحنِ گلستان و بستان سازِ آواز ہے۔ اور قمریانِ خوش نوا اصولِ فاختہ سے دم ساز۔ سپیدۂ صبح داغِ شقائق کو مرہم کافوری ہے۔ اُس کی بوندیں گلاب کے کٹوروں میں بادۂ انگوری۔ آب و رنگِ چمن سخن آموزِ بلبل تصویر ہے۔ باغ و راغ و دشت دورِ جنت نظیر ہے۔ تارِ رگِ گل زخمۂ منقارِ بلبل سے نغمہ ریز ہے۔ کاروانِ عنادل ترانۂ دلکش سے شور انگیز۔ فراش نقرہ فروش ماہ چاندنی کے لئے مصروفِ فرش گستری ہے۔ آفتاب زریں دستار مسند زرتار بچھانے کو حاضر۔ قصرِ قیصری ہمارے افضال الٰہی چترِ شاہی ہے بال افشاں ہیں۔ جشن تختِ خاقان سکندر شان ہے۔ جس کا قلم مجمعِ مراسم فریدونی جس کا داغ نگار خانۂ مُثُلِ افلاطونی۔ جس کی رکاب میں گردن فرازانِ دہر غاشیہ بردوش ہیں۔ جس کی جناب میں یکہ تازانِ عہد حلقہ بگوش۔ صبح بہاری اُس کی سواری میں گستہ نفس اور پروازِ طائرِ طنین مگس۔ خالِ عارض چشمک زن۔ زلف سیاہ سُلّفاً من اللّیل“

نواب شہزادہ محل۔ کی طرف سے ”لو موسم سرما بھی تمام ہوا۔ مگر زخمِ جگر کو نہ التیام ہوا۔ بارانِ شبنم تا سحر رہا۔ مگر دیدۂ پُرنم ہر وقت تر رہا۔ ٹھنڈی ہوا گو کم ہے۔ مگر آہ سرد کا وہی عالم ہے۔ آئینۂ آفتاب نفس رسیدہ ہے کہ نالۂ فراق صور دمیدہ ہے۔ داغِ سرد مہریِ محبوب میں حرارتِ آفتاب حاصل ہے۔ تیرِ نگاہ ترازو ہو کر بُرجِ میزان سے مقابل ہے۔ تیرگیِ شبِ فراق حصہ میں آئی ہے۔ سیاہ بختی گرہ میں ہے نافہ کی قسمت پائی ہے۔ زخمِ جگر پر کافورِ اثرِ مُشک دکھاتا ہے۔ آہوئے ختن چشمِ زخم بنجاتا ہے۔ کشتِ امید پر ابرِ بہار برقِ بلا ہے۔ سرِ شوریدہ کو مثلِ مار سایۂ ہما ہے۔ اگر بزمِ عیش مایۂ صبر و تاب ہو۔ یقین ہے خندہ جام برانگن اضطراب ہو۔ نہ جانے کب تک نہ آنے کا ارادہ ہے۔ اب تو بیتابیِ دل و مبہم زیادہ ہے۔“

اس میں شک نہیں کہ مسجّع اور مرصّع عبارت میں مضامین خیالی کے سوا واقعہ نگاری و معاملہ نویسی کی گنجایش ہرگز نہیں۔ اور اسی سبب سے یہ طرزِ تحریر قابلِ ترک ہے۔ اور بات یہ ہے وہ اُردو کیا جس میں فارسی مخلوط ہو۔ جو فارسی نہیں جانتا وہ ایسی نظم و نثر کو سمجھ ہی نہ سکے گا۔

حیدرآباد کے شاعروں میں میرے ایک دوست میر عشقی فیاض الدین فیاض مرحوم نے ایک واعظانہ مثنوی لکھی جو اُن کے انتقال کے بعد چھپی اور سرکار عالی سے انعام ہوا اور بہت قدر ہوئی۔ اس مثنوی کی تقریظ میں چند فقرے میں نے لکھے تھے۔

”اندھیری رات ہے۔ راہزن کا ساتھ ہے۔ رہیں ناہموار۔ منزل دشوار گزار۔ قدم قدم

پر مٹھوکر۔ اُس پر کشاکش خوف و خطر کہیں۔ آب زیر کاہ کہیں اندیشہ کہیں گاہ بہکا اور مارا پڑا بھٹکا اور کنوئیں میں گرا۔ چلنا محال۔ ٹھہرنا وبال۔

مگر ایک مرد خدا کے دل میں دو چار داغ ہے جو گو ہر شب چراغ بنکر چمک اُٹھے۔ اکثر گم کردہ راہ جو سلوک سے نابلد اور طریق سے ناآگاہ ہیں۔ جب اس روشنی میں چشم بصیرت باز کریں گے تو راہ اور کراہ میں امتیاز کریں گے۔ دیکھ بھال کر کنوئیں میں نہ گریں گے۔ جان بوجھ کر آوارہ نہ پھریں گے کانٹوں سے دامن بچالیں گے۔ پھول دیکھ دیکھ کر اٹھالیں گے۔ ..... خدا اس مثنوی کو مقبول خلائق کردے۔ اور اس نالہ موزوں میں اثر دے۔

منشی محمد فیاض الدین فیاض دکن کے سخن سنجوں میں ممتاز۔ شاعر صاحب دیوان اور متتبع اہلِ زبان ہیں۔ جب کچھ کہتے تھے۔ شعرائے دہلی و لکھنؤ کو بے دکھائے نہ رہتے تھے۔ آخر عمر میں مجھ سے مشورہ لینے لگے۔ مومن آباد۔ جو ممالک بندگان عالی خلد اللہ ملکہٗ میں واقع ہے۔ ان کا منشا مولد تھا۔ اور حیدرآباد مسکن و مدفن ہوا۔ ۲۹ رصفر ۱۲۶۲ھ میں پیدا اور ۱۴ رصفر ۱۳۱۶ھ کو رہگرائے دار البقا ہوئے۔"

علی حیدر طباطبائی

مہربان کرم فرما تسلیمات۔ دو مہینے ہوئے نوازش نامہ آیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ ضرور کچھ لکھ کر روانہ کروں مگر اطمینان نہ ہوا۔ امروز فردا میں اتنا عرصہ گزر گیا۔ جی چاہتا تھا لکھنؤ ہی کی تباہی کا حال اور شاہ کی سرکار کا اُجڑنا جو میرے سوانح عمری میں بڑے واقعات ہیں کسی وقت اطمینان سے لکھوں گا۔ آخر مہلت و اطمینان کی امید میں اتنا زمانہ گزر گیا۔ خط کا جواب نہ لکھنا بھی نہایت کے خلاف معلوم ہوا۔ آپ تو اس محبت سے خط لکھیں اور میں فرمایش پوری نہ کرسکوں تو جواب بھی نہ لکھوں۔ کچھ معذرت بھی نہ کروں۔ مناسب نہ تھا۔ یہ لکھنا ضرور ہے کہ آپ انتظار نہ کیجیے گو میرا ارادہ اب بھی مصمم ہے کہ کچھ لکھ کر آپ کے فرمایش کی تعمیل کردی جائے۔

یادش بخیر سید مظہر الحسن صاحب کا طرز تحریر مجھے بہت پسند ہے۔ ان کے خطوط بھی معلوم نہیں۔ آپ نے جمع کیے کہ نہیں

نیاز مند سید علی حیدر

جناب سید مظہر الحسن صاحب مرادآبادی کے نام

حیدرآباد دکن ۷ ر رجب ۱۳۲۶ھ

مہربان و کرمفرما قدر شناس و قدر افزا دام الطافکم۔ تسلیمات و تحیات کے بعد گزارش ہے کہ نوازش نامہ پہنچے ہوئے عرصہ ہوا۔ جواب سے قاصر رہنے کی ندامت اور بھی باعث

تاخیر ہوتی گئی ایک تو طبیعت میں ہمیشہ سے سہو ونسیان کی عادت اس پر کم فرصتی کے سبب سے امروز فردا کو حیلۂ راحت سمجھا کیا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ غالباً آپ کے والد ماجد اب حرمین شریفین سے مشرف ہو کر تشریف لائے ہوں گے۔ میری فرمایش اور ان کی نوازش سے تین غزلیں جو مجھے پہنچی ہیں اور میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے کہ شکریہ موجب نعمۃ ہوا کرتا ہے۔ زہے نصیب کہ اُس گنبد خضرا میں گزر ہوا کہ چرخ زبرجدی جس کا طواف کر رہا ہے اور اُس ضریح اقدس کو مس کیا کہ ملائکہ رحمۃ جہاں درود پڑھ رہے ہیں۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ ہاتھوں کو چومئے لیکن میرا سلام شوق ضرور اُن کی خدمت میں عرض کر دیجئے۔

آپ کی طبیعت میں دقیقہ سنجی و متانت اور تحریر میں جودت و جدت دیکھ کر بے اختیار جی چاہتا ہے کہ کوئی ذریعہ ملاقات کا پیدا ہو۔ اور یہ موقوف ہے آپ کے حیدر آباد تشریف لانے یا میرے بھوپال میں آنے پر بغیر اس کے مسافۃ کا پردہ درمیان سے نہیں اٹھ سکتا ع

پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

ہاں اگر آپ کبھی سیر و تفریح کے ارادہ سے حیدر آباد میں آنے کا ارادہ کریں تو میں اپنے غریب خانہ میں خیر مقدم کہنے کو موجود ہوں

میرے کلام کا اشتیاق آپ نے ایسا ظاہر کیا کہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ جو کلام آپ کی نظر سے نہیں گزرا اُس میں ویسا لطف آپ کو نہ آئے جیسا کہ مقتضائے شوق ہے۔ دیوان کے چھاپنے کا ارادہ ہے جو کچھ رطب و یابس ہے سب آپ ایک ہی بار ملاحظہ فرمالیں گے

نیاز مند علی حیدر طباطبائی

حضرت محوی لکھنوی کے نام

حیدر آباد دکن

شفیق کرمفرما حضرت محوی صاحب دام الطافکم۔ گذارش سلام و نیاز کے بعد۔ نوازش و قدر شناسی کا شکریہ قبول ہو۔ آپ ستایش کر کے میرا دل بڑھاتے ہیں۔ مگر مجھے اپنی بے حوصلگی و کوتاہ دستی سے شرم آتی ہے کہ میرا نام اہل قلم میں گنا جائے۔ جس نے تمام عمر میں کوئی نظم یا نثر شوق و جوش کے حالت میں نہ لکھی ہو۔ ہمیشہ مجبور ہو کر کچھ لکھنا پڑتا ہے تو لکھتا ہوں۔ اسی وجہ سے نہ آج تک دیوان جمع ہوا نہ چھپا۔ صاحب اُردوئے معلی سے بذریعہ مراسلات تعارف ہو گیا ہے۔ انھوں نے مجھ سے دیوان طلب کیا چند اجزا جو بالفعل صاف کئے ہوئے موجود تھے۔ اُن کی خدمت میں روانہ

کردیے۔ اُس میں سے بھی اسّی غزل کے قریب انتخاب میں بالکل نہ آئیں۔ اس وجہ سے کہ انھیں ڈیڑھ جز سے زیادہ لینا مقصود تھا۔ قصائد اگر جمع ہو جائیں تو ایک مختصر دیوان وہ بھی ہو اگر یہ سارا کلام طرح کا یا کسی دوست کی فرمایش کا ہے میں خود سے کہنا جانتا ہی نہیں۔ ادبی رسالے میرے پاس بھی اکثر حضرات بھیجا کرتے ہیں۔ کوئی بات خیال میں آجاتی ہے تو لکھ بھیجتا ہوں ورنہ مجھے اُردو رسالوں میں لکھنے سے سروکار نہ ہوتا۔

دیوان کا شائع نہ ہونا میرے حق میں اکثر طعنہ زنی کا باعث ہوا ہے۔ میرزا داغ مرحوم سے کوئی میرا ذکر کرتا تو کہا کرتے تھے کہ ایک آدھ غزل کہہ لینے سے کیا ہوتا ہے۔ اُن کا کوئی دیوان تو ہم نے نہیں دیکھا۔ یہ ذکر مجھ سے لوگ کرتے تھے اور میں بھی یہ کہہ کے چپ ہو رہتا تھا کہ وہ سچ کہتے ہیں۔ وہ شاعر کیا جس کا کوئی دیوان نہ ہو۔ دیوان چھپے گا تو آپ کو ضرور بھیجوں گا اور میری تصنیفات جو آپ نے مانگی ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب روانہ کروں گا۔

آپ کی اور حضرت شوق قدوائی کی نظمیں اُردو رسالوں کا زیور ہیں۔ میں اکثر مستفید ہوا کرتا ہوں اپنی خیر و عافیت سے ضرور مطلع فرمایا کیجیے اور مولوی سید مظہر الحسن صاحب سے عدم یادآوری کی شکایت کے ساتھ سلام نیاز و شوق ملاقات فرما دیجیے گا۔

علی حیدر طباطبائی پروفیسر عربی نظام کالج

تعزیت نامہ از طرف مرزا کام بخش بہادر شاہزادۂ اودھ

خاص مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی کے قلم سے

حضرت شاہزادۂ وکٹر کی رحلت پُرحسرت وہ دردناک حادثہ ہے جس نے ہمارے دلوں سے صبر اور تاب کو دُور کر دیا۔ یہ وہ سانحہ دلفگار ہے جس کا زخم کبھی نہیں بھرے گا۔ وہ داغ غم ہے جو دل سے کبھی نہ مٹے گا۔ یہ وہ ماتم سخت ہے جو کبھی نہ بھولے گا۔ ہزار افسوس جس دن ان شاہزادہ کو ہم نے کلکتہ میں دیکھا۔ اور ان کے جمال جہاں تاب سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا ہم کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ تجلی رخسار آفتاب لب بام ہے۔ یہ خیال نہ تھا کہ وہ رنگین لب حنائی سرناخن ہے ان کی ہلالی کے جام ہم پی رہے تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ ان کی عمر کا جام لبریز ہو چکا۔ ہمیں یہ نہ معلوم تھا کہ ہمارے اس مہمان کو داعی اجل کا پیام دینا بے ہنگام آجائے گا۔ ہم یہ نہ سمجھے تھے کہ اس چاند کو پورا ہونے سے

پہلے گہن لگ جائے گا ہم یہ نہ سوچے تھے کہ یہ آفتاب نصف النہار تک پہنچنے سے پیشتر غروب ہونے والا ہے۔ ہمیں یہ تصور نہ تھا کہ انگلینڈ کا چمکتا ہوا ستارہ قبر کے گھٹا ٹوپ میں چھپنے کو ہے۔ اس کی شوکت و وقار اور سطوت و شجاعت کے آثار ہمیں یقین دلا چکے تھے کہ فقط قیصر ہند بادشاہ انگلینڈ ہی نہیں بلکہ اپنے زمانہ میں یہ شاہزادہ اعظم فرمانروائے عالم پکارا جاوےگا۔ اور افتخار انگلینڈ کے لیے بڑے بڑے کارنامے تاریخ عالم میں چھوڑ جائے گا۔

ہزار حیف کہ وہ سب امیدیں قطع ہو گئیں اور وہ سب آرزوئیں بھی اس کے ساتھ خاک میں مل گئیں۔ وہ بازو جس میں فرمانروائی و قلعہ کشائی کا زور بھرا ہوا تھا۔ عروس مرگ سے ہم آغوش ہو گیا وہ کاندھا جو حکمرانی کا جوا اٹھانے کو تیار تھا خاک لحد سے ہم دوش ہو گیا۔ اس نے اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف تنہا کوچ نہیں کیا بلکہ علم و وقار اس کے ہم خیال۔ صدہا حسرتیں اور آرزوئیں اس کے ہم رکاب سفر کر گئیں۔ ہم لوگوں کا صبر و شکیب اس کے غاشیہ برداری میں روانہ ہو گیا نشان آہ و فوج اشک اس کے جلو میں چلی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس واقعہ سے تمام رعایائے ہند کے قلب کو صدمہ سخت پہنچا لیکن ہم لوگ جو کہ بہ سبب وفاداری دیرینہ ہوا خواہی فدیانہ و اخلاص ہندی موروثی کے تمام اہل ہند میں ممتاز ہیں۔ اس سانحہ کو مصیبت کبریٰ سمجھے اور ہمارے لیے باعث غم جانکاہ ہوا۔

جناب علیا حضرۃ قیصر ہند اور عالیجناب شاہزادہ ویلز ہم آپ کے ماتم زدہ قلب اور درد رسیدہ جگر سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ کہ کس تحمل اور استقلال سے یہ داغ آپ نے اٹھایا

ان بزرگوں کا دل کیا خدا رس ہے۔ جو اپنے نور چشم کے ماتم میں دامن صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور ان والدین کا کلیجا سراہیے جو اپنے لخت جگر کے غم میں جادۂ استقلال سے قدم نہ سرکائیں۔ کیا پاک نفس وہ لوگ ہیں جو ہستیٔ دنیا کو فانی اور روح کو باقی سمجھ کر دکھ درد میں خدا کو نہیں بھولتے۔

آپ کی وہ غریب رعایا جو اپنے عزیزوں کے غم میں اور فرزندوں کے ماتم میں آج کل مبتلا ہے۔ آپ کے استقلال نے ان کو منزل صبر کا راستہ دکھایا اور تسلیم و رضا کے ڈھرے پر لگا دیا۔

جبتک بادل روز و کراو بجلی ہنس ہنس کر کھیتوں کو ہرا کرے۔ آپ کے دشمن گریاں اور آپ کے دوست شاداں۔ کھیتی سرسبز رہے۔

جب تک سورج کی گرماگرمی اور جھلاجھلی سے کرۂ ارض کو رونق ہے۔ آپ کے حاسدوں کا دل سوزاں۔ ہوا خواہوں کا چہرہ فروزاں اور عالم زیر نگیں رہے۔ جب تک چاند کا عروج سمندر

جزرو مد پیدا کرے آپ کی فرمانروائی کا شور افواج بحری کی زبان پر بلند رہے۔ جبتک کرۂ زمین آفتاب کے گرداگرد سرگرم دوراں ہے۔ سلاطین روئے زمین طواف در دولت سے اکتساب شرف کرتے رہیں۔

خان بہادر میر ناصر علی صاحب ایڈیٹر "صلائے عام" دہلی کا خط مؤلف کے نام

گورگاؤں پنجاب

جناب من۔ میں ان دنوں دہلی میں نہیں ہوں۔ آپ کا پوسٹ کارڈ مجھے یہاں ملا یہاں میں مشیر ریاست ہوگیا ہوں۔ جنوری کا پرچہ آپ کی خدمت میں پہنچے گا۔ دہلی سے ذرا علیحدہ ہو جانے سے مطبع کے اہتمام میں دردسر زیادہ ہوگیا ہے۔

حضرت مہدی کا نام اچھا ہے اسی کو رہنے دیجئے۔ میرے خطوں سے آپ انتخاب نہ کریں ورنہ میں آپ کو خط لکھنا چھوڑ دوں گا۔

آپ نے عرصہ سے کوئی مضمون نہیں بھیجا۔ جب فرصت ہو "صلائے عام" کے لئے کچھ لکھئے حضرت تسلیم کی تاریخ آپ نے بہت اچھی کہی۔ آپ کی طبیعت نظم سے زیادہ مانوس ہے فلسفیانہ مضمون یا نئے خیالات اپنی زبان میں ادا کر ڈالئے۔ آجکل کے تعلیم یافتہ کوئی نتیجہ خیز کلام چاہتے ہیں۔ آپ کا کلام نظم بہت پاکیزہ ہے۔ کوئی معرکہ کا خیال یا مضمون اس طرز پر ادا کیا جائے تو آجکل کے نوجوان ذرا قائل ہوں۔

بوڑھاپے کی وجہ سے لکھنے پڑھنے میں مجھ سے محنت نہیں ہوتی۔ "صلائے عام" سے غرض یہ ہے کہ آپ لوگ لکھیں۔ یہ پوسٹ کارڈ آپ نے بہت اچھا لکھا۔

جنوری کے "صلائے عام" میں میرے مضمون کم ہیں۔ اور جو ہیں شاید ہی آپ پسند کریں اگر میرا گمان غلط نہ نکلے تو محض آپ کا اخلاق سمجھئے۔

نیازمند
ناصر علی

حضرت اخگر اجیگڈھی کے نام

گورگاوں۔ پنجاب

جناب من۔ آپ کا نوازش نامہ ۲۱ ماہ حال کا مجھے آج یہاں پہونچا۔ اس سے پہلے کوئی خط نہیں آیا۔ میرے دہلی میں نہ ہونے سے اور کبھی کبھی وہاں جانے آنے سے ڈاک ادھر کی اُدھر ہو جاتی ہے اس میں شاید خط نہیں پہنچا۔ بھائی صاحب نے بھی اتفاق سے کچھ ذکر نہیں کیا۔ مجھے اس حادثہ کا حال سُن کر رنج ہوا۔ اگر دنیا میں مرنا نہ ہوتا تو اس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی۔ موت نے تمام عالم کو لاچار کر دیا۔ اس میں صبر کے سوا چارہ نہیں۔ مرنے والے کو اس قدر رنج نہیں ہوتا جسقدر کہ پسماندوں کو۔ مجھے اپنے مرنے کا اتنا خیال نہیں جتنا کہ ان کا افسوس ہے جو آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ گئے۔ میری عمر زیادہ ہونے کی سزا یہی ہے۔ میری طبیعت بھی اب ٹھیک نہیں رہتی اور آپکا قیام بہت دُور ہے۔ اُس عمر میں سفر آخرت کے سوا اور کوئی سفر مشکل نظر آتا ہے ورنہ ہم لوگ ضرور آپ کے ہاں آتے اور شریک ہوتے۔

نیازمند ناصر علی

جناب من۔ آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ ممنون کیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کے پچھلے خط کا جواب نہیں دیا۔ بڑھاپے میں حافظہ نہیں رہتا۔ دوسرے "صلاے عام" کی وجہ سے خط کتابت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ اس میں خیال نہیں رہا کہ کس کے خط کا جواب لکھا کس کا رہ گیا۔ بہر حال آپ اس کا خیال نہ کریں۔

حضرت طاہر فرخ آبادی کے مرنے کا رنج ہوا خاندان میں یہی بزرگ صاحب کمال تھے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اُن کے کلام کے جو مداح تھے۔ وہ شاید ہی ایک پیسہ بھی مرحوم کی یادگار میں خرچ کریں۔ مسلمانوں میں علم سے زبانی واہ واہ کے سوا کچھ تعلق نہیں بڑے بڑے واہ واہ کرنے والے "صلاے عام" کی قیمت بھی نہیں دیتے۔ مجھے تجربہ ہو گیا ہے مجھے یقین نہیں کہ اُنکے قدردانوں میں جن کے نام آپ نے لکھے اُن کا کلام چھپوانے میں کچھ خرچ کریں۔ یہ سارے شیفتگان سخن زبانی جمع خرچ کے یار ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہم میں سے اچھے اچھے ذی کمال بے یادگار اُٹھے جاتے ہیں اُس کا علاج میری نگاہ میں اس وقت کی قومی حالت دیکھ کر کچھ نظر نہیں آتا۔

نیازمند
ناصر علی

نواب صاحب بہادر۔ نوازشنامہ پہنچا۔ ممنون کیا۔ حضرت ظہیر کی نظم کا شکریہ عرض ہے مجھے ریویو لکھنے میں عذر نہ تھا۔ شکایت تھی فرصت کی۔ خاص کر آج کل کہ دہلی کے قریب ہونے سے حکام کی خاطر مدارات سے نہ فرصت کا پتا ہے نہ لکھنے پڑھنے کا دماغ۔

آپ کی ناراضی کے خیال سے دو چار سطریں ساقی نامہ پر لکھ کر بھیجی ہیں۔ آپ "اودھ اخبار" سے وہ ترجمہ منگا لیجیے گا۔

جلیل نے حیدر آباد دکن سے بڑے دھوم کا قصیدہ بھیجا ہے۔ جسے دیکھ کر جی خوش ہو گیا آپ نے شاعری کا کمال دکھایا ہے۔ انھوں نے خوش بیانی کی داد دی ہے۔ میں نے آپ کا اور اُن کا ریویو خوش ہو لکھا ہے۔ اور آج "اودھ اخبار" کو روانہ کر دیا۔

زیادہ عمر ہو جانے سے لکھنے پڑھنے کی محنت سے جی چُراتا ہوں۔ لیکن اچھا کلام دیکھ کر رہا نہیں جاتا۔

ناصر علی

فرخ نگر ضلع گوڑگاؤں۔

نواب صاحب دام اقبالہٗ آپ کے دو خط مع نظم تہنیت۔ مجھے پہنچ گئے۔ لالہ نوبت رائے صاحب مہتمم رسالہ "خدنگ نظر" نے آپ کے ساقی نامہ کا ذکر کیا تھا۔ مجھے نہایت اشتیاق ہوا کہ کسی طرح آپ کا کلام دیکھوں واقعی آپ کی طبیعت بہت اچھی ہے مجھے ایسے ہی کلام کی تلاش ہے اسکا ریویو کا وقت نہیں رہا ورنہ کسی اخبار میں اس نظم کی داد ضرور دی جاتی۔ رئیسوں میں اس طبیعت کے آدمی نہیں دیکھے ہمارے کنبہ میں سید طاہر علی فرخ آبادی کی طبیعت بہت اچھی ہے۔ اُنکا کلام بھی مجھے پسند ہے۔ آج کل وہ ایک مولود شریف لکھ رہے ہیں جس پر انھوں نے جی لگا کر محنت کی ہے مجھے شعر سمجھنے کا مدت سے خبط ہے۔ آپ جو کچھ فرمائیں مجھے ضرور بھیجدیا کریں۔ حضرت طاہر نے اس طرح پر غزل لکھی ہے "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے" یہ غزل خدنگ نظر کو بھیجدی گئی ہے۔ آپ بھی کچھ لکھیں۔ کاموں سے فرصت ذرا کم ملتی ہے ورنہ میں چاہتا تھا کہ اُردو شاعری کے داد دینے میں ضرور کوشش کی جائے پھر بھی جہانتک ہوسکیگا یہ شغلہ پھیلا جائے گا۔

جب آپ کو فرصت ہوا کرے۔ اپنی خیریت مزاج سے مطلع فرمایا کیجیے۔ رئیسوں میں لکھنے پڑھنے کا مشغلہ ہونا بہت غنیمت ہے۔

ناصر علی

جناب مولوی سید نواب علی صاحب نواب ایم اے نیتنوی پروفیسر بڑودہ کالج کے خط

جناب قاضی سید محمد زاہد حسین صاحب نیتنوی کے نام

قبل اس کے کہ یہ لاجواب اور بے نظیر خطوط جو اُردو لٹریچر کی جان ہیں ہم ہدیہ ناظرین کریں اپنے محترم دوست حضرت زاہد کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنھوں نے ایسے پاکیزہ خطوط مرحمت فرمائے جن سے میرے خیال ناقص میں اُردو لٹریچر میں ایک نیا اضافہ ہوا اگر یہ سعی ہماری قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ مرقع ادب کے حصہ دوم میں اور بھی پرلطف خطوط ہم پبلک کے سامنے پیش کرینگے۔ مؤلف

ظہور الحسن وارڈ مدرسۃ العلوم علی گڈھ ۱۱ر مئی سنہ ۱۹ء

ساقیا برخیز و دردہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

عموماً شعرا کی زندگی جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوا ہے بہت دردناک گذرتی ہے۔ وہی شعرا جو آج قوموں کے سرمایۂ افتخار ہیں اپنے پنجروزہ زندگی میں نان شبینہ کو محتاج تھے۔ یا یوں کہئے کہ انھوں نے تخت قیصر اور تاج کسریٰ پر لات مار کر گوشۂ قناعت اختیار کیا۔ جس میں بظاہر بہت تکلیفوں کا سامنا تھا۔ فردوسی۔ نظامی۔ سعدی۔ جامی۔ وغیرہ وغیرہ ان بیچاروں پر کیا کچھ گذری۔ اور خود حافظ شیرازی جن کا شعر زیب عنوان ہے کیسے اس دُنیا سے گئے۔ آہ! جب ان بزرگ کا انتقال ہوا ہے تو عوام نے ان کے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا اور تجویز ہوئی کہ ان کو کسی گھورے پر ڈال دیں۔ جہاں چیل کوّے کھا جائیں۔ افسوس! یہ مرنے پر سو دُرّے تھے مگر ایک خدا ترس کو رحم آگیا اور صلاح ہوئی کہ دیکھیں ان کے خیالات کیسے تھے۔ مسلمان تھے یا کافر۔ وہ پرزے جن میں ان کے اشعار لکھے ہوئے تھے تلاش کئے گئے اور پہلا شعر جو ملا یہ تھا۔

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
کہ گرچہ غرق گناہ است میرود بہ بہشت

پھر کیا تھا لوگ ان کی کرامت کے قائل ہو گئے۔ مگر واہ اس وقت قدر ہوئی جب ع

پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

غرض اس تمہید سے یہ ہے کہ شعرا کا جذب، اُن کا اثر اُن کی روحانی کشش اُن کے بعد خوب رنگ لاتی ہے۔ عنوان کا شعر بھی اس وقت ایک عجب مزہ دے گیا۔

آپ کے محبانہ الفاظ خلوصانہ۔ نصائح۔ پُراثر تحریر۔ پُرزور الفاظ۔ پُرمعنی مضمون نے خیر بہت اثر کیا۔ مگر آخر میں اس شعر نے واقعی مست ہی کر دیا۔

ہاں کیسے جھگڑے، کیسے بکھیڑے غم ایام کے سر پر خاک۔ آسمان کا مُنھ کالا۔ ساقی سلامت اور ہمارا جام سفالیں سع۔ مائی خواہیم ننگ و نام را۔

مگر ہاں مدبران ملک۔ عقلاء دہر۔ فرتوت زمانہ کو خوب سمجھ لیں "دیوانہ بکار خویش ہشیار" اس کے ایک ہوئے مستانہ میں عالم عقل و دانش درہم برہم ہوتا ہے۔ اس کے ایک جرعہ کے سامنے میدان فہم وذکا غرقاب ساقی کی ایک وزدیدہ نظر درکار ہے ایک ادنی سا اشارہ کافی ہے۔

بھائی اس وقت چونکہ مکان سے تازہ تازہ آیا تھا۔ خدا جانے آپ کو کیا کچھ لکھ گیا کہ جس سے آپ متردد ہوئے اور اس قدر طومار تلازمہ بندھا۔ ہاں پھر وہی شعر پڑھئے ساقیا خبر تعطیل ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ گنگا جمنا الہ آباد میں مل جاویں اور پھر اہرا کر یہ ترانہ زبان پر ہوگا۔

معلوم نہ تھا ہم کو ہے کیوں اُن سے محبت | اور اُنکی بھی ہوتی ہے بہت ہم پہ عنایت
اب سمجھے یہ ہم درجنس کو ہے جنس سے الفت" | سنگم نظر آیا ہمیں جب گنگ و جمن کا

والسلام۔ نیاز مند نواب علی عنہ

ناگر وارہ بڑودہ ۵ر اپریل ۱۹۰۶ء

برادرم اسلام علیکم۔ واقعی مشتاق دیدار کو ایک نئے انداز سے ستانے کی اچھی ترکیب ہے "دیدۂ دیدار طلب" کے قدرتی "کیمرہ" کے ذریعہ سے قلب مضطر کے پلیٹ پر خیال یار کا عکس کھینچکر اور سرگرم نظارہ کر کسی وقت چین کب لینے دیتا تھا۔ کہ اب ایک اور تازیانہ لگایا جاتا ہے۔

کسی کا فوٹو سامنے رکھا ہے۔ بیتابی رنگ لائی ہے۔ محو دیدار کا عالم ہی جُدا ہے ذوق

شوق کا ذکر کیونکر کیا جائے "حال" کو زبان "وقال" کیونکر ادا کر سکتی ہے۔ خیر جس کی جو کیفیت ہے وہی جانتا ہے مگر یہ سین بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

ایک طپش دل سے مضطر دوسرا کھنچا بیٹھا۔ ایک مشتاق کلم۔ دوسرا مہر سکوت توڑتا ہی نہیں بس اگر کچھ گفتگو ہو رہی ہے تو اسی قدر کہ دونوں ایک دوسرے کو اس طرح دیکھ رہے ہیں کہ پلک نہیں جھپکتی سنئے سنئے کچھ گنگناہٹ شروع ہوئی غور سے سنئے۔ ایک کہتا ہے۔

تیری آنکھیں ہیں صنم رہبر کامل دونوں
دیکھتا ہے جو نظر بھر کے تڑپ جاتا ہوں
ساقیا ساغر الفت ہیں یہ آنکھیں تیری
جی نہیں۔ آپ مرے دلکو بھلا کیا کرنے!
دل میں بس کھنچ گیا اک آن میں فوٹو تیرا
ہو کے خوں بہ گئے آنکھوں سے جگر بھی دل بھی

تجھ تک اک آن میں پہنچے جگر و دل دونوں
آہوئے چشم شکاری ہیں یہ قاتل دونوں
گھول دیتی ہیں مگر زہر ہلاہل دونوں
دیدۂ شوخ تجھے پر لوٹ میں شامل دونوں
اپنی آنکھیں ہیں "کیمرا" کے مقابل دونوں
ڈوبے نواب یہ آگر لب ساحل دونوں

اُف کیا سوز و گداز ہے۔ ڈراپ سین

ماشا اللہ فوٹو خوب ہے۔ وہی شکل و شباہت وہی نقشہ۔ وہی شوخی۔ مگر دو باتیں نئی ہیں مونچھوں کا پولا کچھ بھدا ہو گیا ہے۔ یا شاید مس نیچر کو ایسا ہی بنگلہ پسند ہو۔

نشست میں قاآن کی وضع اختیار کی ہے۔ شاید الہ آباد کے دو آبہ کا اثر ہے۔

اُف ! زاہد آخر یہ کیا حرکت ہے۔ اس بے حس و حرکت فوٹو سے کب تک جی بہلائیں۔ بس اب صاف صاف لکھو کہ یہاں کب آؤ گے نہیں تو۔

اس میں دال اُس میں بھات ۔۔ نہیں نہیں ۔۔ چُپ چُپ

وہ تقریر کا الجھاؤ تو سنتے تھے مدام
یہ نئی بات ہے تحریر میں لکنت دیکھی
} مؤلف۔

بڑودہ گجرات ۹ر جنوری ۱۹۰۸ء

"بزم مشاعرہ"

خدا کی شان ہے۔ گجرات اور اُردو کی شعر و شاعری۔ مگر نہیں بلبل چاہے جس قفس میں بند ہو مگر اس کی نغمہ سنجی بند نہیں ہو سکتی۔ باغ میں اگر راز و نیاز ہے تو قفس میں سوز و گداز۔ غرض کہ ہر حالت میں یہ کیفیت ہے کہ ؎

آہ سوزاں لب تک آئے اشک ناب نیکو ہے
جوش میں گل ہیں دھواں اُٹھا گلاب نیکو ہے

اچھا سنئے آپ کی آتشِ شوق کو اب زیادہ تیز کرنا نہیں چاہتا اور گزشتہ اتوار کے مشاعرہ کی کیفیت لکھتا ہوں۔ مصرعہ طرح یہ تھا۔ ع شرم آتی ہے مجھے آپ کے شرمانے سے ٭ پہلے شعرائے گجرات نے سخن وری کے جوہر دکھائے۔ قاعدہ ہے کہ عمدہ شعر زبان پرداں ہو جاتا ہے مگر ان بیچاروں کی خطا نہیں۔ کمبخت حافظہ نے دغا دی ورنہ ان کے اشعار کے نمونے پیش کرتا۔ ہاں ایک صاحب جن کا تخلص دُلہن ہے۔ ریختی میں غزل کہکر لائے۔ واقعی جان جب کی روح پھڑک اُٹھی ہو گی فرماتے ہیں .... دیر تک یہ لطف رہا آخر افسر سہسوانی نے غزل شروع کی ؎

مر کے بھی خاک نہ نکلی مری میخانے سے دُرد مے بن کے لپٹ جاتی ہے پیمانے سے
ہائے یہ عذر بھی ہے عذر گنہ سے بدتر کہتے ہیں غیر نے روکا ترے پاس آنے سے

واقعی یہ غزل بہت اچھی تھی۔ اُن کے بعد صبا لکھنوی کے پوتے صہبا جو ایک عرصہ سے حکیم ہاشم علی خان مرحوم موہانی کے ہمراہ یہاں آئے تھے اور اب یہیں رہ پڑے۔ مگر پریشان حال ناجنسوں میں پھنسے ہیں۔ تھوڑا بہت مطلب چلتا ہے۔ مگر کس مپرسی کے عالم میں ہیں۔ اُن کی غزل زبان اور بیان کے لحاظ سے بہت عمدہ تھی ایک شعر نے ایسا اثر کیا کہ دیر تک لوگ سنانے میں رہے ؎

ایک وہ ہیں کہ ہیں سرگوشیاں جن سے پیہم
ایک ہم ہیں کہ الگ بیٹھے ہیں بیگانے سے

پھر حکیم فضل علی موہانی نے غزل پڑھی فرماتے ہیں ؎

ساقیا پیش نظر ہے جو مرے روز حساب
اس لیے ناپ کے پیتا ہوں میں پیمانے سے

جی ہاں شراب کیا ہے ڈاکٹری سیرپ ہے۔ اسی حساب سے مالک جہنم آتشی تھرامیٹر بھی لگائیں گے۔ آئین یہ فقرہ کس نے جڑا لیجئے لو آپ بھی ایک گوشے میں بیٹھے ہیں۔ مگر یہ حضرت یہاں کہاں۔ قال اللہ قال الرسول چھوڑکر بزم مشاعرہ میں کیوں آئے۔ ہاں شاید احباب کے اصرار سے تماشا دیکھنے آئے ہوں گے۔ مگر نہیں وہ دیکھئے جیب سے ایک پرچہ نکالتے ہیں کہتے ہیں ؎

کل پہ بیٹھے رہیں واعظ ترے بہکانے سے
آج کیوں چھوڑ دیں ملتی ہوئی میخانے سے

استغفراللہ یہ کیا غضب ہوا نہ ہوئی اسلامی سلطنت۔ ابھی سو دُرّے پڑجاتے تب حضرت ٹھیک ہوتے۔ ایسا تغیر معاذ اللہ۔ واقعی صحبت کا اثر ہے۔ ؎

چشم میگوں سے ترے مست ہیں ساقی ہر دم
ہم کو مطلب ہے نہ شیشے سے نہ پیمانے سے

بالکل جھوٹ۔ مکار ہے ضرور پی ہے۔ توبہ توبہ!!

ناصحا تجھ سے الجھتے نہیں لے راہ اپنی
درد دل اور بیاں کیجئے بیگانے سے

غضب ہوگیا۔ ناصح کو ایسا کہتا ہے۔ اب کیا امید۔ ارے بھائی جلدی سے اس کو شاہ عبدالاحد کے پاس لے چلو۔ مزاروں پر لے جاؤ۔ عرس دکھلاؤ۔ کچھ تو کرو۔ ؎

نام جب سامنے اُن کے کوئی لیتا ہے مرا
کہتے ہیں وہ ہی نہ پھرتے ہیں جو دیوانے سے

بیشک دیوانہ ہے اور فرمائشی دیوانہ۔ پاگل خانہ لے جاؤ ؎

گرچہ برباد ہوا خانۂ دل کیا غم ہے
گنج ہاتھ آئے گا آخر اسی ویرانے سے

کوئی ہے ذرا تھانہ پر "رپورٹ" کرآئے حضرت کے یہاں خزانہ نکلنے والا ہے پولیس کے گُرگے جس وقت ٹانگ لینگے اسوقت آنکھیں کھل جائینگی۔

خشک ہوتی ہیں کہیں بحرِ قدم کی موجیں
ہم فنا ہو نہیں سکتے کبھی مر جانے سے

واہ یہ دعویٰ - یہ تصوف - چھوٹا منھ بڑی بات - لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

درد دل کس سے کہیں بزم جہاں میں نواب
شمع سوزان کا اشارہ ہے کہ "پروانے سے"

یہ شعر سنکر حضرت صہبا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر مجھے نہایت غصہ آیا۔ چاہا کہ غزل چھین کر نواب کے ایک دھپ رسید کروں کہ "یکایک "چراغ گل پگڑی غائب"

"س - ن - ع"

مدرسۃ العلوم علی گڈھ ۸ ردسمبر ۱۹۱۱ء

بہر یک جرعۂ منتِ ساقی نہ کشم
اشک ما بادہ ما دیدۂ ما شیشۂ ما

کہنے والے نے خدا جانے کس حالت میں یہ شعر کہا ہے کہ بالکل تیر و نشتر ہو گیا ہے بزم عالم میں کون ایسا ہے کہ جو ساقیِ مہوش کا مدہوش نہ ہو جو اُس کے کرم کا منتظر نہ ہو اور اس کے ادنیٰ توجہ کا خواستگار نہ ہو۔

ایسے غیور دل شاذ نادر ہوتے ہیں کہ منتِ ساقی بھی ان کو گراں گزرتی ہے۔ یہ "زیب"[1] کو زیب تھا اور کیوں نہیں جو خود شاہد ہو۔ خود شمع انجمن ہو جس کے چشم سیگوں کے دید میں جام فلک سرگردان ہو جس کے لبِ لعلیں کے اشتیاق میں بادۂ شفق جوش میں ہو۔ اُس کی منت اگر ہزار ساقی کریں کم ہے۔ مگر افسوس وہ گلِ خوبی باغ عالم کے ایک گوشہ میں اپنی بہار آپ دیکھ کر پژمردہ ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس دُرِ بے بہا کے قابل کوئی نہ تھا۔ اُمرا اور شاہزادے عموماً نفس پرست ہوتے ہیں اور پھر اُن کی خواہشوں کے پورا کرنے کے واسطے سیکڑوں محل۔ وہ اُس معدنِ خوبی کی کیا قدر جانتے۔ یہی سبب تھا کہ اُس غیور دل نے اپنا کوئی ہمدم نہ پاکر زاہدانہ زندگی بسر کی۔ ورنہ اورنگ زیب ایسے پابند شرع کے وقت میں ایسا تجرد مشکل تھا۔

اس عاشق مزاج معشوق کی محفل بھی نرالی تھی۔ گرم اور سرخ آنسو نشیلی آنکھوں کے شیشوں میں شراب گلنار کی طرح بھرے تھے۔ قاشِ جگر کے کباب طشت سینہ میں رکھ کر دل پر درد

[1] شاہزادی زیب النساء۔

کے سامنے دھرے جاتے تھے۔ آہوں کا بخور جلتا تھا۔ انجمن اور بے چینی مستانہ روش تھی۔ غم دیدگان یار مہجوران الفت رندان بادہ نوش ہوتے تھے۔ غرضکہ یہ سماں کچھ اور ہی تھا اسکا شمہ عنوان کے شعر سے کچھ ظاہر ہوتا ہے اُف۔ سہ

بہر یک جرعۂ مے منت ساقی نکشم
اشک ما بادۂ ما دیدۂ ما شیشۂ ما

جب عورتوں کے خیالات ہیں تو مردوں کے ضرور ہونا چاہیے۔ دوست احباب اعزا اقربا سب ملیں۔ مگر انیس ہمدم مشکل سے ملتا ہے۔ مجبوراً آپ اپنا انیس ہونا چاہیئے والسلام

ن ۔ ع

ناگوارہ برڑودھ

ہوں میں وہ شمع کہ اس بزم جہاں میں نواب
غیر تو غیر یگانے بھی جلاتے ہیں مجھے

اے بزم طرب میں خدا جانے کیوں آٹھ آٹھ آنسو رونے والی۔ اے آپ کو جلا کر اوروں کو خوش کرنے والی اے سوز دروں سے گھُل گھُل کر فنا ہو جانے والی دلگیر شمع تجھے اپنے سوز و گداز کی قسم سچ بتا تیری یہ کیا حالت ہے۔ دیکھ بزم طرب میں کیسی چہل پہل ہے یاران انجمن کے چہرے فرط مسرت سے ایسے شگفتہ ہیں جیسے فصل بہار میں پھول کھلتے ہیں ہر طرف نیا سامان ہے۔ نیا رنگ ہے کہیں ساز چھڑا ہوا ہے۔ اور کہیں راز و نیاز ہو رہا ہے کوئی مست نیم خواب ہے اور کوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس جھومنے والے کی متوالی ادا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ایک تو ہے کہ گھُل گھُل کر مرقع عبرت بنی ہوئی ہے۔ زرد چہرے پر گرم گرم آنسو ڈھلک رہے ہیں۔ خرمن دل کو پھونک دینے والا شعلہ آتشیں سر تک بلند ہے مگر واہ رے ضبط آہ و گداز کا دھواں جگر ہی میں گھُٹ کر رہ گیا۔ آخر تو اس قدر زار و نزار کیوں ہے۔ کیا اس بھری محفل میں تیرا غمگسار کوئی نہیں۔ کیونکر ہو۔ اُن کو اپنے جوش و خروش سے کہاں فرصت جو تیرا حال پوچھیں۔ اچھا وہ نہ پوچھیں نہ سہی۔ ہم سے تو کہدے۔ ہم بھی تیرے ہم مشرب ہیں۔ ہمراز بھی بنا لے۔

یہیں تک کہنے پایا تھا کہ یکایک ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ شمع جھلائی مگر ایک شخص نے جو قریب بیٹھا تھا اپنا ہاتھ آڑ کر لیا اور بیچاری شمع کو جس کے واسطے ہوا کا جھونکا سوز و گداز سے بچانے آیا

تھا پھر کاوش وکاہش میں مبتلا کر دیا۔ دیر کے بعد جب قرار آیا شمع نے زبانِ حال سے میرے گوشِ دل میں کچھ چپکے سے کہدیا۔

آہ! اب سمجھے عیش و عشرت کی محفل میں آنسو گرانے والی شمع مثل اُس واعظ کے ہے۔ جو آیات خوف و عذاب کو باچشم گریاں نفس پرست شیدائیان دُنیا کے آگے پڑھ رہا ہو غیر کی محفل کو مجلے کرنے کے واسطے آپ کو جلانے والی شمع مثل اُس سچے خیر خواہ بنی نوع کے ہے جو اپنا جان ومال فی سبیل اللہ خرچ کرے اور آیہ کریمہ ویؤثرون علیٰ انفسھم کا مصداق بنے جو کلام پاک میں اُن انصاری کی شان میں نازل ہوئی جن کے یہاں مہمان آئے۔ گھر میں صرف میاں بی بی کے بمقدار سدِ رمق کھانا تھا۔ اُس باخدا مرد انصار نے جب سب کھانے بیٹھے چراغ پوشیدہ طور سے گل کرا دیا۔ خود جھوٹ موٹ ہاتھ مُنھ تک لے جاتا تھا تاکہ معلوم ہو کھانا کھاتا ہے۔ یہاں تک کہ مہمان کھا چکے۔ میاں بیوی فاقہ سے پڑ رہے۔ رضی اللہ عنہما۔

اے پیاری شمعِ حقیقت میں تو ایثار کا نمونہ ہے تجھے لوگ جلاتے ہیں۔ مگر تو اُن کو نفع بخشتی ہے۔ تو اوروں کے فائدے کے واسطے اپنا جسم وجان وقفِ ستم کرتی ہے۔ خدا تجھ کو اجرِ جمیل عطا کرے انسان اگر دیدہ بصیرت سے دیکھے۔ دنیا کی ہر ایک شے مجسم پند و نصیحت ہے اسی ایک شمع نے زبانِ حال سے کیسی کیسی موثر نصیحتیں کیں۔ اگر آدمی بتوفیق الٰہی اُن پر عمل کرے۔ سیدھا جنت کو چلا جائے۔

نصیحت تو سُنی اب شمع کی وصیت تو سنئے۔ پچھلے کا سہانا وقت ہے۔ بزمِ مسرت کا خاتمہ ہے لوگ اونگھ اونگھ کر افیون کا ہیولا بن رہے ہیں۔ نہ وہ جوش وخروش ہے۔ نہ وہ رنگ رلیاں ساعت بساعت رنگ پھیکا ہوتا جاتا ہے۔ وہ دامنِ سحر چاک ہوا محفل درہم برہم۔ ع۔

اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

ہوا کا جھونکا آیا اب ہاتھ آڑ کرنے والا بھی غائب ہے۔ خدا حافظ شمع جھلملائی پھر اکدم سے خوب روشن ہو گئی۔ گویا افاقۃ الموت تھا۔ آخر اپنے جان نثار پروانوں کے ملائم پروں کی چادر اوڑھ کر چھپ رہی۔ چھپتے وقت یہ وصیت کی۔

"دیکھا! نہ وہ عیش وعشرت ہے نہ وہ سوز وگداز۔ چند روز دیکھیڑے کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتے ہیں۔ بس خدا پہ صابر و شاکر رہنا چاہیے۔ اور اُسی کی رضا میں آپ کو فنا کر دینا چاہیے۔

اے مرقع عبرت۔ اے مجسم پند و نصیحت۔ اے میری ہمراز شمع تیری ایک روزہ زندگی اولوالعزموں کے

نفع پہنچانے میں گئی۔ تو دُنیا میں بہت رہی اب آرام و چین سے بزم قدس میں حوروں کے چہروں کا نور ہو جا۔ اور خوش خوش نورانی زندگی بسر کر۔ تیری ہی طرح۔ خدائے پاک میرا بھی خاتمہ بخیر کرے اُس کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اپنے حبیب پاک کے صدقہ میں ریاض فردوس میں جگہ دے ؎

چشم دارم کز گنہ پاکم کنی
پیش ازان کاندر لحد خاکم کنی

آمین ثم آمین - ن۔ع

شہر بڑودہ گجرات ۴/اپریل ۱۹۰۳ء

رباعی

کل جدیدٌ لذیذ۔ ہے یہ پُرانی مثل
سچ ہے نئی چیز پر جاتی ہے نیت بدل
الفتِ دیرینہ یار ہے وہ شرابِ کُہن
جسکی ہے لذت کچھ اور جسکا مزہ بے بدل

جی! یہ ذائقہ ہی کچھ اور ہے اس کی چاشنی عجیب مزے کی ہے۔ یہ نہیں کہ جہاں کوئی نئی چیز نظر آئی بس گرے ہی پڑتے ہیں۔ پرانی باتیں سب خواب وخیال۔

یہ کون کہتا ہے کہ کُلِ جدید لذیذ نہیں۔ ہاں ایک حد تک۔ اپنی اپنی جگہ پر ہر چیز بہتر ہے۔ آپ سمجھے میں کیا بک رہا ہوں۔ ہاں آپ کے نزدیک شاید پُرانا ربانہ بجا رہا ہوں جو نئے ہارمونیم کے سامنے بالکل ہیچ۔ خیر اپنا اپنا راگ۔ مگر نئے تال سُر کے سامنے یہ پُرانی راگنی بعض وقت غضب کر جاتی ہے۔ یہ کیوں؟ بس نہ پوچھو۔ چوٹ کھائے ہوے دلوں سے دریافت کرو۔

یہ بے وقت کی راگنی یا غلاف امید تمہید محض بخار اُلفت کا علاج ہے۔ خدانخواستہ تپ وغیرہ کی شکایت نہیں ہے۔ بلکہ سوزشِ دل بجھانے کے واسطے۔ سوزشِ دل! یہ کیا! بس تجاہل عارفانہ نہ کیجیے۔

یہ آپ ہی کے تغافل کی آگ لگائی ہوئی ہے شعلہ کی لپک کچھ اسی کی طرف نہیں آئی بلکہ پڑوسیوں پر بھی دو ایک پھول اُس خانہ برانداز نے گرائے ہیں۔ اللھم اجرنی من النار

کیوں صاحب اب فرصت کم رہتی ہے۔ یا خدا جانے پراگ جی کا کڑبکس بجاتے بجاتے ٹوٹ گیا کہ صدائے برنخاست کا معاملہ پیش آتا ہے۔

خیر۔ یہ تو ایک طور سے مان بھی لیا جاوے کہ ہرچہ از دیدہ دور.... دہاں بس مُنھ نہ کھلوائیے) لیکن وہ ابوہریرہ حضور کے ساتھ فی الحال کیا برتاؤ کیا گیا۔ جو برادر مُودر کو کچھ کہنے کا موقع ملے

سنئے اور شرمائیے۔

"سگِ حضور" جو اخوت اسلامی کے باعث "ابوہریرہ حضور" کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ یعنی ہمارے ایک قدیم دوست عبدالاحد اس مرتبہ الہ آباد بسر کرتے ہوئے گئے لیکن چونکہ قبول ان کے خوش وضع خوش قطع نہ تھے۔ زاہدوں کی خانقاہ میں بھی بیچارے سے خشک برتاؤ رہا۔ دوسروں کی بزم کا ذکر کیا۔ داد کو ہی چاہیئے۔ ع۔ خاکساران جہان را بحقارت منگر +

ان کے دل ٹوٹے ہوتے ہیں۔ یہ تغافل کا تازیانہ نہیں سہ سکتے اور خاصکر ایسی حالت میں جبکہ یاران دیرینہ میں سے ہوں۔ اور ایسی جگہ ساتھ دیا ہو جس کے محض تذکرہ نے میرے دل کو ہلا دیا ہو۔ اور ضبطِ گریہ نہ کرسکا اور واقعی وہ ولگداز خطوط جو اچھوتے صندوقچے سے بہت پس وپیش کے بعد ایک مخلص برادر کے سنانے کے واسطے نکالے گئے تھے ایسے ہی دلخراش تھے۔

ہاں تو ایسا دیرینہ یار جو اس راز کے معاملہ میں مجھ سے بھی دیرینہ تھا۔ یوں افسردہ واپس کیا جائے۔

ممکن ہے کہ آپ خوب خوب تاویلیں کریں لیکن برادرم اپنا عیب آپ نظر نہیں آتا۔ میں ایک نہیں ماننے کا۔ جب تک انشاء اللہ تعالیٰ بروقت ملاقات آپ سے اس کے متعلق پوری گفتگو نہ ہو۔ اور آپ کو ثابت ہو جاوے کہ ہاں ایسا نہ چاہیئے تھا۔

کیوں؟ میرے خط کا جواب ابتک کیوں نہ دیا۔ میں نے لکھا تھا کہ اس مرتبہ ایک نئے مہمان کی آمد آمد میں کسی کو فرصت نہیں ہوگی۔ خدا جانے میں کہاں کہاں جاؤں۔ مگر آپ نے خلافِ امید خلافِ الفتِ دیرینہ یہ بھی نہ لکھا کہ "الہ آباد کس دن آؤ گے۔ تمہارا انتظار کروں گا" خیر اگر یہ نہ لکھتے تو جواب خط تو دیتے۔ کیا نامِ خدا یارانِ دیرینہ کو آپ بھول جانے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ مگر یہ پیچھا چھوڑنے کے نہیں۔ چھیڑیں گے۔ شکایت کرینگے۔ ناخواندہ مہمان بنیں گے۔ جنگ زرگری کریں گے تکیہ سے گدا گد ٹھیک کریں گے۔ اور ساری مشیخت۔ سارا فیشن خاک میں ملا دیں گے۔ آپ بھولے کس پر ہیں۔

دلفگار۔ نواب

نیو تنی ۱۱ر اکتوبر ۱۹۱۰ء

دنیا ذرا چھپا کے ملیں وہ اگر کہیں
لینا نہ میرا نام مگر نامہ بر کہیں

ہاں ذرا بہت سمجھ بوجھکر بھرے تو بیٹھے ہی ہیں برس نہ پڑیں۔ اللہ ری نازک مزاجی۔ آخر

کیا بات ہے۔ دو خط بھیجے ایک کا بھی جواب نہ آیا۔ بندہ خدا اسقدر تلون کیجیے اگر قیام وطن ناگوا ہے۔ خدا حافظ پرسوں طیاریاں ہیں۔
مدت قیام میں جو نئے واقعات پیش آئے۔ اس کی شرح عقب سے ہو گی۔ بس خلاصہ یہ ہے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے　　راقم۔ ن۔ ع

قصبہ نیوتنی ضلع اناؤ　　۲۸ ر رمضان المبارک یوم پنجشنبہ

"کیا اپنا حال ہے" نہیں آتا سمجھ میں خود
کچھ نہیں تو ہے۔ جانیں کہاں۔ کیا جگر میں ہو

یہ قیامت کا سوال ہے۔ درد ہجر۔ صدمۂ فراق۔ غم جدائی سے جو جو اذیتیں ہوتی ہیں عشاق کے دل جانتے ہیں۔ یہ عجیب درد ہے کہ خود ہی نہیں جانتے کہ کہاں ہے۔ بیشک یہ انتہائے عالم کی خود فراموشی ہے۔ جہاں سے سرحد دیوانگی شروع ہوتی ہے۔ بہتر ہے کہیں ڈیرے ڈال دیں کیونکہ مطلق دیوانگی میں لطف نہیں۔ جانی بوجھی دیوانگی البتہ مزے دار ہے۔
ایسے خود فراموش کو وہ دو چار گھڑی کی دلکش صحبتیں یاد دلانا بیکار ہے۔ وہ ابتک در و دیوار سے باتیں کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے۔ سوتے جاگتے۔ اس کا دوست رفیق ہے اس بیچارے کو اُس کی غلطی پر آگاہ کرتے ہوئے بہت ترس آتا ہے۔ لیکن مجبوری ہے۔ اچھا کہے دیتے ہیں۔
اجی حضرت ہوش کی دوا کیجئے۔ ع۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔؟
اس مصرعے نے کیا اثر کیا۔ نہ پوچھو . . . .
اچھا ان حضرت کو یونہیں رہنے دیجئے۔ اُن کے چھیڑنے سے فائدہ۔ آیئے ہم آپ کچھ "دوہنس بول لیں" (بھائی خدا کے واسطے معاف کرنا۔ اس وقت بیساختہ کسی کا جملہ لکھ گیا اب بھولے سے بھی اس کے طرف اشارتاً کنایتاً ہرگز نہ لکھوں گا)
اسٹیگٹ والا خط نہ پہونچنے سے افسوس ہوا۔ غلطی یہ ہوئی کہ آپ نے اُس کے سینگ بہت سے نکال دیئے بس وہ بھی راہ میں کسی جھاڑی میں پھنس کر رہ گئے۔ خیر اچھا ہوا کھوسے ہوئے جست چوڑی دار شروع پر ڈیر (غزالِ رعنا) پھڑکتا ہوا فقرہ ہے۔ غزالِ رعنا کے خاطر غزل بھی لکھنا پڑی۔

وہ بن سنور کے جو آئینہ اک نظر دیکھیں
ہزار شکوے اگر ہوں نظر سے گر جائیں
وہ آئینہ ہے مرا دل کہ جتنے ٹکڑے ہوں
چلی ہے تارِ شعاعی میں باندھ کر کیا چیز
ابھی تو جوش میں آتا ہی بحرِ لطف اُنکا

ادا سے چوم نہ لیں عکسِ رُخ۔ اگر دیکھیں
وہ ایکبار نکھیوں سے گر ادھر دیکھیں
ہر اک میں عکسِ رُخِ یار جلوہ گر دیکھیں
نگاہ دل تو نہیں ہے۔ ! ٹھہر ٹھہر دیکھیں
تجھے ذرا جو وہ **نواب** چشم تر دیکھیں

دن بھر کی عید آتی ہے مگر بعد ہی **دس دن** محرم بھی سامنے ہیں۔
عید کی صبح کو قصدِ روانگی ہے۔ ۱۴ر جنوری کو حاضری ہے۔ جواب خط وہیں بھیجئے گا۔

نیاز مند نواب عفی عنہ

نیو پارک مدرسۃ العلوم علی گڑھ

۲۶ جنوری ۱۹۰۲ء

فدا جو اُٹھتی جوانی میں دل کسی پہ ہوا
سُلگ سُلگ کے جلے گی یہ شاخِ تر اپنی

خدا جانے کسی کی تحریر سراپا تیر و نشتر کس قدر دلدوز و جانستاں تھی کہ بس کلیجا تھام کر رہ گیا جب غائبانہ یہ اثر ہے کہ جب پہلے پہل کسی کا "پنجۂ نگاریں" زیارت آمیز ہوا اور کسی کی اچھوتے خیالات کی تصویر در دل کے آئینہ" میں لگا دی گئی اس وقت معلوم نہیں کیوں طفلانِ اشک کو مچل مچل کر دامن یاس میں لوٹ جانے کی سوجھی۔ اگر اُس وقت تنہا غمگسار انتہائے ضبط سے اپنے دل کو سنبھال کر محض اس وجہ سے کہ اس کا دل تھوڑا نہ ہو تسکین دے دے کر نہ بہلاتا تو خدا جانے طفلانِ اشک کس قدر اُدھم مچاتے۔ افسوس اس وقت وہ مونس غمگسار کہاں ہے کہ اس حالت کا اندازہ کرکے دل بہلائے۔ مگر آہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اُنھوں نے تو خود ہی یہ آگ لگائی ہے۔ اچھا بہتر ہے۔ دونوں شمع کی طرح پگھل پگھل کر دامنِ فنا میں منھ چھپا لیں مگر شبِ ہجراں دراز ہے سحر ہونے کو دیر ہے۔ یہ رونا تو رہے گا۔ آؤ کچھ دل کی بھڑاس نکالڈالیں

غزل

تڑپ تڑپ کے کٹے گی جو عمر بھر اپنی
الٰہی! ہوگی۔ اسی طرح سے بسر اپنی

فدا جو اُٹھتی جوانی میں دل کسی پہ ہوا
سُلگ سُلگ کے جلے گی یہ شاخِ تر اپنی

مچل مچل کے گلا اُن کو خدا سے مانگیں گے
سسک سسک کے یہ نکلے گی جان اگر اپنی

نشانِ بام و دار رام مل چکا بس بس
بھٹکتی پھرتی ہے کیوں آہ بے اثر اپنی

شہید ناز ہیں۔ نواب بس یہی ہے بہت فنا کے بعد بھی پہنچے اگر خبر اپنی

والسلام۔ ن۔ ع

قصبہ نیوتنی ۲۲ محرم یوم سہ شنبہ

پھول تو دو دن بہارِ زندگی دکھلا گئے

حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بے کھلے کھلا گئے

صحن چمن میں یوں تو ہر روز قسم قسم کے دل لبھانے والے پھول نئے آن بان کے ساتھ کھلتے ہیں اور اپنے خدا داد حسن سے باغبانِ حقیقی کی صنعتوں کے شیدائیوں کو بے چین کرتے ہیں لیکن جس قدر اُن کا دو روزہ عارضی حسن دل کو فریفتہ کرتا ہے۔ اسی قدر اُن کا کسی تفتہ جگر کے پژمردہ دل کی طرح کھلا جانا بس ستم ہی ڈھا دیتا ہے۔ وہ دیکھئے بلبل شیدا کا دل چھین لینے والا فتنہ کس ناز و نزاکت سے مسکرا رہا ہے۔ اللہ رے خفا کہ باوجود شجاع حسن کے دلدوز تیروں اور غمزہ و کرشمہ کے جانستان خنجروں کے کانٹوں کا ایک قلعہ بنایا ہے تاکہ اگر کوئی مشتاق غلطیدہ نظر ڈالنا چاہے تو قبل اس کے کہ برق تجلی اُس کے خرمن جان کو سوختہ کرے۔ کسی کی تیر نگاہ کی طرح کانٹوں میں چھد کر رہ جائے۔ مگر آہ! یہ قدرتی حسن کی مزہ دار خفائیں بس دو ہی دن تک ہیں۔ کل صبح کو شاخ گلبن پر کھلنا تھا کہ کسی نازک بدن پریوش نازنین نے بلبل شیدا کے دل جلانے کے واسطے بیساختہ توڑ کر اپنے سینہ پر دھر لیا۔ اُدھر بلبل کلیجا تھام کر رہ گیا کہ اُسکا محبوب کسی اور ہی کے ساتھ دست و بغل ہے۔ اور اُدھر اُس نازنین کا شیدائی اُف کر کے گر پڑا۔ کہ اُس کے دلدار کے جوبنوں کے ساتھ کوئی اور ہے۔ گستاخی کرنے لگا۔ مگر یہ حسن عشق کا دلکش سین بس تھوڑے ہی عرصہ تک ہے۔ دوسرے دن پھر اور ہی گل کھلا نظر آیا۔ شب کو واللہ عالم بادِ صبا نے اُس پھول کے ساتھ کیا دست درازیاں کیں کہ صبح کو نہ وہ آب و تاب ہے نہ وہ رنگ و بو ہے بس لاپروائی سے ایک کونے میں وہی پھول جو کل کلیجے میں بٹھایا گیا تھا آج آغوش خاک میں ڈال دیا گیا۔ خیر یہ تو زمانہ کی نیرنگیاں مشہور ہی ہیں اس کا کہاں تک کوئی غم کرے۔ اگر آج راحت ہے تو کل رنج ہے۔ آج وصل یار حاصل ہے تو کل ہجر دلگداز جان لے رہا ہے۔ غرضکہ رنج در راحت توام۔ وہی پھول کل حسن و عشق کی کشمکش میں گرفتار تھا آج حسرت و یاس کا مرقع بنا ہے۔ تاہم یہ تو ہوا کہ کچھ دیر تک اپنے قدرتی حسن کی بہار دکھا گیا۔ اُن بیچارے غنچوں کو کہئے کہ جو کسی جوان نصیب عاشق کی طرح تبسم جانتے ہی نہیں۔ اور جو ابھی اُس کمسن شرمیلی نازنین کی

طرح ہیں۔ جو اپنی اتا کے ساتھ اشنان کرنے کو گنگا کی طرف جہاں میلے والوں کا ہجوم لگا ہے جاتی ہو اور جو کسی منچلے جوان کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر پسینہ پسینہ ہو جائے۔ اور اپنی ماں کے آنچل میں اپنا پیارا چہرہ چھپالے۔ بس اسی طرح وہ غنچے شوخ بادِ صبا کو اٹھلاتے دیکھ کر شاخِ گلبن سے لپٹ کر پتوں میں چھپ رہتے ہیں۔ آہ! یہ سادگی کی ادائیں پلک مارتے ہی خاک میں مل گئیں۔ ہوا کا ایک تند جھونکا آنا تھا کہ ان کا شاخِ گل کی لچک کا متحمل نہ ہو کر فرشِ خاک پر ٹوٹ کر گر پڑنا تھا ہمارے مورلسٹ ( ) جو واقعات عالم پر اپنی غائر نظر ڈال کر دقیق مارل نکالتے ہیں کہاں ہیں آئیں۔ اور اس آن کے آن کے مہان کو دیکھ کر اُن خود فراموش بدمستوں کے دلوں کو ہلا دیں۔ جو دنیاوی عیش وعشرت پر مٹے ہوئے ہیں اور جن کے پیرزن دنیا کے ساتھ گرمجوشی کا تھرمامیٹر۔ لوائلنگ ہیٹ ( ) تک پہونچ گیا ہے۔ کیا یہ واقعہ جسے خدا بخشے کسی شاعر نے کیا ہی پرسوز نظم میں ادا کیا ہے نیرنگیٔ عالم کا مجسم مرقع نہیں ہے۔ بیشک۔ دیدۂ عبرت اور چشم بصیرت چاہیئے۔ صدہا ایسے واقعات پیش آتے ہیں مگر افسوس آنکھوں پر پردے پڑے ہیں۔

وہ دیکھئے ہمارے ہندی رسم ورواج کی مظلومہ بیچاری کمسن نازنین جس پر بیوگی کا پہاڑ پھٹ پڑا ہے۔ کس بے بسی سے بیٹھی رو رہی ہے آہ! اُس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کیوں رو رہی ہے اور کس واسطے رو رہی ہے۔ وہ کیا جانے کہ شوہر کی مفارقت کیسی ہوتی ہے۔ اس کو تو یہی غم ہے کہ ہائے میری پیاری پیاری چوڑیاں توڑ ڈالیں گے۔ میری گلابی ڈوپٹیا اُتار ڈالیں گے۔ مجھے سہاگ نہ کرنے دیں گے۔ افسوس وہ سمجھتی ہے کہ اس جانکاہ مرگ کا بس یہی اثر ہے۔ اس کو اس کا علم نہیں کہ اس دائمی مفارقت کے روح فرسا صدمات کیا کچھ نہ گزریں گے۔ آہ! اس کی زندگی بس اُسی غنچہ کی طرح ہے جو بے کھلے مرجھا جائے۔

وہ دیکھئے ایک بیچاری دکھیا ماں جس نے کن کن صدمات جھیلنے کے بعد اور خدا جانے کن کن ارمانوں سے ایک نورِ نظر پایا ہے۔ کس محبت سے اُس کو آغوش میں لیے ہوئے دودھ پلا رہی ہے۔ خدا جانے کون کون دل خوش کن امیدیں اُس کے دل میں آرہی ہیں۔ بس اُس کی مسرت کو نہ پوچھئے اُس کو گویا کوئی ثمر طوبیٰ مل گیا ہے مگر آہ! آسمان کچھ اور ہی رنگ بدلنے کی تاک میں ہے اس ظالم کو کسی کا تڑپنا ہی خوب بھاتا ہے مرگ کی تند ہوا چلی اور اُس جلتے ہوئے چراغ کو بجھا دیا۔ کوئی اُس غمزدہ کے دل سے پوچھے کہ اُس پر کیا گذری آہ! اس کی سب آرزوئیں خاک

ہیں مل گئیں اس کا غنچہ بے کھلے مرجھا گیا ؎

پھول تو دو دن بہارِ زندگی دکھلا گئے
حسرت ان پھولوں پہ ہے جو بِن کھلے مُرجھا گئے

اے پُر سوز شعر تجھ مین کیا بات ہے کہ دل بے چین ہوا جاتا ہے۔ کلیجا مُنھ کو آتا ہے۔ خدا کرے کہ تیرا مضمون محض خیالی واقعہ ہو۔ مگر خدا خیر کرے دل دھڑک رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی واقعہ حادثہ ہو۔ ارے! یہ رونے کی آواز کدھر سے آئی۔ سنئے سنئے کہرام مچا ہے!! الٰہی خیر!! شاید کسی کا وقت آ پہنچا۔ بیشک کوئی مرگیا ہے۔ یہ دنیا کا رنگ ہی رہتا ہے۔ مگر دل نہیں مانتا بے اختیار آنسو نکل ہی پڑتے ہین۔ لیکن اگر غور کیا جاوے تو ہم سب مثل اُس باغ کے ہیں جس میں طرح طرح کے درخت اور پھل پھول لگے ہون اور جس کو اُسکے مالک نے ایک باغبان کو دیا ہو۔ مالک کو اختیار ہے چاہے جس درخت کو کاٹے۔ باغبان صرف محافظ اور پرورش کنندہ ہے سچ ہے اگر انسان اس مثال کو خوب سمجھے تو حادثات سے اس قدر متاثر نہ ہو۔ بس اسی قدر رنج کرے جس کی شرع شریف نے اجازت دی ہے۔ آنسو نکلیں دل کا بخار کم ہو مگر جزع فزع نہ کرے۔ آنحضرت صلعم کے جگر پارہ حضرت ابراہیم کا جب شیر خوارگی مین انتقال ہوا تب آپ کے آنسو نکل پڑے صحابہ نے پوچھا۔ فرمایا کہ یہ رحمت کے آنسو ہیں۔ انسان نہ قسی القلب ہو اور نہ بے صبر ہو۔ سبحان اللہ کیا اچھی تعلیم ہے۔

برادرم میں سمجھتا ہوں کہ آپ عقلمند ہیں بے صبر نہیں ہیں۔ آپ دنیاوی صدمات سے از خود رفتہ نہ ہوجائیں گے۔ آپ میری اس مثال کو جو اوپر لکھ چکا ہون غور سے پڑھیں گے۔ آپ اس حدیث شریف کو کمال ادب اور غور سے سنین گے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اولاد مسلمانوں کی جو صغر سنی مین انتقال کرے۔ قیامت میں ماں باپ کی شفاعت کرینگے۔ بیشک ہر مسلمان کو اس کا پکا ایمان رکھنا چاہیے۔ آپ صبر و استقلال سے خدا کا شکر کریں کہ آپ کو ایک شفیع ملا۔ آپ کا نور دیدہ۔ آہ! معصوم شاید برسوں بیمار رہا ہوا عجیب مرض تھا۔ گلے سے دونوں رخساروں تک ورم آگیا۔ دو دن تک دودھ حلق سے نہ اُترا۔ دوا دوش بہت ہوئی۔ وقت آگیا تھا۔ کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آج صبح کو جان بحق تسلیم ہوا۔

اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون:

نیازمند۔ نواب علی۔

نیوتنی ۱۶ر جولائی ۱۹۱۰ء

اس نخلِ تمنا میں الٰہی ثمر آئے

آمین۔ ثم آمین۔ ماشاءاللہ دعا مانگ چکے۔ آمین بھی کہہ چکے مگر یہ اب تک نہیں معلوم کہ کیا مطلب ہے۔ تمناؤں کا ہجوم ہے۔ اُمیدیں ایک دوسرے پر پلی پڑتی ہیں۔ آرزوئیں ہیں کہ ہمک ہمک کر آتی ہیں کہ پہلے ہمارا ہی خیال کریں۔ اسی کشمکش میں بیچارہ دعا کرنیوالا گھبرا گیا۔ مطلب ندارد۔ مگر ہاتھ اُٹھائے ہوئے مانگ رہے ہیں۔ سچ ہے۔ ع

"یک دل وخیلِ آرزو تن بہ کہ مدعا ہم"

خیر کسی سراپا اُمید کی آرزوں کا کہاں تک خیال کیجئے گا۔

وہ دیکھئے جفائے دلدار کا ستایا ہوا ہجران نصیب عاشق جس کی ایک عمر امروز فردا کے وعدوں پر کٹ چکی ہے۔ جس نے مدتوں کسی بے وفا کے وعدۂ نیم شبی کی اُمید پر زاہدان باصفا کی طرح شب بیداری کی ہے۔ اور جس نے خدا جانے کتنے دن جھلملاتی دھوپ میں بگولے کی طرح کوئے یار کا چکر لگایا ہے۔ آج صدمۂ فراق سے کچھ ایسا بیقرار ہے کہ کسی طرح چین نہیں پڑتی وحشت ہے کہ گریبان پھاڑے ڈالتی ہے۔ دیوانگی ہے کہ ازخودرفتہ کئے دیتی ہے۔ اسی جوش بیتابی میں مجنوں کی روح پر فاتحہ پڑھ کر گھر سے نکل گیا۔ ساون کا مہینہ ہے کالی کالی گھٹائیں بعینہٖ اسی طرح آفتاب کے چمکتے چہرے پر جھوم کر آتی ہیں۔ جیسے کوئی بھولی بالی نازنین نہا دھو کر کوٹھے پر بال سکھانے جاوے۔ کھڑکی کے پٹ کھلے ہیں بادصبا کے مستانہ جھونکے آتے ہیں۔ اور کالی کالی ریشم سی ملائم زلفیں پیارے پیارے خوبصورت چہرے کے گرد بکھری ہیں ہوا کی اٹکھیلیوں سے جھوم رہی ہیں۔

پانی کبھی زور شور سے برستا ہے اور کبھی ترشح ہوتا ہے "پابند انسان کو رشک دلانے والے آزاد طیور صحرائی" ہوا سے لچکتی ہوئی سرسبز شاخوں پر بیٹھے ہیں۔ اور جھولنے والی پریوشوں کی طرح ملاریں گا رہے ہیں۔ سبزہ کسی کی اُٹھتی ہوئی بہار حسن کی طرح لہلہا رہا ہے۔ غرض کہ قدرت کی ہر چیز نکھری ہوئی ہے۔ ہمارا سوختہ دل عاشق اس سین کو دیکھ کر بیتاب ہو گیا۔ فضائے صحرا میں اس کو ہر چیز پُربہار نظر آئی مگر افسوس اُس کا گلشنِ دل بالکل پژمردہ نظر آیا۔ ساتھ ہی اُس کے اُس باغبانِ حقیقی کی کارسازی کا خیال آیا۔ جس نے اپنے فیضِ عمیم سے بارانِ رحمت برسا کر مردہ زمین کو زندہ کیا۔ یہ خیال آتے ہی اُس کی آنکھوں سے اشک کا دریا اُمنڈ آیا اور بے اختیار یہ مصرعہ اس کی زبان سے نکل گیا۔ ع۔ اس نخلِ تمنا میں الٰہی ثمر آئے۔

ہمارے نئی روشنی والے جن کے دماغ مغربی تہذیب سے مجلّیٰ ہوئے ہیں۔ جو شاعری کو مجنونانہ بڑ سمجھتے ہیں جو سوسائٹی اور کلب کے دیوانے ہیں دکھائی حذا کے لیے "کلب" سے بڑھا گناہ نہ سمجھا۔ یہ عاشقانہ مصرعہ سنکر کہتے ہیں کہ نخل پہلے سرسبز ہوتا ہے تب ثمر آتے ہیں۔ یہ دعا قبل از وقت کیسی۔ آہ! کوئی ان سے یہ پوچھے کہ آپ نے کبھی دلی جذبات کا اندازہ کیا ہے یا نہیں کبھی حسن و عشق کے پاک وصاف "فریمیسن" میں داخل ہوئے یا نہیں۔ آپ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ ذوق شوق کیا چیز ہے۔ ناز و نیاز کیا شے ہے۔ بیچارہ عاشق فرط ذوق شوق میں تڑپ کر نخل کے سرسبز ہونے کے پہلے ثمر آنے کی دعا مانگ گیا۔ بعینہ اُسی طرح جیسے کوئی مشہور ماہر علم حساب کسی مشکل سوال کو حل کرنا چاہے۔ آخر بہت غور کے بعد قادر ہو۔ اس کو دیکھیے کہ کس جلدی سے دو تین اسٹپ چھوڑ کر جھٹ سے جواب نکال دیتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے دل از دست دادہ عاشق کو سمجھیے جو کہہ رہا ہے۔ ع اس نخل تمنا میں آگی ثمر آئے۔ ن۔ ع

جناب حکیم سید ولایت حسین صاحب وصل نتینوی کا خط

حضرت زاہد کے نام

از الموڑہ پہاڑ محلہ کپینہ قیامگاہ منشی قیام الدین صاحب بنارسی ۲۴ جون ۱۹۰۸ء

زاہد میاں و حفیظ میاں سلام مسنون پہلے ایک مطلع اور شعر لکھتا ہوں۔ انکو پڑھیے

وعدۂ وصل ہے کیسا اچھا | آج تک کہتے ہیں اچھا اچھا
کر کے بسمل وہ مجھے چھوڑ گئے | ایسے ملنے سے نہ آنا اچھا

اب ان اشعار کی شان نزول سنیئے۔ میں آپ لوگوں سے رخصت ہو کر الہ آباد سے ٹھیک ۱۱½ بجے دن کی ٹرین سے روانہ ہوا۔ ایک بجے پرتابگڈھ اسٹیشن پہنچا۔ اتفاق منشی سراج الدین احمد صاحب گارڈ سے سرسری ملاقات ہوئی۔ وہاں سے چل کر ۵ بجے لکھنو اسٹیشن پہنچا۔ پھر ہر دوئی ہوتا ہوا شاہجہانپور اسٹیشن پہونچکر بشدت بھوک معلوم ہوئی۔ میں تلاش قوت لایموت انٹرمیڈیٹ کلاس ریزرو سے اُترا۔ شامت اعمال سے کچھ نہ ملا۔ میں اپنے کمپارٹمنٹ سے دور تھا کہ انجن نے سیٹی دی اور فوراً یہ چل وہ چل روانہ باشد۔ میں ہندوستانی بوکھلاہٹ کے ساتھ سامنے کے ایک سکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں گھس پڑا۔ وہاں کچھ صورتیں وحشیانہ غیر مانوس نظر آئیں

وہاں سے پٹری پٹری بھاگ کر بدحواسی کے ساتھ ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں جو اسی سکنڈ کلاس کا دوسرا حصہ تھا اپنے خیال میں خالی خیال کرکے ورانہ اندر داخل ہوگیا۔ خالی ہونے کی نسبت میرا خیال غلط نکلا۔ اس میں ایک ہندوستانی علیل لیڈی معمول سے زیادہ حسین لیکن انگریزی آزادی اور معاشرت کی خوگر اس فوٹو سے کہ اپنی داہنی کہنی دو تلے اوپر رکھے ہوئے تکیوں پر ٹیکے ہوئے بایاں پاؤں مقابل کے تختہ پر اور داہنا پانوں اپنے سیٹ کے تختہ پر پھیلائے ہوئے بائیں ہاتھ میں محمد علی طبیب میونسپلٹی ہردوئی کا ناول (نیل کا سانپ عرف کلیوپیٹرا) چہرے کے سامنے لئے ہوئے توجہ کے ساتھ پڑھ رہی تھی۔ اس وقت اُس کے چہرے کو رات کی مناسبت سے ماہتاب اور کتاب کو سفید ابر کا غلیظ ٹکڑہ انتقالاً بتاویل شاعرانہ خیال کرنا ناموزون نہ تھا۔ بہرحال میں اپنی مضطربانہ مداخلت پر خوف زدہ ہوکر دروازہ پر ٹھٹکا اس لیڈی نے فوراً بایاں ہاتھ مع کتاب کے سینہ کی طرف جھکا کر مجھے دیکھا اور بظاہر مجھے اپنی حرکت پر نادم اور کسی قدر مخوف خیال کرکے نہایت ترحمانہ ہندی لہجہ میں اس طرح ڈھارس دی (آپ بے تامل اندر آسکتے ہیں۔ میری اجازت ہے) ان الفاظ سے میری مردہ طبیعت میں رستمانہ جرأت کا جوش ہوا۔ اور میں نے اندر جاتے ہوئے یہ الفاظ ادا کئے (گاڑی چھوٹ گئی میں گھبرا کر اس درجہ میں آگیا۔ معاف فرمایا جاؤں) اُس کے جواب میں اُس نے تبسمانہ لہجہ میں کس مزہ کا فقرہ کہا (ممکن ہے کہ آپ کا عذر صحیح ہو۔ لیکن کب۔ جب میری طبیعت پر آپ کی یہ مداخلت گراں گزری ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس لیے آپ کا عذر بھی بے محل اور غیر ضروری ہے۔ خیر تشریف لایئے) اب میں اُن کے حکم کی تعمیل میں قریب گیا اور سامنے کی سیٹ پر جس سے انھوں نے اب اپنا پانوں اُٹھا لیا میں بیٹھ گیا۔ قریب سے دیدار نصیب ہوا لہٰذا مختصر حلیہ لکھتا ہوں۔ لیڈی صاحبہ انگریزی ڈریس میں ہیں۔ فقط اس قدر فرق ہے کہ بخلاف یوروپین لیڈیز کے پارسنوں کی طرح ایک ریشمی نیلگوں دوپٹہ بلیدار سر سے اوڑھے چہرہ میں صباحت کے ساتھ ملاحت بھی قیامت کی ہے آنکھیں بڑی اور رسیلی۔ اعضا میں مناسبت اور موزونی۔ خندہ پیشانی۔ بات بات میں مسکراہٹ۔ اظہار قابلیت میں بے انتہا جدوجہد۔ چونکہ جوڑا دوپٹہ میں تھا۔ لہٰذا بالوں کا طول قیاس نہ ہوسکا۔ سیاہ بال۔ حلقوم پر ایک سیاہ تل۔

اب جو کچھ مجھ سے اُن سے باتیں بالمواجہ ہوئیں وہ بطور سوال و جواب لکھتا ہوں۔

نام ان کا قدسیہ بیگم ہے۔
قدسیہ۔ آپ کا اسم شریف
میں۔ مجھے لوگ ولایت حسین کہتے ہیں۔
قدسیہ۔ آپ کہاں اور کیوں تشریف لیجائینگے۔
اور کہاں سے آغازِ سفر کیا۔
میں۔ الہ آباد سے آتا ہوں الموڑہ پہاڑ جاؤں گا
قدسیہ۔ معاف کیجئے کیوں کا جواب نہ ہوا۔
میں بیشک میں بحیثیت طبیب ایک مریضہ کے ہمراہ ہوں
قدسیہ۔ آپ خاندانی طبیب ہیں یا ذاتی
میں۔ کیا فرمایا۔
قدسیہ۔ میرا مقصود یہ ہے کہ آپنے طبابت
آبائی ورثہ میں پائی ہے یا خود اکتساب کیا ہے۔
میں۔ نہیں جناب ورثہ میں طبابت نہیں پائی
بالذات حاصل کی ہے۔
قدسیہ۔ آپ میرا علاج کرسکتے ہیں۔

میں۔ میں خود مسیحا کا علاج نہیں کرسکتا۔ یعنی آپ کا
قدسیہ۔ مسکرا کر۔ پھر یہ مصرعہ کیوں مشہور ہے ع
مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے۔
میں۔ وہ مصنوعی مسیحا تھے اور آپ
اصلی ہیں۔
قدسیہ۔ تو کیا میں حضرت عیسیٰ ہوں۔
میں۔ فقط جان بخشی اور صحت بخشی ہیں۔
قدسیہ۔ اس کی کیا دلیل۔
میں۔ ؏ ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق +
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے + اس اعتبار سے
قدسیہ۔ تو یہ صحت تو عارضی ہے۔
میں۔ جی لیکن بعد اس کے صحت اصلی ہے۔
قدسیہ۔ بات کا تکرار اچھا اصلی صحت کی تصریح
کیجئےگا۔ میں نے مان لیا۔ مسکرائیں۔

اب جو کسی قدر اُن کے تفصیلی حالات اُن کے زبانی دریافت ہوئے وہ لکھتا ہوں۔

یہ لیڈی صاحبہ ایک معزز بیرسٹر لاہور کی چہیتی بیوی ہیں اور ایک والیِ ملک کے چچیرے بھائی کی صاحبزادی ہیں۔ لیکن ایک یوروپین میم کے بطن سے۔ قدسیہ بیگم نام ہے۔ فارسی میں منتہی انگریزی میں پنجاب یونیورسٹی کی انٹرنس پاس ہیں۔ شوہر صاحب کے تعمیل حکم میں اُن کے ہمراہ ولایت گئیں۔ لیکن ناموافقت آب و ہوا کے باعث سے دو ماہ رہکر بیمار ہوئیں اور ناچار واپس تشریف لائیں۔ صرف اس قدر فائدہ وہاں سے حاصل کر لائیں کہ اس وقت سے پردہ کی رسم کو وحشیانہ خلاف تہذیب خیال کر کے خیر باد کہدیا۔ سنہ ۱۹۰۲ء سے اُن کے شوہر صاحب نے بیرسٹری چھوڑ کر ایک جہاز کے کارخانہ واقع کراچی میں شرکت کر لی ہے۔ لہذا وہ تاجر کراچی کہلاتے ہیں۔ لیڈی صاحبہ ۱۶ فروری کو تپ میں مبتلا ہو کر حسب صلاح ڈاکٹر معالج شملہ گئیں۔ وہاں مرض میں ترقی پا کر واپس آئیں۔ اب ڈاکٹر کی رائے سے نینی تال جاتی ہیں۔ مگر یہ کراچی سے، رجوں

کو روانہ ہوئیں اور بضرورت لکھنؤ میں کچھ قیام کیا اب نینی تال جاتی ہیں۔ چار ملازم اور ایک بیرسٹر صاحب کے بھائی ہمراہ ہیں۔ لیکن اور سب حسب رائے ڈاکٹر دوسرے کمپارٹمنٹ میں ہیں۔

(اس پرلطف خط کا بقیہ حصہ حصۂ دوم میں شائع کیا جائے گا۔ مولف)

جناب مولانا ابوالحسن صاحب مرحوم بھوپالی کے خط

حضرت محوی لکھنوی کے نام

مولانا مرحوم کے خطوط بہت دیر میں وصول ہوئے۔ اس وجہ سے نہ شروع میں تعارف کیا گیا نہ ترتیب سے درج ہو سکے۔ آپ عربی میں فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ آہ! ابھی علمائے بھوپال رسم دستار فضیلت بھی نہ ادا کرنے پائے تھے کہ کفن پہننا نصیب ہوا۔ میرے بھی عنایت فرما تھے اور میرے عزیز دوست حضرت محوی لکھنوی کے دلی دوست اور ہم سبق تھے۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ مولف

وردِ سندیم و خبر میدہد از سوزِ درِ دل دہنِ خشک و لبِ تشنہ و چشمِ ترِ ما

بندہ نواز تسلیم۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا مرسلہ لفافہ اس سفر میں آپ کا پہلا خط ہے جو مجھے ملا۔ ایک مخلص خادم اور راز دار دوست کی طرف سے اس قدر تغافل صریح ظلم کے علاوہ اور کیا تھا۔ لیکن ہمارے یہاں یہ مثل مشہور ہے صبح کا بھولا شام کو آجائے تو بھولا نہ سمجھو۔ آپ نے مجھ کو اگر ایک طویل مدت کے بعد یاد فرمایا تو مجھے شکایت نہیں۔ گلہ نہیں۔ جانتا ہوں کہ مجھ بدنصیب اور دور از دست افتادہ کی محبت اور خیال ابھی آپ کے دل میں کسی قدر باقی ہے۔

میری مہاجرت کی زندگی کیونکر کٹتی ہے؟ اس کی نسبت عرض ہے کہ بے لطف اور بے مزہ۔ گرمیوں کی سہانی سہانی راتوں اور دن کے دلفریب سمے پر جب نظر پڑتی ہے تو یہ نہ پوچھئے کہ سینہ میں کس قدر الجھن اور دل میں کتنی دھڑکن ہوتی ہے لیکن بے چینی اور مجبوری تڑپ اور بیقراری۔ یہ وہ انیس تنہائی ہیں جو اکثر اوقات میرے لیے آیۂ رحمت بن جاتے ہیں اور ان کا وجود میرے سکون کا باعث ہوتا ہے۔

اللہ اللہ۔ ایک وہ زمانہ تھا جب ہم اور آپ راتوں کو یکجا بیٹھا کرتے تھے اور مرحبے

مزے کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ یا آج وہ وقت ہے کہ میں اپنے غمخوار دوست کو ڈھونڈھتا ہوں اور بیچین آنکھیں تلاش کرتی ہیں۔ مگر نہیں ملتے اور ملنے کی صورت ہی کیا ہے۔ جب ہمارا حال مرحوم یار محمد خان کے اس مصرعہ کا مصداق ہو۔ ع

ہم رہیں بھوپال میں اور تم رہو سی پور میں

میں بھوپال کی بے لطف زمین پر حیات کی پُرلطف گھڑیاں بدمزگی کے ساتھ کاٹ رہا ہوں۔ اور آپ حسینانِ لکھنؤ اور مہوشان چوک کے روح افزا جلسوں میں لطف صحبت اُٹھاتے ہیں۔

میں اپنے عزیز دوستوں۔ اور قریبی رشتہ داروں سے ضرور ملتا ہوں لیکن میں جس چیز کا جویاں ہوں وہ یہاں کہاں نصیب۔ اور اسی بنا پر میری زندگی بظاہر کسی قدر "سکونِ حال" کی مظہر کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقی اطمینان قلب میسر نہیں۔

میں اپنے دل۔ اور بیقرار دل۔ پژمردہ دل کا حال آپ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں لیکن قدرت نے حکیم قدرت اور نکتہ شناس قضا و قدر نے مجھے توفیق قلم سے محروم رکھا ہے۔ اب نہ میں کچھ اپنی حالت ہی کا اندازہ کرا سکتا ہوں اور نہ اپنے دردِ دل پر مطلع۔

اگر زمانہ نے مجھ غریب۔ اور دُور افتادہ حرماں نصیب۔ کی کچھ بھی مساعدت کی تو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ شوق ملاقات ایک روز مجھے لکھنؤ کی رشک چمن گلیوں کی کوچہ گردی پر مجبور کرے گا لیکن یہ کب تک؟ نامساعدت ایام کی وجہ سے اس کا جواب ہنوز میرے پاس نہیں۔ ہاں دل کی تمنا ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لائیگی۔

آپ کا خط۔ پُرلطف خط کچھ ایسا دلچسپ تھا کہ میں نے کئی کئی بار مختلف اوقات میں پڑھا۔ آپ کی تحریر میں یہی بات ودامی وہ چیز ہے جسے ارباب زمانہ سحرِ حلال اور سحرِ بابل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ؛ ابوالحسن

بھوپال ۱۵ جون ۱۹۱۳ء

شاعر نازک دماغ۔ سلام و نیاز میں نہیں کہتا بلکہ آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کتنے دن اور کئی ہفتہ سے مجھ کو خیریت سے مطلع نہیں فرمایا میں جانتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میری مخالفت انے آپ کو میری جانب سے بدظن کر دیا ہے۔ اور اب میں نوازشات قدیمہ کا مستحق نہیں رہا۔ میں اس موقع پر حجاج بن یوسف ثقفی اور ایک سپرد

اجل کا واقعہ۔ اور پھر جان بخشی کی داستان لکھتا مگر آپ ہی بتائیے کیونکر لکھوں جب میں پے بہ پے دلشکنی کے اسباب راست گوئی کے صریرسے آپ کے دوست کی ذات پر حملہ کرچکا ہوں جس نے کہ شاعر فصیح البیان جناب شوق جنگی کے جناب میں مجھ کو سالہاسال سے عقیدتمندانہ سُرخروی حاصل ہے۔

مین لکھنؤ میں نہیں۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ آپ کے دل پر میرے فقرات کا کیا اثر پڑا ہوگا

بھوپال میں نمایش ہوئی لیکن اس کے دیکھنے کا دماغ کسے۔ کون کیچڑ پانی میں مارا مارا پھرے۔ کرایہ کے تانگے پر جائے اور شاہ علی شاہ کے قبرستان میں پہنچکر نمایش کی سیر کرے۔ نمایش میں کیا ہوا؟ سنتا ہوں کُشتیاں ہوئیں۔ انسانی ریچھ اور شیر ناچے۔ اور گودے بڑے تالاب میں تیرائی ہوئی۔ اور دوروز کے علاوہ ہرون ابروباراں نے اپنے قدم میمنت لزوم سے جلسہ کو رونق دی۔

جون کا الناظر پڑھا۔ اور چند بندروں کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ میں کیا کرتا جنگل نہ تھا کہ بندروں کے غیر مفید تحقیق میں الناظر کے صفحات میں مارا مارا پھرتا۔ نظم جتنی سب ناپسند ہاں یہ خوب ہوا کہ "محاربات صلیب" تمام ہوئی۔ لیکن اس کی خوشی کس کو ہوگی؟ اُسے جس کے پاس کتاب مذکور کے پورے اوراق ہوں۔ یہاں کمی ہے۔ تو پھر کاہے کی مسرت اور اپنے خیال میں تو ابھی پوری ہی نہیں ہوئی۔

"نقاد" بھی دیکھنے کو ملا۔ جناب شوق کی نظم "نیرنگ جمال" کا تیسرا رُخ کچھ عجب دلچسپ تھا۔ پڑھا اور بار بار پڑھا۔

فرمایئے نورچشم تو بخیریت ہے۔ کیا نام تجویز کیا اور کس نام سے موسوم کرنے کا ارادہ ہے خدا لڑکے کی عمر میں ترقی دے اور جب تک ماہ وسال اور رات دن قائم ہیں زندہ رہے۔ میرے خیال میں نام ہو لیکن عربی طرز کا۔ آپ اپنے نام کے ساتھ صدیقی لکھتے ہیں۔ عربی النسل عجم ہزار سالہ زندگی بلکہ اس سے زیادہ قیام پر شرع کی نگاہ میں عرب ہی ہیں اگر یہ بالکل درست ہی تو آپ عرب اور عرب کے بیٹے اور پوتے پھر کیوں اولاد کا نام مرکب احمد حسین ظہور حسین۔ مظہر حسین۔ دین محمد۔ خان وغیرہ ہو۔ سیدھا نام اور وہی چوحرفی سہ حرفی۔ عمر۔ فاروق۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ سفیان۔ معاویہ وغیرہ کی قسم کے کیوں نہ رکھے جائیں۔

ہاں کہیے دل کی حالت کیا ہے اور کیسی ہے۔ کس کی یاد چٹکیاں لیتی ہے۔ سرزمین لکھنؤ

شاہدان بازاری کے نظارے - چوک کی سڑک - امین آباد کے پارک نے آپ پر کیا قیامت ڈھائی اور شاعری کی مشین کو اپنی برقی روشنی سے کہاں تک تیز کیا - لیکن معلوم ہوتا ہے یہ سب غلط اور خیالات رفتنی ہیں - جو آگئے - اور تھوڑے دن میں رفوچکر ہوجائیں گے۔

لکھنؤ کے قیام نے آپ کی زندگی میں کوئی انقلاب نہیں کیا - وہی انجمادی کیفیت اور وہی خود فراموشی - دوسروں کو تلقین شہرت اور خود گمنامی میں پڑے رہنا

ایک دو دن نہیں بلکہ آپ کو لکھنؤ گئے چار مہینے ہوتے ہیں مگر اب تک نہ کوئی نظم ہے نہ غزل اور نہ مضمون - ہاں اُس مضمون کی سند نہیں جو میں نے آگرہ اخبار میں پڑھا تھا - کہیئے "ظل السلطان" نے آپ پر سایہ گستری کی یا نہیں - یہاں تو مضمون کے تقاضے رونمائی کرتے ہیں - لیکن "ظل السلطان" . . . . کے حرم میں سے پردہ سے باہر آیا - تو کن احباب کے لیے جو اُس کو پسند نہیں کرتے - جن کو عورتوں کی تعلیم سے سروکار نہیں - مجھ کو کیا آزاد ردہوں - کوئی آئے یا نہ آئے - اور کوئی پوچھے یا نہ پوچھے - اس کی کس کو خواہش ہو جس کے دل و دماغ میں قوت بیان کی مشعلیں روشن ہوں - اب نہ یارائے تکلم ہی رہا اور نہ طاقت تحریر۔

ہاں یہ بات تو میں بھول ہی گیا "نقاد" میں جناب عسفد رمرزا پوری کی جواب تنقید کا دوسرا نمبر بھی پڑھا - خوب لکھا - ماشاء اللہ چشم بد دور ع - اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ؛ منشی صاحب کا رنگ میرے نزدیک آزاد اور غالب شیوہ بیان کے طرز تحریر سے کم نہین - کوئی محنت کرے اور عمر صرف کر دے - لیکن تینوں قسم کی بے نظیر تحریر محروم ہی رکھ کر اپنی لاجوابی کا ثبوت دیں گی - لیکن شاباش ہے عسفد رمرزا پوری کو جو اوروں سے نہ ہو سکا وہ اُنھوں نے کر دکھایا - جو کچھ لکھا نئے رنگ میں اور کیسا رنگ خالص نکھرا ہوا - جس میں نہ بنوٹ کی آمیزش ہے اور نہ تکلف کا نشان۔

ایڈیٹر صاحب - "الناظر" کی دو مرتبہ آزمائش ہوئی - ایک ابوالرشاد کی تنقید نیرنگ جمال چھاپتے اور دوسرے اسی مہینے کے "الناظر" میں احسن مارہروی کے مضمون کی بنا پر - اچھا رخصت -

نیازمند
ابوالحسن

مؤلف کا خط

حضرت دلگیر اکبرآبادی کے نام

مرزاپور ۳ رمئی ۱۹۱۲ء

کچھ خبر ہی نہیں اللہ رے مری بے خبری
کس کا مشتاق ہوں میں کون ہوں میں کیا ہوں میں

شام کا وقت ہے۔ صاف آسمان۔ جا بجا ابر کے ٹکڑے۔ موسمی ہوا۔ گرمی کم کم۔ زرد سبزہ مرجھائے ہوئے درخت۔ کملائے ہوئے پھول۔ بیقرار دل۔ للچائی ہوئی نظر۔ خود رفتگی۔ مگر انتظار میں ڈوبی ہوئی۔ حسرت کم۔ ارمان زیادہ۔ جس دل میں کچھ ذوق ہو۔ وہ اس پیاری شام کو کیا کچھ نہ کہے۔ سہاونی شام۔ میری اچھی شام۔ انتہائے جوش و تعلق میں تجھے شام اودھ نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔ اور یقینی تو وہی شام ہے جو اودھ میں شام اور تھوڑی دُور چل کر بنارس میں صبح ہو جاتی ہے۔ خدا تجھے نصیب دوستان رکھے۔ اللہ اللہ دلگیر سے دوست کا محبت تازہ کرنے والا نوازش کارڈ ملا۔ دیکھتے ہی جی لوٹ گیا۔ گزشتہ صحبتیں یاد آگئیں۔ تصویر میں کسی کا پیارا پیارا نقشہ آنکھوں کے تلے پھر گیا۔

ظالم ریاض سے خدا سمجھے۔ "مشرق" اور "فتنہ" میں جب اسے دیکھا تھا تو صرف دل بیتاب ہی تڑپ کر رہ گیا تھا۔ مگر ہائے دلگیر کے سحر آفرین قلم سے نکل کر تو اس شعر نے قیامت ہی ڈھا دی۔

ہائے رے شوق کہ دن کاٹتے ہیں گن گن کر
آج آتا ہے نہ کل خط کا جواب آتا ہے

ان سادے سادے لفظوں میں خدا جانے کس بلا کا جادو تھا کہ جس نے غریب صفدر ستم رسیدہ صفدر کے دل کے ساتھ جگر کو بھی برما ہی دیا۔ اس شعر کا جواب سوائے خجالت اور ندامت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس اہل انکاری کا خدا بھلا کرے جس کے بدولت اپنے دوستوں سے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے چھوٹے بھائی جعفر کی شادی میں بنارس کو گیا تھا حسن اتفاق کہ اسی زمانہ میں ایک اشنان کا بڑا میلہ تھا۔ چند دوستوں کے اصرار سے میں بھی اُدھر جا نکلا۔ لب دریا وہ جھگھٹے تھے کہ دیوتاؤں کی روحیں بھی وجد میں آگئیں۔ وہ دلکش سین نظر آگیا جو حضرت منیر

مرحوم کی مثنوی مین کبھی دیکھا تھا۔ کوئی کسے چڑھائے۔ کسے نظر سے اُتارے۔ ایک من خیالِ آرزو ہوجانا پڑا۔ طرفہ ستم یہ تھا کہ وہ حسین نہ تھے جن کی سردمہری کی شکایت لکھنے کو کشمیر سے کاغذ منگوانے کی ضرورت پڑتی۔ وہ نیچی نگاہین جو زمین تک جاتے جاتے آنکھون مین لاکھ بار جھینپتی جاتی تھیں۔ آسمان تک بیچارہ نہ پہنچتی تھیں۔ ہمہ تن محوِ تماشا ہورہا تھا۔ بتوں میں خدا کی قدرت دیکھ رہا تھا۔ ابھی اس دلکش نظارے سے جی نہ بھرنے پایا تھا کہ ظالم آسمان نہ دیکھ سکا یکایک قبلہ کی طرف سے ابر اُٹھا اور کاشی میں پہنچتے ہی برسنا شروع کردیا۔ پانی آنے سے اُن نازنینوں کا گلدستہ غنچے کی طرح بکھر گیا۔ یا یوں کہئے پھولوں پر اوس پڑگئی کلیجے پر ہاتھ رکھے غم تبکدے پر واپس آئے۔ اب یہ یقین ہوگیا کہ آرزون کے ساتھ دل کا بھی خون ہوگیا اب اور دل ملے تو کوئی آرزو ہو۔ خیالی ڈھکوسلوں سے کب جی خوش ہوتا ہے۔

پیارے دلگیر ہائے کیا عرض کروں۔ ؎

زلف سے بڑھ کے ہے قصہ مری بربادی کا
نہ سُنین آپ اسے ورنہ پریشاں ہونگے

صفدر مرزاپوری

خان بہادر میر ناصر علی صاحب اڈیٹر صلائے عام، دہلی کے نام مع اُن کے مختصر نوٹ کے

دادِ قابلِ ناز

یہ سُرخی میں نے ذیل کے ایک خط کی بالکل بے مبالغہ تجویز کی ہے کہ ایسی طبیعتیں جو نزاکت کی جان سمجھی جاتی ہیں کسی کے نازک خیالی کی داد دین تو جس قدر ناز کیا جائے تھوڑا ہے۔ صاحب تحریر سے مجھے کسی طرح کا تعارف نہیں یہ پہلا خط ہے جو اُنھوں نے مجھے لکھا۔ اور گو نومبر ۱۹۰۹ء کی داد مجھے ۱۹۱۰ء میں ملی مگر میں بہت خوش ہوں کہ میری محنت بیکار نہیں گئی ؎

ناظرِ یگانہ۔ ناصر زمانہ۔ حضرت خان بہادر دام مجدکم۔ وہ ایک پرچے "صلائے عام" کے میری نظر سے بھی گذرے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہیں آپ کے حسن سخن اور ترشے ہوئے مضامین

کی داد معمولی ٹوٹی پھوٹی اُردو میں بھی نہیں دے سکتا۔ آپ کی نزاکت خیال حسینوں کی نگاہ ناز کی طرح نشتر بن کر کلیجے میں چبھ رہی ہے۔ یوں تو یہ مضمون آپ کا سحر سامری کا چلتا ہوا جادو ہے مگر جس جگہ آپ کا قلم شوخی کر گیا ہے پڑھنے والوں کو اتنی بھی اجازت نہیں دیتا کہ غریب دونوں ہاتھوں سے دل تو سنبھال لیں۔

آپ کے مضامین دیکھ کر بے ساختہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے۔

اس انداز سخن پر اُن معشوقوں کی بھی نگاہ ہے جو غرورِ حسن سے کسی کی طرف نظر اٹھا کے دیکھنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ایک شوخ ناز آفریں کے ہاتھوں میں "صلائے عام" نظر پڑا اور "حسن تحسین" والے مضمون پر نگاہ تھی مجھے دیکھ کر کسی کا مسکرا کے یہ کہنا دیکھو تو یہ فقرے ناصر علی خاں نے کیسے پیارے لکھے ہیں بھولنے کی چیز نہیں۔

"لیکن آپ کہیں گے کہ اس عمر میں یہ باتیں تجھے زیب نہیں دیتیں۔ میری عمر تو آپ کو معلوم ہے۔ نور جہاں اس وقت زندہ ہوتیں تو میری دادی کی عمر سے بھی زیادہ بڑی ہوتیں اس صورت میں معصیت کا خیال کسی طرح سے ممکن نہیں۔ پھر بھی یہ ذکر میری خطاؤں میں سمجھا جائے تو یہ خطا آپ جلد معاف نہ فرمائیں۔ کہ ابھی مجھے اپنی گنہگاری میں لطف آرہا ہے ؎

نہ کھینچو جگر سے کٹاری ابھی + مزہ لیتی ہے بیقراری ابھی

میں نے دیکھ کر کلیجا تھام لیا۔ دوسرا فقرہ میں نے انھیں دکھایا اُس کو بھی لکھے دیتا ہوں ہائے آپ کی طرز تحریر دل میں چٹکیاں لیکر بے چین کئے دیتی ہے۔ وہ یہ ہے۔

"لکھنے پڑھنے کا مشغلہ میں کب کا چھوڑ بیٹھا ہوتا۔ مگر مہدی حسن کی تحریر نے ایسا گدگدایا کہ زخم کہن ملنے لگے"

کس کس فقرے کی داد دی جائے۔ ع ایک سے ایک زیادہ ہیں مچلنے کے لئے

صفدر مرزاپوری از بھوپال ۱۸ اپریل سنہ ۱۹

صورت گر خوبان معانی۔ ماہ اگست کا "صلائے عام" حسینان معانی کا ایک نادر مرقع ہے یوں تو جس چیز میں بھی حسن ہو۔ وہ خواہ مخواہ ہر شخص کو بھلی معلوم ہوتی ہے لیکن حسن خیال کا پرکھنا کچھ مذاق سلیم ہی پر منحصر ہے۔

شاہد قدرت کی تصویریں جو نزاکتیں آپ کے قلم موشگاف نے دکھائی ہیں وہ مانی و بہزاد کو کہاں میسر جس طرح حسن قدرت تصنع سے بری ہے اُسی طرح اس کی تصویر کھینچنے میں بھی

آپ نے یہ کمال کیا ہے کہ باوجود منشار خیال ہونے کے رنگ آمیزیوں سے پاک رکھا سبحان اللہ اس "حسنِ بیان" کا کیا کہنا۔

"شام کی تمثیل میں عارضِ تاباں پر زلفِ جاناں کا بکھر جانا رات دن کا معاملہ ہے۔

"عیشِ جوانی" میں حضرتِ آنگر نے بھی ستم ڈھایا ہے بخدا "عیشِ جوانی" کے پڑھنے میں وہ سرور ملا کہ کبھی عیش جوانی میں بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ اگر تخیل پر مجھے اتنا دسترس ہوتا جتنا کہ جناب آنگر کو ہے تو اس عالمِ خیال کی سینریوں کے مقابلے میں دورِ شباب کی پُرلطف صحبتوں کا بھول کر بھی نام نہ لیتا۔

تڑپ جاتا ہے دل پڑھ کر یہ دھوکا ہم کو ہوتا ہے
کہ یہ گزرا ہوا قصہ ہے یا عیشِ جوانی ہے

صفدر مرزاپوری

نزہت آرا بیگم کا نامۂ غم

اپنی بہن کے نام

اچھی سہیلی سلمہ۔ پیاری پھوپھی جانی۔ غم نصیب بہن کی عید مبارک قبول کرو۔ یہ ردکھی پھیکی عیدی نہ کچھ چھیڑ نہ ٹھٹول۔ گو دل کو نہ لگے۔ مگر پیاری بہنا یہ عید وہ ہے کہ بڑی بہن کا راج لٹا۔ بڑی بہن کے سہاگ کی چوڑیاں اس پر ٹھنڈی ہوئیں۔ یہ عید میرے گھر میں محرم بنگئی۔ پیاری سلمہ۔ تری اچھی بہن نزہت اک سال کچھ مہینے پہلے دلہن تھی۔ اب رانڈ ہے اگلے برس عید پر۔ مہندی۔ سوئیاں۔ کھانڈ۔ چوڑیاں۔ ماں۔ خالہ پھوپھی نے بھیجی تھیں۔ اب کے سال رنڈسالے کے چڑھاوے ہیں۔ آہ اجاتے والے اگلے برس کی سہاگن عید کو مجھے سرے شہید ہوجانے والے وارث نے سرخ رنگین ریشمی رومال عید میں دیا تھا اور یہ آج کی عید ہے کہ شہید کا پیرہن خون آلود میرے لئے کفن عروسی ہے۔

ہائے ایک سال پہلے آج کے دن میری آنکھوں کے سامنے کوئی کپڑے بدل کر عطر لگا کر اور اپنی آمد کا متوقع کرکے عیدگاہ کو سدھارا تھا۔ تکبیر بھی اُس کی زبان پر تھی۔ آج اس عیدگاہ میں جاکر میرا تکبیر پڑھنے والا ایسا سویا کہ اب قیامت تک اس کی صورت کو ترسوں گی۔ اگلے برس عیدگاہ

نے اس کو میرے پاس بھیج دیا تھا۔ اب کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ نہ آئے گا۔ پچھلی بازار کی مسجد نے اُس کو چھین لیا۔ اب وہ حوروں کے پہلو میں عید منائے گا۔ اور میں تڑپ تڑپ کر عید کا دن کاٹوں گی۔

سلمہ پیاری۔ تصور ہی میں میرے سامنے آ۔ اور مجھ کو دیکھ۔ میرے ہاتھ سفید ہیں جو اگلے برس لال تھے۔ میرے کپڑے سیاہ ہیں جو کبھی رنگین تھے۔ میرا چہرہ زرد ہے جو کبھی سُرخ تھا میرا دل اداس ہے جو کبھی خوش تھا جتنا پہلے ہنسی نہ تھی اُس سے زیادہ اب رو رہی ہوں۔ میں بھی ارمان والی ہوں۔ مجھ کو بھی خدا نے دل دیا تھا مگر ہائے آج سب ارمان خاک میں مل گئے

میری سلمہ۔ آج عید ہے۔ تمھارے اچھے شوہر۔ میرے دولہا بھائی اور تم مستحق مبارکبادی ہو۔ خدا نے تم کو موقع دیا ہے کہ تم انبساط حیات کا لطف اُٹھاؤ۔ تم خوش نصیب ہو کہ تقدیر جیسے ہنسانے کا تم کو وقت دے رہی ہے۔ ہائے ایک مہینے قبل تک میں سچ مچ مصیبت اور غم و رنج کے حقیقی مفہوم سے بے خبر و ناآشنا تھی۔

میں نے اخباروں میں مظالم ایران پڑھے۔ مشہد کی خون ریز داستانیں دیکھیں۔ طرابلس کے ہوش فرسا مصیبت خیز قصے دیکھے بلقانی رنج و افسوس غم و حسرت کی کہانیاں مطالعہ کیں ضعیفوں کی شہادت۔ یتیموں کا قتل۔ بیکسوں کی مصیبت عصمت مآب بہنوں کے رنڈاپے۔ ان سب واقعات کا اثر دل پر ہوا۔ روئی۔ دھوئی۔ غم کیا۔ کم کھایا۔ مگر آج اپنا مالک اپنا گھر بار برباد ہوجانے پر معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت یہ ہے۔ غم اس کا نام ہے۔ صدمہ اس کو کہتے ہیں۔

سلمہ پیاری یہ سنسان اور خونی عید مجھے مبارک۔ تمہارا سہاگ بڑھے۔ مگر رہ رہ کے ہوک اُٹھنے والے کلیجے سے بے خبر نہ رہنا۔ آج جم جم تمہارے گھر کچھ ڑیاں مٹھائیاں آئیں ہونگی مگر غم نصیب ستم رسیدہ بہن کے گھر جھاڑو بھی نہیں پڑی۔ اپنی بہن کے مرنے والے خاوند کی روح کو بھی اللہ کے دیے میں سے کچھ بھجوا دینا۔ اپنی عشرت و عیش کی گھڑیوں میں مصیبت زدہ بہن بیوہ نوبہت کی تکلیف اور غم کا بھی خیال کر لینا۔ میری طرح کتنی ہی نازک اور موم دل بہنیں۔ اس صدمۂ جانکاہ میں گرفتار ہیں اُن کی بھی مدد کرنا۔

اللہ کے نام پر قربان ہو جانے والے شہیدوں کے پس ماندوں کے ساتھ۔ دل دہی تشفی اور مالی امداد سے پیش آنا۔ اللہ اسکا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

آہ بہن۔ آج کی خوشی میں زیادہ کیا کہوں۔ نہیں چاہتی کہ اپنی پُر درد کہانی سُنا کر تمہاری

عید کرکری کردن

تمہاری نزہت از کانپور (توحید)

جناب مولوی سید مظہر الحق صاحب دہلوی کا خط
جناب مولوی نظر الحق صاحب کے نام

یہ دونوں خط محبی سید نظر الحق صاحب نے "مرقع ادب" میں اشاعت کی غرض سے کب روانہ کئے جب کتاب بالکل تیار ہو چکی تھی تاہم اُن کی خاطر سے تین صفحے اور بڑھا دیے گئے پہلے خط کا صرف اقتباس درج کیا گیا۔ (مولف)

بھوپال۔ محلہ جہانگیر آباد۔

ہر کہ آمد بجہان اہل فنا خواہد بود
وانکہ پائندہ و باقیست خدا خواہد بود

نہایت افسوس کے ساتھ اس قیامت خیز سانحہ کی اطلاع دی جاتی ہے کہ بتاریخ ۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ بروز یکشنبہ محمد اظہر الحق کلی نے بعارضہ ذات الجنب انتقال کیا۔ صرف تین دن علیل رہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۱۵ھ یوم چہار شنبہ بمقام بنارس پیدا ہوا تھا۔ عمر بوقت انتقال ۱۷ برس ۷ ماہ تھی مڈل میں پڑھتا تھا۔ صورت سے عمر کم معلوم ہوتی تھی۔ آہ! ابھی سر پر سہرا بھی نہ باندھنے پایا تھا کہ کفن پہننا نصیب ہوا ؎

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اُس کی حسرت نصیب ماں اب بھی نظر نہیں آتی۔ میں کیا کہہ کے تسکین دوں۔ خود ہی بدحواس ہوں۔ ہزار ضبط کرتا ہوں۔ دل کو سمجھاتا ہوں۔ مگر الفتِ پدری جب جوش پر آتی ہے تو پھر دل سے آپ ہی آپ یہ بکنے لگتا ہوں ؎

اس ضعیفی میں ساتھ چھوڑ گئے ۔۔۔ دل بھی توڑا کمر بھی توڑ گئے

خدا بخشے مرنے والے کو خانگی امور سے خلقی دلچسپی تھی صنعت و حرفت سے فطرتاً

مناسبت طبیعت میں جدت۔ مزاج میں نفاست۔ وضع بالکل ساوی۔ یہ اس کا بھولاپن تھا۔ کہ موت ظالم موت کے فقروں میں آکے جان ہی گنوائی۔ افسوس صد افسوس۔

خداوند جل وعلی اُس کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندوں کو فاتحہ خوانی کی توفیق کیونکہ اب وہ ایک ایسے مقام میں جاگزیں ہے کہ کوئی دنیوی شے اُس کو سوائے فاتحہ وخیرات وغیرہ نفع نہیں پہنچا سکتی تربتِ اظہر بھی بزبانِ حال گزرنے والوں سے یہی ملتجی ہے ؎

جو آپ آئے ہیں تو فاتحہ بھی پڑھ دیجئے
گزر بھر آپ کا سوے مزار ہو کہ نہ ہو

بجز اس کے کہ ہوش میں ہوں اور کوئی حالت مجھ میں نہیں۔ دعا کرو کہ جلد صبر آئے

مظہر الحق عفی عنہ

جناب مولوی نظر الحق صاحب دہلوی پیشکار تحصیل مرزاپور کا خط جناب مولوی مظہر الحق صاحب کے نام

مرزا پور ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۴ع

الفاتحہ

کیا انقلابِ روزگار ہے کہ کل یہ ہاتھ جس کی درازیِ عمر کے لئے پھیلے ہوے تھے وہی ہاتھ فاتحہ کے لئے اُٹھے ہوے ہین۔ وہی ہم۔ وہی ہاتھ۔ وہی زمین۔ وہی آسمان۔ گروہ عزیز۔ وہ پیارا نہیں۔ جس کے لئے یہ دل پژمردہ افسردہ تو کیا مردہ ہو گیا۔

اس فلسفہ پر خدا کی سنوار کہ کوئی شے نہ پیدا ہوتی ہے اور نہ معدوم۔ اور اس انتقال کا نام تبدیل ہیئت رکھا۔ کوئی جی جہاں سے جاے اور وہاں کچھ نہیں۔

اے اظہر حق۔ اے ظہور حق۔ تم خوش ریاضِ فردوس کو سدھارے اور ہم سب کو نیم بسمل کر کے تڑپتا چھوڑا۔ تم تو بڑے ذی مروت تھے۔ بڑے خلیق تھے آج نہ خلق کام آیا۔ نہ مروت سے کام لیا۔ اللہ اللہ۔ اس قدر بے اعتنائی۔ تم ایسے تو نہ تھے۔ تم سے امید تو نہ تھی۔ ؎

مہرباں یہ نہیں ہے شرطِ وفا
چل بسے ہم کو چھوڑ کر تنہا

اے مظاہر حق تم خوش نصیب آئے اور خوش نصیب گئے جن کے آغوش تمنا میں اتنے بڑے

ہوئے انھیں کے زانو پر سر رکھکر جان دی۔ جن کو تمہارے سہرے کا بہت ارمان تھا انھیں نے خلعت شادی کے عوض اپنے ہاتھوں سے کفن پہنا کے ایک چشم زدن میں گھر سے رخصت کیا۔ اعزا اور احباب نے بھی عروس قبر سے جا کر تمھیں ہم آغوش کر دیا۔ اور بعد فاتحہ خوانی خالی ہاتھ گھر کی راہ لی۔

اے پیارے اطہر اب تم اپنی نیند سوؤ اور اپنی نیند اٹھو۔ اس دنیا میں کوئی تمھیں اس خواب ناز سے نہیں جگا سکتا۔

اے غم ناکارہ۔ صبر ایوب و صبر یعقوب زبانوں پر ہے۔ وہ ایک واقعہ تھا جسے صدیاں گزر گئیں۔ امتحانا ہوا۔ کل کا واقعہ ملاحظہ فرمایئے کہ ہمارے جد بزرگوار کیسے نرغے میں گھرے اور بھوکے پیاسے اعدا کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ مگر دامن صبر ہاتھ سے نہ جانے پایا۔ وہاں بعد امتحان ہر نعمت گم شدہ موجود ہو گئی اور یہاں تین شبانہ روز دشت کربلا میں جسم اطہر پڑا رہا۔ سر مبارک نیزہ پر چڑھا لیا گیا۔ دمشق گیا عرصہ تک وہاں رکھا رہا۔ جو جو مظالم اشقیا نے کئے اُن کے بیان ہی سے جگر قلم شق ہوا جاتا ہے۔ یہ صبر واقعی صبر۔ وہ صبر امتحان۔ اسی بنا پر مجھے بھی اسقدر عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے کہ ہم بھی انھیں کی اولاد میں سے ہیں جن پر یہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور زبان سے اُف تک نہ نکل

صبر کے معنی سمجھنے میں عام نہیں بلکہ خاص نے غلطی کی۔ یہ صبر صبر نہیں کہ رو پیٹ کر مجبوری سے خاموش ہو گئے۔ صبر یہ ہے کہ ہر صدمہ گو وہ کیسا ہی عظیم ہو۔ بلا اکراہ قبول کر لینا اور ایک معمولی سی معمولی بات سمجھنا۔ یہی صبر داخل شکر و رضا ہے۔ یہ صبر قسام ازل نے سادات عظام کو عطا فرمایا ہے جو ہم سب میں علیٰ قدر مراتب موجود ہے۔ اس وقت جو نسبت سلسلۂ انتساب میں اور ہم میں ہو گئی ہے۔ اسی طرح یہ صبر و استقلال مثل خون کم ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان صدمات کو ہم محسوس کرتے ہیں۔

اس مرتبہ سے گر جانا گویا اصل مرکز سے ہٹنا ہے اور شرافت حقیقی کو چھوڑ کر دوسری جانب متوجہ ہوتا ہے۔

میں اور کچھ اس کے متعلق آپ سے کیا عرض کروں چھوٹا منہ بڑی بات۔ کیونکہ ہم سب آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں پلے اور راستے بڑے ہوئے جو سیکھا وہ آپ سے سیکھا۔ لیس آج آپ جو مثال قائم فرمائینگے وہی کل ہم سب کا دستور العمل ہو گا۔

(محمد نظر الحق)

تمت بالخیر